



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# نوائے دل

از

علامہ محمد احمد مصباحی  
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مرتب

مولانا جنید احمد مصباحی  
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ناشر

مصباحی پبلی کیشن

محمد آباد گوہنہ، سوبین کوڈ: ۲۷۶۴۰۳

## عرض حال

اپنے اسلاف اور بزرگوں کو یاد رکھنا اور ان کی دینی، علمی، تحریری، تقریری، تدریسی اور تحریری خدمات دنیا کے سامنے پیش کرنا اور عوام و خواص کے روبرو کرنا زندہ دل قوم کی علامت اور اس کا اخلاقی و ملی فریضہ ہے تاکہ یہ نابغہ روزگار ہستیاں اپنی خدمات کی روشنی میں رہتی دنیا تک زندہ و جاوہاں رہیں۔

خیرالازکیا عمدة المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کا شمار نابغہ روزگار اور عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جو کبھی کبھی آسمان علم و فضل پر ”شمس بازغہ“ کی صورت میں ضوفشاں ہوتی ہیں۔ آپ نے اب تک جو تدریسی و تحریری، تحریری و تقریری، تحقیقی و تصنیفی دینی اور ملی خدمات انجام دیں ہیں وہ تقریباً نصف صدی کو محیط ہیں، ہم نے آپ کی گونا گوں خدمات سے صرف تقریری خدمات کا احاطہ کرنے کے لیے ان کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

۲۰۱۴/۱۵ء کی بات ہے کہ راقم الحروف نے خیرالازکیا علامہ محمد احمد مصباحی کے کچھ خطبات آڈیو رکارڈنگ سے نقل کر کے ماہنامہ اشرفیہ میں شائع کرائے جن کی کافی پذیرائی ہوئی اور اس پذیرائی کے نتیجے میں خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت کے کچھ اور خطبات حاصل کر کے کتابی شکل میں مرتب کر دیے جائیں۔

بس اس خیال کو اپنے کچھ احباب اور اساتذہ کرام کے سامنے ظاہر کیا تو ان تمام حضرات نے نہ صرف تائید کی بلکہ یہ مفید مشورہ بھی دیا کہ اس میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے تحت ہونے والے فقہی سیمینار میں پیش کردہ خطبات صدارت کو بھی شامل کر لیں، میں نے فوراً حامی بھری اور اس نیک فال کو اپنی مصروفیات میں شامل کر لیا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے مجلس شرعی کے آفس سے فقہی سیمینار میں دیے گئے خطبات کی کاپی لے کر اس کی فوٹو کاپی اپنے پاس محفوظ کر لی اس کے علاوہ ملک کے مختلف خطوں میں منعقد ہونے والے علمی و تحقیقی سیمیناروں کے خطباتِ صدارت کے لیے میں نے حضور مصباحی صاحب قبلہ سے عرض کیا تو حضرت نے کچھ حضرات کے موبائل نمبر دیے اور فرمایا کہ ان سے رابطہ کریں اگر انہوں نے محفوظ کیے ہوں گے تو مل جائیں گے ان شاء اللہ اس طرح کچھ خطبات جو مبارک پور سے باہر دیے گئے تھے موبائل کے ذریعہ موصول ہوئے۔

اس کام میں مشغولیت کے بعد کچھ کانفرنس اور اجلاس میں راقم الحروف خود ہی حضور مصباحی صاحب قبلہ کے ساتھ رہا اور ان جلسوں میں جو خطاب ہوتا میں خود ہی اسے ریکارڈ کر لیتا اور پھر وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا کر کے نقل کرتا رہا چونکہ سن کر نقل کرنے کا کام بڑا اہم اور وقت طلب تھا اس لیے اس میں ایک لمبا وقت صرف ہوا۔ اب جب ان قیمتی خطبات کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تو میں نے کمپوز کے لیے حضرت کے صاحب زادے مولانا فیضان رضا امجد مصباحی، مصباحی پہلی کیشن، محمد آباد گوہنہ کے حوالے کر دیے۔ کمپوزنگ کے بعد میں نے یہ مسودہ خیر الازکیا دام ظلہ العالی کی بارگاہ میں تصحیح اور نظر ثانی کے لیے پیش کر دیا۔

حضرت نے اپنے نہایت ہی قیمتی اور مصروف ترین اوقات سے کچھ وقت اس کی تصحیح میں صرف کیا اور پورے مسودہ کی تصحیح فرمادی جس کے لیے میں حضرت کا بے حد مشکور و ممنون ہوں۔

اس دوران کچھ خطبات اور حاصل ہوئے لہذا ان کی بھی کمپوزنگ کروا کر اور پہلے مسودے میں تصحیح کے دوران جو اصلاحات حضرت نے فرمائیں اور اغلاط کی نشان دہی فرمائی ان سب کو درست کرنے کے بعد دوسری کاپی پھر حضور خیر الازکیا کی بارگاہ میں بغرض اصلاح پیش کر دی۔

حضرت نے دوبارہ بالاستیعاب پورے مسودے کا مطالعہ فرمایا اور کچھ چیزوں کی پھر نشان دہی فرمائی اور پھر خود ہی پورا مسودہ اپنے ایک لائق و فائق اور معتمد تلمیذ رشید حضرت علامہ مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی صاحب قبلہ استاذ دارالعلوم فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، منو کے حوالے کر دیا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ اس کا دقت نظر سے مطالعہ کر کے حاصل مطالعہ کی شکل میں کچھ تحریر بھی کر دیں۔

میں شکر گزار ہوں حضرت مولانا عارف اللہ فیضی صاحب قبلہ کا جنھوں نے پورے مسودے کو پڑھ کر اپنا حاصل مطالعہ ”کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں“ کے عنوان سے ایک مضمون کی شکل میں عنایت کیا۔

حضرت فیضی صاحب قبلہ نے اپنے مضمون کے اندر کچھ خطبات کے نکات اور اہم گوشوں کو ذکر کیا ہے نیز صاحب کتاب کے تعلق سے کچھ ایسی باتیں سپرد قسط اس کی ہیں جو ہماری معلومات اور کتاب کی اہمیت میں اضافہ کر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے نوازے۔

میں نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ سراج الفقہاء، محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کا مشکور ہوں جنھوں نے اس کتاب کے لیے دعائیہ کلمات لکھ کر میری کاوش کی حوصلہ افزائی کی، اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور ان کے فیضان علمی سے سیراب کرے۔

اس کتاب کو دو باب میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلے باب میں وہ خطبات رکھے گئے ہیں جو مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے تحت ہونے والے فقہی سیمینار میں دیے گئے ہیں جب کہ دوسرے باب میں ملک کے مختلف علاقوں میں منعقد ہونے والے علمی، تحقیقی سیمینار اور کانفرنسوں کے خطبات رکھے گئے ہیں اور کتاب کا نام ”نوائے دل“ تجویز کیا گیا ہے۔

اخیر میں اپنے ان تمام محسنین و معاونین کے لیے دعا گو ہوں جنھوں نے اس

کار خیر میں کسی طرح کا تعاون کیا ہے اور مفید مشوروں سے نوازا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ تمام حضرات کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور سب کے علم میں، عمر میں برکت عطا فرمائے۔

رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو قبول فرمائے، اسے قبول عام و خواص عطا فرمائے، ہم سب کے لیے مفید و نافع بنائے اور مجھے خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

جنید احمد مصباحی  
خادم علم: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۲۹ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ  
۲۶ جنوری ۲۰۱۹ء

## دعائے کلمات

سراج الفقہاء محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی  
صدر المدرسین و صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم الله الرحمن الرحيم

حامدا ومصليا ومسلما

علم دین نور الہی ہے جس کی جلوہ گاہ علما کے دل و دماغ ہوتے ہیں اور ان کی تصنیفات بھی اور ان کے فتاویٰ و مکتوبات و خطبات بھی۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا علم زیادہ تر ان کے مکتوبات میں ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا زیادہ تر آپ کے فتاویٰ میں، امام محمد بن اسمعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا علم اپنے تراجم ابواب میں مضمر کیا ہے غرض یہ کہ یہ علم عجیب شے ہے جہاں ہوتا ہے وہیں سے روشنی بکھیرتا رہتا ہے۔ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کے علم کا ایک حصہ ان کے خطبات میں ہے جیسا کہ ناظرین کو مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوگا، آپ کے علم کی جلوہ گاہ آپ کی متعدد تصانیف، ترجمے، حواشی اور یہ خطبات ہیں۔ آپ کے خطبات میں اختصار، جامعیت، تحقیق اور جدت پائی جاتی ہے۔ قلم سیال، زبان شستہ اور مضامین اصلاحی ہیں یہ خطبات مختلف سیمیناروں اور علمی مجالس میں حضرت ممدوح نے پیش فرمائے، جنہیں محب محترم جناب مولانا جنید احمد مصباحی نے بڑے سلیقے سے مرتب کر کے یکجا کیا ہے جس کے باعث اس کی افادیت بہت عام ہو چکی ہے، مولانا جنید احمد صاحب موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۱۱ء میں درجہ فضیلت سے اور ۲۰۱۳ء میں درجہ تحقیق فقہ سے فارغ ہوئے پھر ۲۰۱۴ء سے جامعہ کے شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں وطن مالوف رام پور ہے، موصوف نے دو کتابوں کے جزئیات اور احادیث

کی تخریب کی ہے اور کچھ سیمیناروں کے لیے مقالات بھی تحریر کیے ہیں، آپ کی ایک فکری کاوش پیش نظر خطبات کی ترتیب بھی ہے۔

دعا ہے کہ خدائے قدیر مولانا موصوف کے علم و عمر، فضل، اقبال میں خوب برکتیں عطا فرمائے۔ آپ سے دین کے کام لے اور آپ کے علمی فیضان کو عام کرے اور صاحب خطبات کے فیوض و برکات سے ایک جہاں کو سرفراز فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔ آمین بجاہ حبیبک النبی الکریم الامین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ محمد نظام الدین رضوی

۱۵ جنوری ۲۰۱۹ء صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرافیہ



## کچھ کتاب و صاحب کتاب کے بارے میں

ادیب شہیر حضرت مولانا محمد عارف اللہ المصباحی  
استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ ضلع منو

خیر الاذکیاء، استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی علوم و فنون عقلیہ و نقلیہ میں کامل دست گاہ رکھنے کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر بھی مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ عصری اسالیب میں عربی اور اردو میں آپ کی تصنیف کردہ کتب اور آپ کے تحریر کردہ مقالات و خطبات میرے اس دعوے پر شاہد عدل ہیں، قدیم فارسی زبان و ادب کے ساتھ جدید فارسی زبان و ادب میں بھی آپ کو جو زبردست عبور حاصل ہے اس کا اندازہ تین چار صفحات پر مشتمل آپ کے ایک پر مغز اور نہایت متین و سنجیدہ مضمون سے ہوا۔

حضرت والا اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف تھے اسی لیے آپ نے اپنا یہ قیمتی زمانہ نہ صرف اپنی نصابی کتابوں کے مطالعہ اور ان کے مضامین کو ذہن نشین کرنے میں گزارا بلکہ نصاب سے باہر کی ان کتابوں کا بھی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا جو مستقبل کی زندگی کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوں، اس سلسلے میں ایک بار مجھ سے فرمایا: میں نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں پڑھنے کے دوران اشرفی دارالمطالعہ میں اس وقت موجود تقریباً چار ہزار کتابوں کا مطالعہ کر ڈالا تھا، بعض کتابوں کا تو متعدد بار مطالعہ کیا۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد جب آپ نے میدانِ تدریس میں قدم رکھا تو اپنے علمی مشاغل میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ اس میں اضافہ ہی فرمایا۔

اہل سنت کے متعدد اداروں میں کامیاب تدریسی خدمات کی انجام دہی کے بعد

جب آپ الجامعۃ الاشرافیہ کے صدرالمدرسین بنائے گئے تو اپنے عہدہ صدارت کے دوران آپ نے اپنے علم و عمل اور تدریس و دورانہی سے ادارے کے فروغ و ارتقاء، طلبہ کی ذہنی و فکری اور علمی و عملی تربیت اور درس و تدریس کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جس کے نتیجے میں آج الجامعۃ الاشرافیہ ہندوستان کے اہل سنت کی آبرو، طالبانِ علومِ نبویہ کی پہلی ترجیح اور اسلام و سنیت کے دفاع اور اس کی ترویج و اشاعت کا نہایت اہم مرکز بن چکا ہے۔

آپ ایک عظیم دانش ور، مستقبل شناس مفکر، بالغ نظر مدبر اور جماعتِ اہل سنت کے زبردست بہی خواہ ہیں۔

آپ کے زیر نگرانی مدارس اہل سنت کے لیے ایک جامع جدید نصابِ تعلیم ترتیب دیا گیا جس میں عصر حاضر کے مذہبی، لسانی اور سیاسی و معاشی تقاضوں کو پوری طرح مد نظر رکھا گیا ہے۔

باطل فرقوں کے ابطال و تردید، مذہبِ اہل سنت و جماعت کی تائید و حمایت اور دینی و علمی اور تاریخی و سماجی موضوعات پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کے لیے آپ اور آپ کے چند مخلص احباب نے لمبجہ الاسلامی مبارک پور جیسا عظیم قومی اشاعتی ادارہ قائم فرمایا جہاں سے آپ کی زیر نگرانی اب تک سیکڑوں مفید کتابیں اور رسائل طبع ہو کر مقبولیتِ عام حاصل کر چکے ہیں۔

درسی کتابوں کی اشاعت کے لیے مجلس برکات کے قیام کے بعد جب اس کی ذمہ داری حضرت والا کو سونپی گئی تو آپ نے ان تمام کتابوں کو جن پر علمائے اہل سنت کے حواشی یا شرحیں تھیں مگر غیر سنی اشاعتی ادارے جنہیں ان علمائے ناموں کے بغیر شائع کر رہے تھے، ان علمائے ناموں اور ان کی مختصر سوانحِ حیات کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام فرمایا اور جن کتابوں پر علمائے اہل سنت کے حواشی نہیں تھے انہیں مختلف علمائے اہل سنت سے جدید حواشی لکھوا کر شائع کرایا۔

بازوق فارغین مدارس کی تحریری صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور انہیں پختہ کرنے کے لیے آپ اپنی زیر نگرانی ایک تربیتی کورس بھی چلا رہے ہیں اس میں داخلہ پانے والوں کو اچھا خاصا وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ اب تک درجنوں فارغین اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔

آپ مدارس اہل سنت کے طلبہ کی ذہن سازی، ان کی علمی و عملی سرگرمیوں کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے، انہیں دشمنان اسلام کی اسلام دشمن تحریکات اور مساعی کا کارگر مقابلہ کرنے کا اہل بنانے اور ان کے اندر اسلام و مذہب اہل سنت کی موثر تبلیغ و اشاعت اور ان کے اثبات و احقاق کا ملکہ پیدا کرنے کے لیے مفید تجاویز اور مناسب تدابیر ہمیشہ پیش فرماتے رہتے ہیں۔

آپ اپنے ہم عصر علما خصوصاً نوجوان علما اور جدید فارغین کو مجلس شرعی مبارک پور کے سیمیناروں کے صدارتی خطبات کے ذریعہ اور دیگر مواقع پر بھی نوپید فرقوں کی گمراہ کن سرگرمیوں اور ان کے مکائد اور شرانگیزیوں سے آگاہ کرتے، ان سے مقابلے کے کارگر طریقے اور موثر تدابیر بتاتے اور انہیں ان کے سامنے سبسیدہ پلائی دیوار بن جانے کی تلقین و تحریک کرتے رہتے ہیں۔

آپ شہرت و ناموری، تکبر و خود پسندی اور لاف و گزاف سے کوسوں دور رہ کر خاموشی اور تن دہی کے ساتھ خدمت دین کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب پر حضرت والا کا سایہ کرم تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

زیر نظر کتاب زیادہ تر ان گراں مایہ خطبات پر مشتمل ہے جو آپ نے مجلس شرعی مبارک پور کے فقہی سیمیناروں میں مجلس شرعی کے صدر کی حیثیت سے پیش فرمائے۔ کچھ دیگر مواقع کے خطبات و مضامین بھی اس میں شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں بعض فی البدیہہ اور بعض تحریری ہیں۔ ان میں حضرت والا مرتبت نے بڑی ہدایت آموز، اصلاح کن، فکر انگیز اور معلومات افزا باتیں ذکر فرمائی ہیں جن میں سے کچھ کی طرف میں نے اوپر

اشارہ کر دیا ہے۔

اس میں حضرت استاذی الکریم نے قرآن و سنت، اعمال صحابہ اور اقوال علما کی روشنی میں اہل سنت کے عقائد کا احقاق و اثبات بھی کیا ہے چنانچہ ۲۵ جنوری ۲۰۱۱ء کو سنی دعوت اسلامی کے زیر اہتمام جھولامیدان ممبئی میں منعقد ہونے والے تبلیغی و دعوتی اجلاس میں ”توسل کی حقیقت“ کے عنوان سے آپ نے ایک گراں قدر علمی و تحقیقی خطاب فرمایا جو اسی مجموعے کے صفحہ ۲۱۴ سے صفحہ ۲۳۸ تک کل پچیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اس میں آپ نے دلائل و براہین سے ثابت فرمایا ہے کہ انبیاء اولیاء کو وسیلہ بنانا اور ان سے استمداد کرنا جائز ہے ساتھ ہی مخالفین کے استدلالات کا سنجیدہ و مستحکم رد و ابطال بھی فرمایا ہے۔

”اولیاء اللہ کی شان“ کے عنوان سے ایک مختصر اور جامع و معلومات افزا خطاب بھی دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔

عظیم شخصیات میں امام اعظم ابوحنیفہ، بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی، سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور مفتی اعظم ہند علیہم الرحمۃ والرضوان پر وقیع اور معلوماتی مضامین بھی اس مجموعے کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔

☆ ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء کو بارہ دری، قیصر باغ، لکھنؤ میں ”امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس“ کا انعقاد ہوا اس میں آپ کا دیا ہوا خطبہ برصارت اس مجموعے کے صفحہ ۱۹۱ سے ۲۰۴ تک پھیلا ہوا ہے اس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا احسان صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی ہے کیوں کہ انھوں نے اس وقت کی وسیع و عریض خلافت اسلامیہ میں ہر ایک کے لیے حدیں مقرر کیں اور ہر ایک کو اس کا حق و انصاف دلایا۔

☆ یکم فروری ۲۰۱۷ء کو پراکنک ضلع کشتی نگر یوپی میں ”بحر العلوم فرنگی محلی سیمینار“ منعقد ہوا اس میں آپ نے جو خطبہ، صدارت پیش فرمایا وہ اس مجموعے کے صفحہ ۳۰۸ سے ۳۲۳ تک پھیلا ہوا ہے۔

اس میں آپ نے لکھا ہے کہ بحر العلوم صرف معقولات و منقولات کے ہی شناور نہ تھے بلکہ جام طریقت و معرفت سے بھی سرشار تھے۔ ان کی ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی اقران و اخلاف میں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

بحر العلوم اور ان کا پورا خاندان اسی مسلکِ فکر و اعتقاد سے وابستہ تھا جسے اہل سنت و جماعت کے باعظمت نشان سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت حضرت بحر العلوم کے اس طویل عربی اقتباس سے فراہم ہوتا ہے جو فنِ منطق کے معروف رسالہ ”قطبیہ“ پر میرزا ہدوی کے حواشی کے تحشیہ میں ہے۔ اس کے خاص خاص نقاط درج ذیل ہیں:

(۱) تنزیہ باری تعالیٰ (۲) حضور ﷺ کو نبوت اس وقت حاصل ہوئی جب حضرت آدم - عَلَیْهِ السَّلَام - جسم و جان کی درمیانی منزل میں تھے (۳) حضور کو ان کے رب نے وہ علوم عطا فرمائے جن کا ایک حصہ علم ماکان و مایکون ہے (۴) رسول اللہ ﷺ کا شبیل و نظیر نہ ماضی میں پیدا ہوا نہ مستقبل میں پیدا ہوگا، خلق میں کوئی ان کا ہم سر نہیں (۵) وہ خاتم انبیاء ہیں (۶) وہ حوض کوثر اور مقام محمود والے ہیں۔

اس کے بعد تمام صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اہل بیت کے فردِ عظیم سرکارِ غوثِ اعظم اور اولیائے کرام کے بارے میں اہل سنت کے اجماعی موقف کی تائید اور ان سے اپنے حسن عقیدت و محبت کا اظہار ہے۔

☆ ۱۳ فروری ۲۰۱۲ء کو خانقاہ قادریہ ایوبیہ پراکنک ضلع کشتی نگر یوپی میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر ایک سیمینار کا انعقاد ہوا اس کے مختصر خطبہ، صدارت میں آپ نے حضرت سراج الہند کی دینی، علمی اور عملی خدمات کا تعارف ان جامع جملوں میں فرمایا: ”سراج الہند کی خدمات کا دائرہ

پورے برصغیر کو محیط ہے۔ انھوں نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تزکیہ و ارشاد اور وعظ و خطاب چاروں طریقوں سے دین و علم کی خدمت اور عوام و خواص کی فکری، قلبی اور عملی تربیت میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان کے مواعظ حسنہ سے ایک جہان، فیض یاب ہوا ہے اور ان کی تصانیف آج بھی اہل علم کی دست گیری اور مشکل کشائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔“

آج برصغیر میں جو بھی علما و فضلا ہیں تقریباً سبھی کا سلسلہ تلمذ خصوصاً تلمذ فی الحدیث کسی نہ کسی واسطہ سے حضرت سراج الہند تک پہنچتا ہے۔ یہ ان کی وہ عظیم خصوصیت ہے جو معاصرین کے درمیان ان کے امتیاز کے لیے کافی ہے۔

☆ الجامعۃ الاشرفیہ کی جماعتِ سابعہ کے طلبہ ۱۹۸۸ء سے ہر سال باقاعدہ ”یوم مفتی اعظم ہند“ کا انعقاد کرتے ہیں۔ حضرت الاستاذ نے ۱۴۳۶ھ کے یوم مفتی اعظم کے موقع پر جشنِ یوم مفتی اعظم ہند کے عنوان سے جو خطاب فرمایا اس میں فرمایا: یہ جشن، شہزادہ امام اہل سنت، تاج دارِ اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند سے الجامعۃ الاشرفیہ کی وابستگی کی روشن دلیل ہے خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ اس جامعہ کی بیناد انھیں کے دست مبارک سے رکھی گئی تھی اور درس گاہ کی بلڈنگ مکمل ہو جانے کے بعد اس کا افتتاح بھی انھیں کے ذریعہ درس بخاری شریف کے آغاز سے ہوا تھا۔

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ الجامعۃ الاشرفیہ سے اس لحاظ سے بہت زیادہ قریب تھے کہ اشرفیہ تحریک کا انھوں نے پورا ساتھ دیا جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دارالعلوم مظہر اسلام کا جو پوسٹر شائع ہوتا تھا اس میں خود حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف سے خاص اشرفیہ کے لیے الگ سے بکس میں یہ اپیل ہوتی تھی کہ ”الجامعۃ الاشرفیہ ہمارا دینی و علمی ادارہ ہے اس کے لیے آپ حضرات تعاون کریں۔“

خدا رحمت کند ایں پاکبازان شریعت را

یہ اس مجموعہ خطبات کے بے شمار علمی و فکری جواہرات میں سے چند جواہر ہیں جو

آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔

میں تمام مدارس اہل سنت کے طلبہ، فارغین، اساتذہ، دعوت و تبلیغ اور وعظ و خطابت کے میدانوں میں سرگرم داعیان کرام و خطبائے ذوی الاحترام سے گزارش کناں ہوں کہ وہ اس قیمتی مجموعے کا مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کریں اور رہ نمائی حاصل کریں۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ ہمیں دین حق اور مذہب اہل سنت کی تائید و حمایت کی توفیق بخشے، آمین۔

مولانا محمد جنید صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہم شاگردان و وابستگان حضرت خیر الاذکیاء کی طرف سے لائق صد مبارک باد اور مستحق صد شکر ہیں کہ انھوں نے بکھرے ہوئے قیمتی موتیوں کو یکجا کر کے کتابی شکل دیا۔۔۔۔۔ امید ہے کہ مولانا محترم آئندہ بھی یہ قابل تحسین و تبریک کام کرتے رہیں گے۔  
خداے کریم انھیں عمر دراز عطا فرمائے اور خدمت دین و سنیت کی زیادہ سے زیادہ توفیق سے نوازے۔۔۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ۔

محمد عارف اللہ فیضی مصباحی

مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع منو

## باب اول

ص ۱۶ تا ۱۶۶

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے تحت ہونے والے  
فقہی سیمینار میں پیش کیے گئے خطبات



# مجلس شرعی کے دسویں فقہی سیمینار کا

## خطبہ برصدا ارت

سیمینار کی تاریخ: ۱۴/۱۵/۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۳/۲۴/۲۵ جولائی ۲۰۰۴ء  
بمقام: شارح بخاری دارالافتاء، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

حضرات! فقہ اسلامی ایسا عظیم سرمایہ ہے جس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہو سکتی، اسی لیے ائمہ دین اور فقہائے مجتہدین نے اس پر اپنی خاص توجہ مبذول کی۔ انھوں نے احکام قرآن و سنت میں گہری نظر اور طویل غور و غوص کے نتیجے میں فقہ کے اصول و قواعد وضع کیے اور ان کی روشنی میں بے شمار جزئیات بھی مستنبط کیے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے باضابطہ ایک مجلس فقہ قائم کی جس میں شرعی مسائل پر بحث ہوتی اور طے شدہ مسائل تحریر کر لیے جاتے اگر کسی مسئلہ پر بحث کے بعد بھی اتفاق نہ ہوتا تو وہ اختلاف کے ساتھ درج کر لیا جاتا۔ ان حضرات کی یہ کاوش اتنی عظیم تھی کہ دیگر ائمہ نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الناس کلہم فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ<sup>(۱)</sup>  
مگر کچھ لوگوں نے فقہ و فقہا کی پیروی سے انکار کیا اور پُر فریب انداز میں صرف قرآن و حدیث پر عمل کا دعویٰ کیا۔ دوسرا فرقہ اس سے بھی آگے نکلا، اس نے حدیث کا بھی انکار کیا اور صرف قرآن پر عمل کا مدعی ہوا۔  
حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ کے بغیر حدیث پر عمل ہو سکتا ہے، نہ حدیث

(۱) ”فقہ میں سب لوگوں کا سہارا امام ابوحنیفہ ہیں۔“

وفقہ کے بغیر قرآن پر عمل ہو سکتا ہے۔

تیرہویں چودہویں صدی کے عجمیوں کا کیا شمار؟ صحابہ کرام بھی فہم قرآن میں رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے محتاج تھے۔ اسی لیے رب کائنات نے ایک طرف امت پر یہ لازم کیا کہ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا<sup>(۱)</sup>

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ دوسری طرف رسول کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ امت کے سامنے قرآن کے مفہوم و مطلوب کو بیان کریں اور امت کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں۔ ارشاد بانی ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ<sup>(۲)</sup>

اور اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے بیان فرما دو جو ان کی طرف اترا ہے۔

”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“<sup>(۳)</sup>

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ اسی طرح قرآن کریم نے امت پر فقہ کی تحصیل بھی فرض کی مگر یہ فرض ہر فرد کے ذمہ نہ رکھا۔ کیوں کہ ہر ایک کے لیے فقہ کی تحصیل یا فتاہت کا حصول

(۱) الحشر آیت ۷

(۲) النحل آیت ۴۴

(۳) الجمعہ آیت ۲

ناممکن یا کم از کم سخت دشوار اور مشکل ہے۔ بعض افراد میں عقل و استعداد کی کمی ہوتی ہے، بعض کے لیے لازمی علوم و فنون کا ادراک نہیں ہوتا، بعض اپنی اقتصادی و معاشی مصروفیات کے باعث تحصیل فقہ سے قاصر ہوتے ہیں، بعض جہاد یا دوسری کسی دینی و علمی خدمت میں انہماک کے باعث فقہ میں رسوخ حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے رب کریم نے جو بندوں پر سب سے زیادہ مہربان ہے فقہت کی تحصیل کو فرض کفایہ قرار دیا:

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“<sup>(۱)</sup>

اور مسلمانوں سے یہ تو ہونہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

اس کے ساتھ عام افراد کو یہ ہدایت کی گئی:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الدِّانِ كَمَا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ<sup>(۲)</sup>

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عام لوگ ہمیشہ اہل علم و فقہ سے دریافت کرنے کے حاجت مند ہوں گے۔ اور اہل علم و فقہ بیانِ رسول کے محتاج ہوں گے۔ امت کا بڑے سے بڑا فقیہ حدیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ صدیق و فاروق اور دیگر اکابر فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم احکام اور فہم قرآن کے لیے رسول اللہ ﷺ کی جانب اور بعد میں سرکار کے ارشادات کی جانب رجوع کرتے۔ اس بارے میں بے شمار واقعات موجود ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے محدثین نے استنباطِ احکام کے باب میں فقہ کی برتری کا برملا اعتراف کیا ہے۔ یہ وہ اعظم

(۱) التوبہ آیت ۱۲۲

(۲) النحل آیت ۴۳، الانبیاء آیت ۷

رجال ہیں کہ مدعیانِ زمانہ ان کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ خود حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا بھی ہوگا کہ آدمی محدث ہو مگر فقیہ نہ ہو۔ آدمی احادیث یاد رکھتا ہے، ان کی روایت کرتا ہے، ان کا جو واضح معنی ہے وہ بھی سمجھتا ہے مگر ان سے مزید کیا کیا احکام نکلتے ہیں ان سب کی تہ تک پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

نَصْرَ اللَّهِ عِدَا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا، وَوَعَاَهَا، وَادَّاهَا، فَرَبِ حَامِلِ فِقْهِ غَيْرِ فِقِيهِ، وَرَبِ حَامِلِ فِقْهِ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ <sup>(۱)</sup>

خدا اس بندے کو شاداب رکھے جس نے میری بات سن کر یاد کی، اسے محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ فقہ کے حامل و حافظ و راوی تو ہیں مگر خود فقیہ نہیں، اور بہت سے حاملانِ فقہ ایسے لوگوں کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقاہت رکھتے ہیں۔

حضرت سلیمانِ اعمش تابعی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے جلیل الشان شاگرد اور اجلہ ائمہ تابعین اور تمام ائمہ حدیث کے استاذ الاساتذہ میں سے ہیں۔ ان کا واقعہ امام ابن حجر مکی شافعی نے ”الخيرات الحسان“ میں بیان فرمایا ہے۔۔۔ امام اعظم ابو حنیفہ ان سے احادیث کی تعلیم لے رہے تھے، اسی زمانہ میں ان کی موجودگی میں امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کیے، انھوں نے امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا، امام اعظم نے فوراً جوابات بتائے۔ امام اعمش نے پوچھا آپ نے یہ جوابات کہاں سے نکالے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں، اور وہ احادیث مع اسانید سنادیں۔ امام اعمش نے کہا:

"حسبك ما حدثتك به في مائة يوم تحدثني به في ساعة واحدة،"

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۵۔ مجلس برکات

ما علمت أنك تعمل بهذه الأحاديث. يا معشر الفقهاء انتم الأطباء ونحن الصيادلة، وانت أيها الرجل اخذت بكلا الطرفين" (۱)

بس کیجیے جو حدیثیں میں نے سودن میں آپ کو سنائیں آپ ایک ساعت میں مجھے سنائے دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں پر یوں عمل کرتے ہیں، اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں، اور اے ابوحنیفہ تم نے توفیق و حدیث دونوں کنارے لیے۔

امام اعش سے بھی بدرجہا جل و اعظم ان کے استاذ امام عامر بن شراحیل شعبی ہیں، جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، حدیث میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ خود فرماتے ہیں: ”بیس سال گزر گئے ہیں، کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس سے زیادہ نہ ہو“ مگر اس جلالِ شان اور عظمتِ مقام کے باوجود فرماتے ہیں:

"انا لسنا بالفقهاء، ولكننا سمعنا الحديث فروينا للفقهاء من إذا علم عمل" (۲)

ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں، ہمیں مطالبِ حدیث کی کامل سمجھ نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں، جو ان پر مطلع ہو کر کاروائیاں کریں گے۔

غور کیجیے ایسے جلیل الشان امام اور عظیم ترین محدث نے نقاہت اور فقہا و مجتہدین کی برتری کا کیسے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے مگر آج کل کے مدعیان حدیث جنہیں صحاح ستہ تو کیا بخاری و مسلم بھی ازبر نہیں اور نقاہت میں تو بالکل صفر ہیں وہ فقہ سے بے نیازی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور ائمہ مجتہدین سے امت کا

(۱) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ج: ۱، ص: ۲۷

(۲) تذکرۃ الحفاظ ج: ۱، ص: ۷۸

رشتہ منقطع کر کے اپنی ہوائے نفس کا متبع بنانے کے درپے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔  
حالاں کہ امام سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ فرماتے ہیں:

"الحديث مضلة الالفقهاء" (۱)

ترجمہ۔ یعنی غیر فقیہ کے لیے حدیث گمراہی کی جگہ ہے

نقلہ عنہ الإمام ابن الحاج المکی فی المدخل (۲)

سود کی حرمت قرآن مجید میں منصوص ہے، مگر قرآن میں جس قدر مذکور ہے  
صرف عربیت اور زبان دانی کے سہارے اس سے سود کی حقیقت کا ادراک ناممکن  
ہے۔ اشیائے ستہ سے متعلق حدیث پاک نے حقیقت سود کا پتادیا، مگر ان چھ  
چیزوں کے ماسوا اشیاء کا حال پھر بھی مخفی رہا، اسے مجتہدین کرام نے اپنے اپنے  
اجتہاد و نظر کی روشنی میں واضح کیا، اس کے بعد امت کو عمل کی راہ ملی۔

اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ قرآن فرماتا ہے:

”وَاحِلَ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ (۳)

اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا۔

لغت میں ”ربا“ کا معنی زیادتی ہے اگر مطلق زیادتی حرام ہو تو بے شمار جائز  
بیعیں بھی حرام ٹھہریں گی مثلاً:

۱- ایک تولہ چاندی سے دس کیلو غلہ خریدنا۔

۲- ایک تولہ سونا کے عوض ۲۵ تولہ چاندی لینا۔

۳- ایک صاع گہوؤں کے بدلے دو صاع جو یا چاول خریدنا۔

۴- ایک کیلو کھجور کے بدلے دس کیلو امرود خریدنا۔

۵- ایک کیلو پیتل سے دس کیلو لوہا خریدنا۔

(۲) الفتاویٰ الحدیثیہ

(۳) حاشیہ اقامتہ القیامۃ

(۱) ﴿۲۷۶ البقرہ﴾

ان سب میں کھلی ہوئی زیادتی موجود ہے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بیعیں حرام و ناجائز ہیں، پھر زیادتی کا مطلب کیا ہے؟ اور وہ کون سی زیادتی ہے جو اللہ نے حرام کی؟ قرآن سے اس کی صراحت و وضاحت کوئی نہیں دکھا سکتا۔ حدیث پاک اس بارے میں کچھ رہنمائی کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یدابید، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء، رواه مسلم عن ابی سعید الخدری --- وفي رواية عبادة بن الصامت فإذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا كيف شئتم إذا كان یدابید۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث پاک میں صرف چھ چیزوں کا بیان ہے: سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک۔ اگر ایک صنف کو اسی صنف کے عوض بیچا تو دونوں جانب برابر برابر رکھنا ضروری ہے، اگر ایک طرف زیادتی ہوگئی تو یہ زیادتی ربا اور حرام ہے، لیکن اگر صنف بدل گئی مثلاً سونے کو چاندی سے بیچا تو کتنی ہی کمی بیشی ہو حرام نہیں اگر دست بدست معاملہ ہو۔

ان چیزوں کا معاملہ تو حدیث سے معلوم ہو گیا لیکن ان کے علاوہ دوسری چیزوں کا معاملہ کس صورت میں سود ہوگا کس صورت میں نہ ہوگا یہ معلوم نہ ہوا۔ مثلاً ایک خسی کو بکری کے تین بچوں کے عوض بیچا، ایک قیمتی پتھر کو دس معمولی پتھروں کے عوض لیا، ایک درخت چند درختوں کے بدلے بیچا، ان سب میں بھی زیادتی ہے مگر جائز ہے یا ناجائز؟ کوئی بھی شخص ان احادیث یا دیگر احادیث کے صریح الفاظ میں بقیہ ساری چیزوں کا حکم دکھانے سے قاصر ہے، اسی لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ان آخر ما نزلت آية الربوا، وإن رسول الله ﷺ قبض ولم

(۱) صحیح مسلم باب الصرف، ج ۱۵۸۸

یفسرہا لنا، فدعو الربوا والریبة" رواہ ابن ماجة والدارمی<sup>(۱)</sup>  
 بے شک آیت ربا آخر میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ اس کی پوری  
 تفصیل و تفسیر ہمیں بتانے سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے۔ تو جو سود ہے  
 اور جس میں سود کا شک ہے دونوں چھوڑ دو۔

یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے، وہ بقیہ چیزوں میں سود کی صورت  
 واضح نہیں کر رہے ہیں، ایک اسلم طریقہ بیان فرما رہے ہیں، کہ جہاں کھلا سود ہے  
 اسے تو چھوڑنا ہی ہے جہاں معاملہ واضح نہیں ہو رہا ہے اور سود کا شبہ ہو رہا ہے  
 اسے بھی چھوڑ دو۔

لیکن کہاں کہاں سود کا شبہ متحقق ہے، اس کی تعیین بھی سب کے بس کی  
 بات نہیں، اب امت کا عمل کیا ہو، اس پر ائمہ مجتہدین نے اپنی خداداد بصیرت  
 و فقہات سے غور کیا اور سبھی حضرات نے یہ سمجھا کہ حدیث ربا میں جو حرمت کا  
 حکم مذکور ہے ضرور اس کی کوئی علت ہے، اگر وہ علت دریافت ہو جائے تو ہر چیز  
 کا معاملہ واضح ہو جائے گا۔ جہاں ربا کی علت موجود ہوگی وہاں زیادتی حرام ہوگی،  
 جہاں علت نہ ہوگی وہاں حرمت نہ ہوگی۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ علت قدر و جنس ہے۔ امام مالک نے فرمایا: بطعم  
 و ادخار ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: بطعم و ثمنیت ہے۔ امام احمد کا قول اشہر، امام اعظم  
 کے موافق ہے۔

پھر ہر امام نے اپنی دریافت کردہ علت کی روشنی میں دیگر اشیاء کے احکام بیان  
 فرمائے اور ان کے متبعین اس پر کار بند ہوئے۔

ایسا نہیں کہ ہر امام نے محض اندازے سے ایک علت متعین کر لی، نہیں بلکہ  
 ہر ایک کے سامنے کچھ دلائل و شواہد ہیں جن کی روشنی میں ان کی ایک راے

(۱) مشکوٰۃ ص ۴۴۶ مجلس برکات



قائم ہوئی۔ تفصیل ہر مذہب کی مبسوط کتب فقہ میں ہے۔  
یہ بھی واضح رہے کہ ائمہ کا اجتہاد وہیں کارفرما ہوتا ہے جہاں صریح آیت یا حدیث یا اجماع سے کوئی حکم دریافت نہ ہو اور یہ بھی اس لیے کہ جو حضرات شرائط اجتہاد کے جامع ہوں ان کے لیے قرآن و حدیث سے اجتہاد کی اجازت ہے، بلکہ یہ ان کا فرض منصبی ہے کہ خدا کی عطا کردہ فقاہت سے وہ نصوص کتاب و سنت میں پوشیدہ احکام کو منکشف کریں۔

رہا یہ کہ ان حضرات کے نتائج اجتہاد میں اختلاف کیوں ہوتا ہے تو اس کے کئی اسباب ہیں۔ ایک تو وہی کہ جب متعدد حضرات کسی عام معاملے میں بھی غور کرتے ہیں تو اکثر و بیشتر ان کے رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اصول اجتہاد کا فرق، ہر ایک کو حاصل ہونے والے قرآن و شواہد میں فرق، نکتہ نظر کا اختلاف متعدد اسباب ہیں۔ لیکن یہ قدر مشترک ہے کہ ہر مجتہد کی کاوش پورے اخلاص اور حق جوئی کے ساتھ یہی ہوتی ہے کہ جو حکم تقاضاے شریعت کے مطابق ہو اسے دریافت کریں اور اس پر کاربند ہوں۔ اس کاوش کے سبب وہ اللہ کی جانب سے اجر اور امت کی جانب سے ادائے شکر کے مستحق ہوتے ہیں۔  
آج اگرچہ کوئی جامع شرائط اجتہاد نہ رہا بلکہ فقہی اصطلاح میں جنہیں ”اصحاب تمیز“ کہتے ہیں وہ بھی مفقود ہیں لیکن امت کی رہنمائی آج بھی علمائے دین کا فرض منصبی ہے خصوصاً نوپیدا مسائل کی نوعیت کو سمجھنا اور کتب فقہ میں منصوص مسائل کی روشنی میں ان کے احکام دریافت کرنا عصر حاضر کا بہت بڑا چیلنج ہے۔ اسی چیلنج کا احساس کرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ میں مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا اور مذاکرات کے انعقاد کا سلسلہ جاری ہوا تاکہ جو کام انفرادی طور پر سخت دشوار اور گراں بار ہے علمائے کرام کی قوت اجتماعی اور تعاونِ باہمی سے آسان ہو سکے۔

رب کریم اس راہ میں علمائے مخلصین کی کاوشیں بار آور فرمائے اور ان پر فقہت و بصیرت کے دروازے کشادہ فرما کر ان کے فیضان کو عام و تمام کرے۔  
وما ذالك عليه بعز يز. وهو حسبنا ونعم الوكيل. وصلى الله تعالى  
وبارك وسلم على حبيبه الأ شرف الأ علم وعلى آله وصحبه أولى  
الفضل والفيض والجود والعطاء والكرم.

## مجلس شرعی کے گیارہویں فقہی سیمینار کا خطبہ، صدارت

سیمینار کی تاریخ: ۱۸/۱۹/۲۰ صفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۹/۳۰/۳۱ مارچ ۲۰۰۵ء

بمقام: سید عاشق شاہ بخاری مسجد پالاگلی چارنل ڈونگری، ممبئی

حضرات! اس سے قبل مجلس شرعی کے دس سیمینار مبارک پور کی سرزمین پر الجامعۃ الاشرفیہ کے اندر منعقد ہوئے اور علمائے کرام کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے اب یہ گیارہواں سیمینار عروس البلاد ممبئی کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر میں دین سے والہانہ محبت رکھنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ وہ خیر کی راہ میں اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے نیک جذبات کو سلامتی و توانائی بخشنے، انھیں دارین کی برکتوں سے نوازے اور مصائب و آفات کے سائے ان سے دور سے دور تر رکھے۔

حضرات! انہی اہل محبت میں مولانا شاکر علی رضوی اور ان کے رفقاءے کار بھی ہیں جنہوں نے مجلس شرعی کی افادیت کے ساتھ اس کی مشکلات کا بھی اندازہ کیا اور سیمینار کے انعقاد و انتظام میں اپنا بیش بہا تعاون پیش کیا۔ یہ بھی ان کا امتیاز ہے کہ مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت دام ظلہ یا عزیز ملت زید کرمہ یا راقم الحروف نے اس بارے میں ان سے کوئی بات نہ کی بلکہ انھوں نے خود احساس کیا کہ:

یہ بزم سے ہے یاں کو تاہ دستی میں ہے محرومی

جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

بہر حال ہم ان کے شکر گزار ہیں اور آپ حضرات کا بھی شکر یہ ادا کرتے

ہیں کہ اہم فقہی موضوعات پر آپ نے اپنی فکری و قلمی توانائیاں صرف کیں اور مذاکرہ و مباحثہ کے ذریعہ تنقیح اور فیصلہ کی منزل تک پہنچانے کے لیے اس سرزمین پر تشریف لائے یقیناً حل مسائل کے لیے آپ حضرات نے بڑی کاوش کی ہے۔ مزید براں مذاکرات میں شرکت کے لیے سفر کی صعوبت بھی برداشت کی ان مشقتوں کا بدل ہمارے بس سے باہر ہے رب کریم ہی اس کی جزا عطا فرمانے والا ہے۔ ان الله لا يضيع اجر المحسنين.

## مجلس شرعی کے بارہویں فقہی سیمینار کا خطبہ استقبالیہ

منعقدہ ۲۳/۲۴ رجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۳۰/۳۱ اگست ۲۰۰۵ء

بمقام: امام احمد رضا لاہوری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

میں بھی حضرت عزیز ملت کے اتباع میں آپ تمام حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث مسرت بھی ہے اور باعث خیر و برکت بھی، اس لیے کہ آپ حضرات شرعی مسائل کے سلسلے میں غور و خوض کرنے اور فیصلے تک پہنچنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں نے تقریباً ایک ہفتہ پہلے سبھی موصولہ مقالات پڑھے اور اس سے پہلے مہینے میں جو سیمینار ہوا تھا اس سے متعلق جو مسائل اور مقالات تھے وہ بھی بالاستیعاب پڑھے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے نئے علمائے کرام میں بھی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفحص کے ساتھ ساتھ رائے قائم کرنے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کا ملکہ پیدا ہو چکا ہے، مجلس شرعی کے توسط سے یہ وہ کام ہو رہا ہے جو درگاہ میں نہیں ہو پاتا ہے، ابھی مصنوعی سیارہ کے ذریعہ رویت ہلال کے تعلق سے جو مقالات میں نے دیکھے تو ان میں بڑی اچھی کاوش نظر آئی۔ ہلال کیا ہے، ہلال کیسے بنتا ہے اور چاند کی مختلف منزلیں کیا ہوتی ہیں، روزانہ کتنی وہ سیر کرتا ہے، کتنے ڈگری وہ روزانہ طے کرتا ہے اور ایک دور اس کا کب مکمل ہوتا ہے، یہ سب علم ہیئت کی چیزیں ہیں لیکن ان حضرات نے ساری چیزوں کو تلاش کیا اور اس سلسلے میں ہیئت کی کتابیں مثلاً تصریح، شرح چغینبی اور حضرت ملک العلماء کا رسالہ توحیح الافلاک جو ابھی قلمی ہے اور حضرت مفتی افضل حسین صاحب کی کتاب یہ سب ان

حضرات نے دیکھیں۔ اس سے پہلے جب اس موضوع پر گفتگو ہوتی تھی تو عموماً لوگ خالی الذہن معلوم ہوتے تھے اور یہ بتانا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا کہ چاند کیسے بنتا ہے، کیسے دور مکمل کرتا ہے اور روزانہ کتنی اس کی سیر ہوتی ہے، یہ ساری چیزیں ان کے لیے اجنبی اور بیگانہ معلوم ہوتی تھیں لیکن جب ایک شرعی مسئلے کے تعلق سے تلاش و جستجو انھوں نے شروع کی ہے تو اس سلسلے کی جتنی بھی ضروری معلومات تھیں وہ سب انھوں نے بہم پہنچائیں اور ان کو اپنے مقالات میں قلم بند بھی کیا۔

سینٹلائٹ ایک نئی ایجاد ہے۔ مگر دو مقالوں میں نئی سائنسی کتابوں کے حوالے سے اس پر بھی مفید گفتگو نظر آئی، ایک مقالے میں اس کی معلومات رسانی کے وسائل و مراحل کا تجزیہ کرتے ہوئے رویت ہلال کے باب میں اس کی اطلاع کا مشکوک اور غیر قطعی ہونا خود سائنس کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ یہ جامعہ اشرفیہ کے ایک نو عمر استاذ کی کاوش ہے۔

مبئی کے سیمینار میں ایک موضوع یہ تھا کہ صفا و مروہ کی سعی اگر چھت سے ہو تو جائز ہے یا نہیں؟۔ اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیش ہوا تھا کہ ماضی میں صفا و مروہ کی اصل بلندی کتنی تھی؟ کہاں سے اس کی ابتدا ہوئی تھی اور چوٹی کہاں تک پہنچتی تھی؟۔ یہ ایک جغرافیائی مسئلہ تھا، اس کا ذکر تاریخ اور آثار کی کتابوں میں کم ہی ملتا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ بیشتر حضرات نے اس سلسلے میں جستجو کی۔ اصل بلندی کیا تھی، نیچائی کتنی تھی، کتنا حصہ پٹ چکا ہے؟ یہ سب تلاش کیا۔ کہاں سے سعی شروع ہونی چاہیے؟ سعی کتنی بلندی سے مانی جائے یا نہ مانی جائے یہ تو حکم شرعی سے متعلق گفتگو ہوئی، اس کا جواب تو دینا ہی تھا۔ لیکن جغرافیائی مسئلہ نکالنا، تاریخ، آثار اور جغرافیہ کی کتابوں کو دیکھنا اور کھنگالنا یہ ایک اہم کام تھا مگر ہمارے نوجوان علمائے تلاش و جستجو کی اور بعض حضرات

نے صاف تعین بھی رقم فرمائی کہ سطح سمندر سے صفا و مروہ کی بلندی کتنی تھی اور سطح زمین سے کتنی بلندی تھی۔ اس طرح کی جستجو یقیناً ہمارے لیے بہت ہی کار آمد اور باعث خیر و برکت ہے، جو اس سے پہلے ان مدارس میں نظر نہیں آتی تھی بلکہ مدارس کے شب و روز وہی ہوتے کہ صبح جو سبق پڑھانا ہے اس کو دیکھ لیا اور اس کے علاوہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے ایک ساتھی تھے میں نے ان سے کہا کہ ذرا اخبار بھی کبھی دیکھ لیا کیجیے کہا کہ ارے دیکھنا اور پڑھنا یہ تو میرے لیے بہت مشکل کام ہے، درسی کتاب کا مطالعہ تو اس لیے کر لیتا ہوں کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ صبح طلبہ کے سامنے رسوائی ہو سکتی ہے تو میں وہ بھی نہ دیکھتا۔

الغرض درسگاہوں میں عام مزاج کم و بیش یہی تھا لیکن اب جب میں مقالات پڑھتا ہوں تو جن لوگوں سے اس طرح کی باتیں سننے میں نہیں آتی تھیں اور نہ اس طرح کا مزاج پایا جاتا تھا میں دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں نے بھی جہاں تک ان سے ہوسکا ہے پوری تحقیق کی ہے اور جوابات لکھے ہیں۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ سے بے تعلق عام تھی بس جس کے ذمے فتوے کا کام سپرد ہے وہ فتاویٰ رضویہ، عالمگیری اور شامی دیکھے باقی لوگوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں جب کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ بغیر فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے کوئی شخص عالم نہیں ہو سکتا، جو لوگ بھی اس سے بے تعلق رہتے ہیں ان کے اندر سطحیت نمایاں ہوتی ہے۔ گہرائی اور گیرائی نہیں پیدا ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جو انداز تحقیق ہے اور جس طریقہ سے وہ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور سیکڑوں برس کے مسائل جو حل نہیں ہو سکے تھے انہیں حل فرماتے ہیں اور بہت سی عبارتوں میں جو تعارض نظر آتا تھا اسے دفع کرتے ہیں۔ ان بحثوں کو پڑھنے کے بعد ذہن کھلتا ہے غور و خوض اور تلاش و تتبع کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اخذ و استخراج کا طرز معلوم ہوتا

ہے۔ اب میں نے دیکھا کہ فتاویٰ رضویہ کا کثرت سے مطالعہ کیا جا رہا ہے اور ایک مسئلے سے متعلق فتاویٰ رضویہ میں جو کچھ بھی مل جاتا ہے وہ سبھی لوگ تلاش کرتے ہیں بعض حضرات کچھ زیادہ ہی تلاش کر لیتے ہیں اور زیادہ عبارتوں تک پہنچ جاتے ہیں بعض حضرات کم عبارتوں تک پہنچتے ہیں لیکن فتاویٰ رضویہ ہر ایک کے مطالعہ میں ہے ساتھ ہی قدیم فقہی کتب سے بھی استفادہ بخوبی جاری ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عبارتوں کو پڑھنا اور ان کو سمجھنا اور ان سے استفادہ کرنا یہ معمول ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ سے میں دیکھتا ہوں کہ مقالات میں بھی کافی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو گئی ہے ہم تو یہاں درجہ تحقیق تک تعلیم دیتے ہیں اور درجہ فضیلت تک کی تعلیم تو زمانہ دراز سے ہوتی چلی آرہی ہے، لیکن جو تلاش و جستجو کا مادہ ہونا چاہیے اور ذہن جس طریقے سے بحث کے لیے کھلا ہوا ہونا چاہیے وہ اس ابتدائی دور میں نہیں ہو پاتا۔ آدمی جب تدریس کا بھی تجربہ کر لیتا ہے تو ذہن کھل جاتا ہے طلبہ سے واسطہ پڑتا ہے علماء سے بحثیں ہوتی ہیں اس کے بعد جب وہ کسی چیز کی جستجو میں پڑتا ہے اور کسی بحث کو منزل تک لانا چاہتا ہے تو اس کے مطالعے کا انداز اور ہوتا ہے اس کی تحقیق اور جستجو کا انداز اور ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجلس شرعی کے ذریعہ یہ وہ کام ہو رہا ہے جو اب تک ہم درس گاہ کے ذریعے نہیں کر سکے تھے۔ جماعت کے لیے یہ بہت ہی خوش آئند اور بہت ہی مفید چیز ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے افراد پیدا ہو رہے ہیں۔ ورنہ خال خال مدرسوں میں خال خال علماء ہوتے جن کو فقہ و افتاء سے شغف ہوتا۔ دارالافتاء تو بہت سے مدارس میں کھلے ہوئے تھے مگر وہاں عموماً آسان سوالات آتے، زیادہ تر سوالات وراثت یا طلاق سے متعلق ہوتے، وہ بھی ایسے کہ ان کا جواب آسانی سے ہو جاتا۔

بعض دارالافتاء مستثنیٰ ہیں جہاں ہر قسم کے مسائل آجاتے تھے اور ان



کو ہر ایک پر سوچنا اور غور کرنا پڑتا تھا، ورنہ عام طور پر ایسے ہی مسائل آتے تھے جن کے لیے تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، بلکہ بعض مسائل تو ایسے ہوتے تھے جن کے اوپر پورا پورا رسالہ موجود ہے ان حالات میں تلاش و جستجو کا جو کام ہونا چاہیے وہ نہیں ہو پاتا تھا۔ اب سیمیناروں میں مشکل اور نئے مسائل رکھے جاتے ہیں۔

ایسے مسائل جن کا صاف اور صریح طور سے جواب کتابوں میں دستیاب نہیں ہے ان مسائل کو جب پیش کیا جاتا ہے اور یہ علمائے کرام فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں شامی اور عالم گیری کی روشنی میں اور ہیئت سے تعلق ہے تو ہیئت کی کتابیں دیکھ کر جغرافیہ سے تعلق ہے تو جغرافیہ کی کتابیں دیکھ کر تاریخ و آثار سے تعلق ہے تو ان سب کو دیکھ کر جو جستجو کرتے ہیں جو حل نکالتے ہیں وہ ایک نئی چیز ہے اور اس کی وجہ سے کثیر افراد ایسے پیدا ہو رہے ہیں جو ان مشکل مسائل پر اپنا ظہار خیال کر سکتے ہیں اور اپنی رائے دے سکتے ہیں اور کسی بھی جماعت سے یہ پیچھے نہیں رہ سکتے۔ اس لیے کہ دوسری جماعت کے مقالات بھی دیکھے جاتے ہیں ان کے اندر جو بحث کا انداز ہوتا ہے اور جو فیصلے کا انداز ہوتا ہے وہ بھی دیکھا جاتا ہے ان کے اندر بہت ہی سطحیت نمایاں ہوتی ہے۔

میں نے ان کے بہت سے مقالات پڑھے ہیں اور فیصلے بھی دیکھے ہیں لیکن مسئلہ کیا ہے اور دلیل کیا ہے اور پھر فیصلہ کیا ہو رہا ہے ان سب میں کما حقہ مطابقت نہیں اور نہ ہی گہرائی اور گیرائی نظر آتی ہے۔ تحقیق و تدقیق، صحیح مباحثہ، صائب رائے اور چچا تلا فیصلہ یہ وہ چیزیں ہیں جو صرف ہماری جماعت میں اور ہمارے علما میں پائی جا رہی ہیں، فقہی سیمیناروں کا انعقاد بہت ہی مبارک اور خوش آئند اقدام ہے جو مجلس شرعی کے ذریعے دسمبر ۱۹۹۲ء میں حضرت عزیز ملت کی ہمت اور ان کے اخلاص اور ان کے جوش کی بنا پر طے ہوا اور ان

شاء اللہ تعالیٰ یہ ہوتا رہے گا اس سے یہ جماعتیں جو تیار ہوں گی یہ ہمیشہ ملت کی اور قوم کی خدمت کرتی رہیں گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ تمام حضرات کی کوششیں بار آور فرمائے اور سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ یقیناً آپ نے تلاش و جستجو میں بڑی ہمت سے کام لیا ہے اور اپنی قیام گاہوں پر رہ کر بھی کافی محنت و مشقت کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہاں تشریف آوری میں بھی آپ حضرات کو زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس کے بعد جو یہاں کے شب و روز ہیں اور ایک اجنبی جگہ میں رہنے کی وجہ سے جو دشواری اور پریشانی معمول کے خلاف ہو جایا کرتی ہے وہ سبھی آپ حضرات کے سامنے ہوگی اگرچہ ہمارے انتظام کرنے والوں نے اپنے مقدور بھر کوشش یہی کی ہے کہ کسی کو زحمت و پریشانی نہ ہو لیکن بہر حال آپ حضرات کو کچھ نہ کچھ پریشانی تو ہو ہی سکتی ہے اور ہوتی ہی رہتی ہے اس سلسلے میں آپ سبھی حضرات سے درخواست ہے کہ آپ اس کو معاف فرمائیں گے اور دعا کریں گے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بہتر سے بہتر انتظام کی آئندہ توفیق عطا فرمائے۔ خدا کرے اس وقت بھی آپ حضرات کو کسی زحمت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن یقین مانئے کہ آپ حضرات نے جو کچھ بھی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور برداشت کر رہے ہیں اور برداشت کریں گے یہ سب خیر کی راہ میں، اللہ کے دین کی راہ میں ہے حسن نیت اور اخلاص ہے تو یقیناً ان صعوبتوں کا بھی اجر آپ حضرات کو ملے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ حضرات کو اپنے کرم بے پایاں سے بہرہ ور فرمائے اور ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین .

## مجلس شرعی کے تیرہویں فقہی سیمینار کا خطبہ استقبالیہ

منعقدہ ۲۰/۲۱/۲۲ صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۱/۲۲/۲۳ مارچ ۲۰۰۶ء سہ شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته محمدہ ونصلی علی رسولہ  
الکریم اما بعد! فقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من یرید الله  
به خیر ایفقهه فی الدین" صدق رسول الله ﷺ.

ایک بار درود شریف پڑھ لیں ”اللہم صل علی سیدنا محمد“  
تیرہویں فقہی سیمینار کا دعوت نامہ غالباً رجب ۱۴۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء میں  
جاری ہوا اور سوالات آپ حضرات کی خدمت میں بھیجے گئے جن پر جوابات  
۳۱ جنوری ۲۰۰۶ء تک مطلوب تھے اور جوابات کچھ وقت کے اندر اور کچھ تاخیر کے  
ساتھ موصول ہوئے۔ پھر آپ حضرات مقررہ تاریخوں میں تشریف لائے جس  
پر ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں اور آپ حضرات کے شکر گزار بھی ہیں۔ یقیناً آپ  
کے سربہت ساری ذمہ داریاں ہیں، بالعموم تدریس کی ذمہ داری اور مدرسوں کے  
انتظام کی ذمہ داری اور اپنے قرب و جوار میں لوگوں سے دینی روابط رکھنے کی ذمہ  
داری، ان سب کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں اور جن کے  
حل کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور واضح جواب قوم کے سامنے رکھنا ہوتا ہے، ان  
کے سلسلہ میں بھی آپ اپنے قیمتی اوقات نکالتے ہیں اور ان پر غور و خوض کر کے  
جوابات تحریر فرماتے ہیں۔ یقیناً یہ آپ حضرات کا زریں کارنامہ ہے جو آپ کی  
حیات میں مثبت ہوگا اور عند اللہ بھی اس کا اجر ہوگا اس پر آپ سبھی حضرات مبارک  
باد کے مستحق ہیں، سوال نامے تو کافی تعداد میں سوڈیٹھ سو حضرات کے پاس بھیج  
دیے جاتے ہیں لیکن جوابات کے لیے وقت نکالنے والے اور ان پر توجہ دینے  
والے حضرات کم ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ آپ حضرات کو فہرستوں سے معلوم ہو رہا

ہوگا کہ کسی موضوع پر چھپن ہیں تو کسی پر پچاس ہیں تو کسی موضوع پر بیس ہی ہیں، تو جن حضرات نے کوشش کی ہے اور وقت صرف کیا ہے، وہ بہر حال مبارک باد کے مستحق ہیں، ان لوگوں کی بنسبت جنھوں نے میدان میں قدم ہی نہ رکھا، خواہ مصروفیات کی وجہ سے یا مسائل کی دشواری کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے۔ آپ حضرات نے وقت دیا، اس پر آپ شکر یہ کے بھی مستحق ہیں اور مبارک باد کے بھی مستحق ہیں، یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے طریقہ چلا آ رہا ہے کہ انھوں نے تدوین فقہ کی مجلس قائم کی، ان حضرات نے تواجہتہاد سے، دلائل سے، مسائل کو حل کیا۔ اب اجتہاد کی جو شرطیں ہیں وہ مفقود ہوتی جا رہی ہیں، لیکن ان حضرات نے جو فقہ کی تدوین کی ہے اور کثیر فروع اور جزئیات جو جمع فرمادیے ہیں ان کی روشنی میں آنے والے فقہاہر دور میں مسائل کو حل کرتے رہے اور آج بھی وہ سلسلہ جاری ہے اس طریقے پر اور انہی اصول و فروع کی روشنی میں جو بھی نئے مسائل ہوتے ہیں، ان کو حل کرنے اور ان کا جواب تلاش کرنے کا کام ہوتا رہتا ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ یہ کام جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں جن حضرات کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فقہی بصیرت عطا ہوتی ہے اور جن کو اس راہ میں جدوجہد کی توفیق ملتی ہے وہ حضرات بہر حال ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس لحاظ سے امت کے اوپر ان کا گراں قدر احسان بھی ہوتا ہے کہ امت کے مسائل انھوں نے حل کیے۔ اس لحاظ سے آپ سبھی حضرات نے کوشش کی اور آپ کو اس لحاظ سے ایک امتیاز حاصل ہے، جو کچھ بھی آپ نے صعوبت برداشت کی ہے یقیناً اللہ کے یہاں اس کا اجر ہوگا اور ہم سے خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی ہو، اس سلسلے میں پیشگی معذرت عرض ہے اور یہ امید ہے کہ آپ حضرات درگزر فرمائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی نشان دہی بھی کریں گے تاکہ اس کی تلافی ہو سکے اور آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تیرہواں سیمینار  
صفر ۱۴۲۷ھ / مارچ ۲۰۰۶ء

## سیمینار کے مختلف مراحل اور وابستگان ادارہ کی مساعی جمیلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلياً ومسلماً

سیمینار کا انعقاد اور اس کی کامیابی میں متعدد مراحل ہوتے ہیں اور ہر مرحلے میں مختلف حضرات کی سرگرمی اور دل چسپی کارفرما ہوتی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لیے یہاں اجمالاً ان مراحل اور ان سے متعلق حضرات کا تذکرہ مقصود ہے تاکہ اہل نظر سب کی خدمات سے آگاہ ہو کر ان کے لیے دعائے خیر کریں اور انہیں اپنی قدردانی اور ہمت افزائی سے نوازیں۔ مجلس شرعی اپنے تمام معاونین اور کارکنان کا شکریہ ادا کرتی ہے اور دارین میں ان کی سعادت و فیروز مندی کے لیے دعا بھی کرتی ہے۔ رب کریم سب کو ان کی امید و آرزو سے زیادہ اور افضل و اعلیٰ جزاؤں سے نوازے۔

۱- سیمینار کی پہلی کلید توجامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ دام ظلہ اور ارکان انتظامیہ ہیں، جنہوں نے پیچیدہ مسائل میں قوم کی دینی و شرعی رہنمائی کی ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لیے ”مجلس شرعی“ قائم کر کے اس کے مصارف کے انتظام کی ذمہ داری قبول کی۔

۲- دوسرا مرحلہ مجلس شرعی کے ارکان سے شروع ہوتا ہے جو حل طلب مسائل پر غور کر کے ان کا انتخاب کرتے ہیں اور چند مسائل بطور عنوان مقرر کر کے ان پر مذاکرات منعقد کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اگلے مراحل کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے اپنی نشستوں میں ذمہ داریاں تقسیم کرتے اور

کاموں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔

۳- تیسرا مرحلہ سوالات کی ترتیب کا ہوتا ہے۔ ناظرین جانتے ہیں کہ یہ سوالات دارالافتا میں آنے والے سوالات کی طرح نہیں ہوتے جن میں عموماً سائلین ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کچھ بھی پوچھ ڈالتے ہیں، بعض تو یہ بھی غور نہیں کر پاتے کہ مفتی ان جملوں سے میرا مدعا اور واقعے کی صحیح صورت بھی سمجھ پائے گا یا نہیں۔ بس کچھ سوالیہ جملے لکھ کر بھیج دینا کافی سمجھتے ہیں، بعض لمبے چوڑے قصے لکھ ڈالتے ہیں اور جو خاص محل سوال اور مقام نظر ہوتا ہے وہ مبہم بلکہ تاریک رہ جاتا ہے۔

مجلس شرعی کے سوالات میں مسئلہ کی دشواری اور صحیح نوعیت کی تعیین کے ساتھ جواب کی صورتیں بھی ظاہر کی جاتی ہیں، کبھی فقہی جزئیات بھی کثرت سے درج کر دیے جاتے ہیں۔ کم از کم فقہی کتابوں اور ان کے ابواب و فصول کی نشان دہی تو ضرور کر دی جاتی ہے۔ یہی عبارات و اشارات بیش تر مقالات کے لیے ماخذ اور رہنما بنتے ہیں۔ اس لیے سوالات کی ترتیب فقہی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کی طلب گار ہوتی ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا سب کے لیے آسان نہیں۔

۴- چوتھا مرحلہ سوالات کی کتابت، تصحیح، مندروبین کے یہاں قابل اعتماد ذریعہ سے ترسیل، پھر مندروبین سے برابر رابطے اور تقاضے اور ان سب کا رکارڈ رکھنے کا ہوتا ہے، جو تھوڑا سا علمی اور زیادہ انتظامی اور دفتری نوعیت کا کام ہے مگر بڑی ذمہ داری کا ہے، ذرا سی غفلت اور بے توجہی ہوگی تو بہت سی شکایات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ رب تعالیٰ مجلس کے دفتری امور کے ذمہ داروں کو بھی سلامت روی پر استقامت بخشے اور آسیب روزگار سے محفوظ رکھے۔

۵- پانچواں اور بڑا اہم یا ایک طرح سے، سب سے اہم مرحلہ نتیجہ خیز

جوابات کا ہوتا ہے۔ مسائل اور جزئیات پر نظر کرنا، صورت مسئلہ سے انطباق پر غور کرنا، صحیح انداز سے استخراج کرنا، مناسب اور مفہم انداز سے آداب زبان و بیان کی پوری رعایت کے ساتھ قید تحریر میں لانا اور ان سب کے لیے اپنی مصروفیات کے بیش قیمت اوقات سے خاطر خواہ وقت نکالنا ایک مندوب کے لیے بڑی سخت آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے، جس میں کامیابی چند ہی خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے سہارے مسائل امت کی کشتی ساحل مراد سے ہم کنار ہوتی ہے۔ رب کریم انہیں مزید ہمت و توانائی، قوت فکر و فہم، صلاحیت افہام و تفہیم، رسوخ علم اور ثبات قلم سے نوازے اور ان کے امثال زیادہ کرے۔

۷۱- مقالات کی دست یابی، ترتیب وصول کے ساتھ ان کے اندراج، بعض ناصاف یا بے سائز مقالات، یا تھوڑے مضمون اور زیادہ جگہ پر پھیلے ہوئے مقالات کی از سر نو تہیض پھر صفحات کی سلسلہ وار نمبرنگ فہرست سازی، فوٹو کاپی، اس کی صحت و صفائی کی نگرانی، جدا جدا منتشر اوراق کی صحیح ترتیب و شیرازہ بندی اور اس کے لیے مسلسل تگ و دو، شبانہ روز محنت و سرگرمی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد ہر موضوع کے مقالات کی تلخیص اور ان کا عطر تحقیق کشید کرنے کا ہوتا ہے۔ اس کے لیے تمام مقالات کا بنظر غائر مطالعہ، ہر گوشے سے متعلق مقالہ نگار کے موقف کی تعیین، اس کی دلیل و استدلال کا احاطہ، مقالہ نگاروں کے درمیان نکات اختلاف اور مقامات اتفاق کی تحدید، پھر کم سے کم مگر واضح اور ناقابل شکایت عبارت میں ہر ایک کے موقف و مدعا اور ماخذ و دلیل کا بیان ضروری ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی بتانا ہوتا ہے کہ ان مقالہ نگاروں کی تحقیق سے کتنے امور پر اتفاق ہو گیا اور کتنے امور پر اختلاف باقی ہے، جس کے نتیجے میں فیصلہ کن مباحثہ و مذاکرہ کی ضرورت ہے۔ سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ایسے پیچیدہ مباحث کی تلخیص، ہر ایک کے مدعا کا بے کم و کاست بیان اور اہل علم

ودائش کی شکایت اور اعتراض سے دامن سلامت بچالے جانا آسان کام نہیں ہوتا جو چند گھنٹوں میں چلتے پھرتے کوئی کرڈالے اور اس کا سر بھی سلامت رہ جائے، ساتھ ہی مجلس کی بھی گلو خلاصی ہو جائے۔ اس کا احساس کم از کم سیمینار کے مندوبین اور ذی علم مشاہدین کو ضرور ہوگا۔ آگے قدر شناسی، ہمت افزائی اور دعائے خیر کا فریضہ ہے (۶ اور ۷ دونوں کے لیے) ساتھ ہی جوابات مقررہ وقت پر دست یاب کرانے کا بھی فریضہ ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ہر مندوب کی ذمہ داری ہے۔ واللہ الموفق۔

۸- آٹھواں مرحلہ مقررہ تاریخ اور وقت موعود پر مندوبین کا استقبال، ان کی رہائش اور ضروریات کا بندوبست، اوقات مقررہ کے مطابق ضیافت کا اہتمام، کوئی دشواری یا تکلیف ہو تو اس کا ازالہ، یہ ایک لمبا اور مشکل کام ہے۔ جلسوں میں دس پانچ معزز علما چند گھنٹے کے لیے آتے ہیں تو اداروں کا پورا عملہ سرگرم عمل ہو جاتا ہے، پھر بھی شکایت رہ جاتی ہے۔ جہاں کم و بیش ایک سو انتخاب روزگار معززین بیک وقت جمع ہو جائیں اور مسلسل تین دن تک ان کو کسی بھی ذہنی و بدنی الم سے بچانے اور حسب منشا سہولت فراہم کرنے کی ذمہ داری ہو وہاں انتظام کی چستی اور عمدگی کتنی دشوار ہوگی اور کتنے افراد کی انتھک محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہوگی تجربہ کاروں کے لیے محتاج بیان نہیں۔ مگر آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ سارے کام ہمارے ناظر دارالاقامہ و ناظم مطبخ ماسٹر فیاض احمد عزیز نے اپنے چند اسٹاف اور درجہ تحقیق میں زیر تعلیم دس پندرہ فاضلین کے ساتھ بہ حسن و خوبی پوری پابندی اوقات کے ساتھ انجام دیتے ہیں اور اس انہماک و بے نیازی سے کہ نہ صلے کی پروا، نہ ستائش کی تمنا، کافی ہے رب کریم کی جزا اور اس کا صلہ ہر صلے سے بہتر۔

۹- نواں مرحلہ مذاکرات کی مجلسوں کا ہوتا ہے۔ انہیں کی کامیابی سیمینار کی



کامیابی کہلاتی ہے۔ مندوبین کے علاوہ بہت سے مشاہدین بھی ان مجالس کے مناظر سے روشناس ہیں، اس لیے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، تاہم یہ اشارہ ضروری ہے کہ اس مقام پر ناظم اجلاس حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ و ناظم مجلس شرعی کالیدی کردار ہوتا ہے۔ وہ زیر بحث موضوعات و مسائل کے علاوہ دیگر جزئیات و اصول پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور زیر بحث مسائل پر پوری تیاری کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے پیش تراخلافات ان کی تقریر و تدبیر سے بہت جلد سمٹ جاتے ہیں اور جو چند گوشے باقی رہ جاتے ہیں ان میں ہمارے ان مندوبین کی بحثیں قابل ستائش نظر آتی ہیں جو مسائل پر اچھی گرفت رکھتے ہیں اور اپنے موقف پر پوری بصیرت اور ثابت قدمی سے گفتگو کرتے ہیں، یہاں تک کہ مسئلہ کا کوئی ایک پہلو رائج اور اس کی دلیل بھاری ہو جاتی ہے۔ قارئین کو یہ جان کر مسرت ہوگی اور حیرت بھی، کہ یہ کوئی بہت قدآور، کچم کچم، عمر دراز اور عوام میں مشہور و معروف افراد نہیں بلکہ ان میں نصف یا زیادہ چالیس سال سے بھی نیچے ہیں اور کسی خاص ادارے کے گم نام گوشے میں دینی و علمی خدمت میں مشغول، لیکن مسائل امت کی گرہ کشائی، بے نیاز مولا کی توفیق جمیل نے انہی کے ناخن تدبیر سے وابستہ کردی ہے اور وہ جس حال میں بھی ہیں رب کریم کے بے پایاں کرم کے معترف اور شکر گزار ہیں۔ کثر اللہ امثالہم۔

♦ ۱۰۔ سوواں مرحلہ سیمینار کی کچھ تفصیلی کچھ اجمالی رپورٹ تیار کرنے اور شائع کرنے کا ہوتا ہے، جسے ناظم مجلس شرعی مفتی محمد نظام الدین رضوی، مدیر ماہنامہ اشرفیہ مولانا مبارک حسین مصباحی رکن مجلس شرعی اور مولانا محمد عرفان عالم مصباحی وغیر ہم سر کرتے ہیں۔ دو سال سے چوتھا اور چھٹا مرحلہ کل کا کل یا اکثر و بیش تر مولانا محمد عرفان عالم مصباحی کی محنت شاقہ کارہن منت ہے۔

درجہ تحقیق کے طلبہ اور بعض دیگر اساتذہ بھی حسب ہمت بہت سے کاموں میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ رب کریم سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ مرتبین سوالات اور تلخیص نگاروں کے اسما سوال ناموں اور خلاصہ مقالات کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ مجلس شرعی کی کاوشوں کی اہمیت محسوس کی جا رہی ہے اور اس راہ میں مالی تعاون کا شمار بھی کار خیر کے تحت آگیا ہے، ورنہ اس سے پہلے کار خیر کے لیے عوام کی سوچ مسجد، مدرسہ اور جلسہ و جلوس سے آگے یادائیں بائیں کہیں نہ جاتی تھی۔ اگرچہ ایسے ذی فہم اور بالغ نظر معاونین کی تعداد انگلیوں پر آسانی سے گنی جاسکتی ہے، پھر بھی رب کریم کا بے پایاں کرم ہے کہ اپنے کچھ بندوں کے سینے اس طرح کے گم نام خالص دینی و علمی کام کرنے والے افراد کے لیے کھول دیے اور دین و ملت کے بہت سے اہم کام انجام پذیر ہونے لگے۔

(الف) دسویں فقہی سیمینار کے مندوبین کے لیے مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی شائع کردہ تقریباً چالیس کتب کا ایک ایک سٹ (جس میں فقہ کی قدوری، شرح و قایہ، ہدایہ وغیرہ، حدیث کی مؤطا، مشکلات و ترمذی وغیرہ اور دیگر کئی فنون کی اہم کتابیں شامل ہیں) حضرت امین ملت ڈاکٹر سید الشاہ محمد امین برکاتی صاحب سجادہ مارہرہ مطہرہ کی عنایت سے ایک باہمت اور قدر شناس معاون نے تمام شرکاء و مندوبین کی خدمت میں پیش کیا اور تیرہویں فقہی سیمینار میں بھی فتح القدیر کی نو جلدوں / بدائع الصنائع کی سات جلدوں / تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کی سات جلدوں کا سٹ پیش کیا، اور شان اخلاص وہی کہ نہ صلے کی پروا، نہ ستائش کی تمنا۔ فجزاہ اللہ خیر ما یجزیہ عبادہ المخلصین۔

(ب) گیارہویں فقہی سیمینار، منعقدہ ممبئی کے تمام مصارف مولانا شاکر علی نوری کی سرکردگی میں سنی دعوت اسلامی نے برداشت کیے اور تیرہویں سیمینار منعقدہ مبارک پور میں بھی ایک ایک عمدہ قیمتی بیگ کا تحفہ ہر مندوب کے لیے ممبئی سے بھیج دیا۔ جامعہ اشرفیہ کے دورافتادہ قدیم فاضل، بڑے مخلص وہم درد اور دینی و علمی کاموں کے لیے پر جوش عالم مولانا محمد اقبال مصباحی گجراتی نے بھی اپنے جزوی تعاون سے نوازا۔ فارینا کمپیوٹرس مبارک پور کے مالک اعجاز بھائی نے مندوبین کو قلم پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

(ج) تیرہویں فقہی سیمینار کے دیگر کثیر مصارف کی اداگی کے لیے جمعیت اہل سنت کرا، ممبئی نے دست تعاون بڑھایا اور جناب فیضان احمد ابن عبدالعلی عزیز، جناب جاوید بھائی، جناب شاہد بھائی اور مولانا حافظ شرافت حسین صاحبان نے مبارک پور آکر خود سیمینار کے انتظامات اور مجالس مذاکرہ کا مشاہدہ بھی کیا۔ رب کریم تمام معاونین کو اپنی بے پایاں رحمتوں برکتوں اور بے کراں فضل و احسان سے نوازے، مجلس شرعی سب کا شکریہ ادا کرتی ہے اور صرف معاونین مجلس ہی نہیں بلکہ جامعہ اشرفیہ اور دینی اداروں کے تمام اخلاص پیشہ و باہمت معاونین کے لیے دعا گو ہے کہ رب کریم ان سب کی جان و مال، عزت و آبرو، ایمان و عمل کی حفاظت و صیانت فرمائے، تمام آفات و مصائب سے بچائے اور دارین کی سعادت و سرخ روئی اور ترقی و سر بلندی سے نوازے۔

آمین یارب العالمین بجاہ حبیبك سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ  
افضل الصلاة و اکرم التسليم.

## مجلس شرعی کے چودہویں فقہی سیمینار کا خطبہ بصدارت

منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ تا ۱۲ مارچ ۲۰۰۷ء

بمقام: امام احمد رضا لائبریری جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ماہنامہ اشرفیہ کا یہ شمارہ مجلس شرعی کے ”چودہویں فقہی سیمینار“ سے متعلق خصوصی شمارہ ہے یہ سیمینار جامعہ اشرفیہ کی امام احمد رضا لائبریری کے جنوبی ہال میں ۱۰/۱۲ تا ۱۲/۱۰ مارچ ۲۰۰۷ء شنبہ تا دوشنبہ، چھ نشستوں میں منعقد ہوا۔ چار موضوعات زیر بحث تھے جن میں سے تین پر مذاکرات ہو سکے اور فیصلے بھی رقم کیے گئے۔ چوتھے موضوع پر بحث کے لیے وقت نہ بچ سکا، اس لیے اسے آئندہ سیمینار کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

جن موضوعات پر بحثیں ہوئیں اور فیصلے لکھے گئے، ان کی تفصیل اگلے صفحات میں پیش کی جا رہی ہے۔ شرکاکلی فہرست کے بعد آپ ایک ایک موضوع سے متعلق سوالات کا متن، پھر موصولہ مقالات کا خلاصہ ملاحظہ کریں گے۔ پھر تینوں موضوعات سے متعلق فیصلوں کا متن پڑھیں گے۔

علمی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والوں کو چاہیے کہ فقہی سیمینار کی روداد پر مشتمل شماروں کو اپنی یادداشت میں موضوعات کی نشاندہی کے ساتھ درج کر لیا کریں تاکہ وقت ضرورت ان شماروں کی تلاش اور فیصلوں کا مطالعہ بہ آسانی ہو سکے۔

اس بار ہمارے کرم فرما الحاج غلام رسول رضوی نمائندہ اخبار ”راشتر یہ سہارا“ اردو کی توجہ اور دل چسپی کے باعث سیمینار کی خبریں اور کچھ فیصلے اجمالی طور پر مذکورہ اخبار میں بھی بروقت اشاعت پذیر ہوتے رہے اور قارئین کی آگاہی اور مسرت و سکون کا سبب بنے۔ اس تعاون پر ہم موصوف کے شکر گزار ہیں اور آئندہ بھی دل چسپی اور توجہ کی امید رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ایک اجمالی رپورٹ کے ساتھ فیصلے چند ماہ ناموں میں بھی شائع ہوں گے تاکہ ہر حلقے کے قارئین کم از کم فیصلوں سے باخبر ہو سکیں۔ ان رسالوں کا بھی ہم پیشگی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ واللہ ولی الجزاء وهو خیر ناصر و معین۔

سیمینار کتنے مراحل سے گزرتا ہے اور ہر مرحلے میں کتنے ارباب ہمت کی محنت و جہاں فشانہ مجلس کی شریک و غم گسار ہوتی ہے، اس کی تفصیل میں گزشتہ

سیمینار سے متعلق اشرفیہ کے خصوصی شمارے میں رقم کر چکا ہوں۔ سب کا اعادہ تو شاید مناسب نہ ہو لیکن حسب سابق اس بار بھی مندوبین کی نوک جھونک اور ”بخاشی“ کو دیکھ کر ایک دل چسپ قصہ بار بار یاد آیا، وہ میں یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں:

اسباب ستہ کے موضوع پر مذاکرات ہو رہے تھے۔ فقہ کی اصطلاح میں ضرورت اور حاجت کا مفہوم الگ الگ ہے، جسے یوں بتایا جاسکتا ہے کہ فقہا ”ضرورت“ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور مجبوری کی حالت درپیش ہے اور ”حاجت“ کے معنی یہ کہ اس کے بغیر بھی کام ہو سکتا ہے مگر سخت دشواری اور مشقت سے ہوگا۔ اسی سے متعلق فقہا کے نزدیک ایک قاعدہ یہ ہے کہ ”حاجت کبھی ضرورت کی منزل میں اترا آتی ہے“ اس پر سیمینار میں یہ سوال پیش آیا کہ حاجت کب ضرورت کی منزل میں اترتی ہے؟ اس کا جواب بہت مشکل تھا۔۔۔۔۔ شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ انھوں نے اپنے وسیع مطالعے اور طویل تجربے کی روشنی میں بہت معقول جواب دیا جس سے یہ تعین ہو جاتی تھی کہ حاجت کب بہ منزلہ ضرورت شمار ہوتی ہے۔ مگر نوجوان علما ہر طرف سے بول پڑے کہ اس پر کوئی حوالہ پیش فرمائیں۔ اس مطالبے پر حضرت ناراض نہ ہوئے بلکہ مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا ”مجھ جیسے سن رسیدہ اور تجربہ کار کے بیان پر بھی آپ لوگوں نے حوالے کا مطالبہ کر دیا، اس سے مجھے خوشی ہوئی اور یہ اطمینان ہوا کہ آپ لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہونے والے نہیں بلکہ ہر چیز کو دلیل اور تحقیق کی روشنی میں جانچنا اور پرکھنا چاہتے ہیں اور پوری طرح اطمینان و نشئی ہو جانے کے بعد ہی کسی کی بات قبول کر سکتے ہیں۔ اس صورت حال سے مجھے یہ تسلی ہوئی کہ آئندہ ہمارے بعد بھی یہ کام بہ حسن و خوبی جاری رہے گا اور آپ لوگ بحث و تحقیق کا اعلیٰ معیار ہمیشہ برقرار رکھیں گے۔“

حضرت ممدوح عَلَيْهِ السَّلَام کی توقع کے مطابق ان کی رحلت کے سات سال بعد بھی یہی دیکھنے میں آیا کہ ایک موقف والے کو دوسرے موقف سے متعلق جب تک پوری تشفی نہ ہو جائے، بحث جاری رہتی ہے اور جب دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ دوسرا موقف ہی درست ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے۔ بحث و تحقیق کا یہ انداز پسندیدہ ہے اس لیے ذمہ دارانِ مجلس بھی اس کی قدر کرتے ہیں اور طول اجلاس سے زیادہ شاکہ نہیں ہوتے۔ عام مشاہدین میں بھی اس سے یہ اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ جو فیصلہ رقم ہوتا ہے وہ بہت چھان بین اور تنقیح و تفتیش کے بعد رقم ہوتا ہے۔

تکمیل کلام کے لیے یہ بھی ذکر کر دوں کہ ”حاجت بمنزلہ ضرورت“ سے متعلق حضرت شارح بخاری عَلَيْهِ السَّلَام نے جو ذکر فرمایا تھا اس کی تائید بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کی فوآخ الرحموت شرح مسلم الثبوت میں مل گئی اور فیصلے میں اس کی عبارت بھی درج کی گئی۔

الحاصل ہمارے مندوبین کی علمی و فکری اور قلمی و لسانی کاوشیں قابل ستائش اور لائق اعتماد ہیں مولاتعالیٰ انہیں استقامت اور ترقی عطا فرمائے۔

گرامی مرتبت حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ کی محنت و کاوش محتاج بیان نہیں۔ اب مجلس شرعی کی نظامت کی وجہ سے ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ بھی ہوا ہے۔ سیمینار کی نظامت اور بحثوں کو سمیٹنے، پھر فیصلے کی منزل تک پہنچانے میں بھی ان کی علمی و تحقیقی مہارت کا خاص کردار ہوتا ہے جو مشاہدین سے مخفی نہیں۔ سوالات کی ترتیب، مقالات کی تلخیص، تنقیح طلب امور کی تعیین، فوٹو کاپی، فائل سازی وغیرہ علمی و انتظامی امور میں متعلقہ اساتذہ کی محنت، لگن اور تن دہی بھی قابلِ تشکر و تحسین ہے۔ اسی طرح مندوبین کے قیام، خورد و نوش اور دیگر سہولیات کی حسب وسعت فراہمی میں بھی اساتذہ

اور اسٹاف اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہتے اور ہر طرح یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کسی مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ رب تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے اور ان کے اخلاص نیت اور کوشش و محنت کا اجر بالا سے بالا تر بنائے۔ فقہی سیمینار کی اہمیت اور اس راہ کی مشکلات و مصارف کا اندازہ عموماً ہمارے عوام کو نہیں ہوتا۔ اس لیے اس طرف ان کا دست تعاون بھی زیادہ کشادہ نہیں ہوتا، مگر کچھ واقف کار اہل خیر ایسے بھی ہیں جو علما کی ان خاموش مساعی کو بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے ناموں کے اظہار کی خواہش سے بالاتر ہو کر جہاں تک ہو پاتا ہے خالصاً لوجہ اللہ مجلس شرعی کو اپنے تعاون سے قوت پہنچاتے ہیں۔ مولا تعالیٰ ان کی خدمات کو بھی قبول فرمائے اور دارین کی بے پایاں برکتوں سے نوازے۔

آخر میں تمام قارئین سے استدعا ہے کہ مجلس شرعی کے استحکام و ترقی کے لیے دعا گو رہیں اور جامعہ کے تمام شعبوں کے لیے جو بروقت جاری ہیں یا آئندہ جو وجود میں آنے والے ہیں اپنی مخلصانہ دعاؤں، نیک تمناؤں اور بیش بہا امانتوں کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ دین و ملت کا یہ تاب ناک گلشن ہمیشہ شاداب رہے اور اس کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد خاتم النبیین و علی آلہ  
و صحبہ اجمعین.

## مجلس شرعی کے چودہویں فقہی سیمینار کا خطبہ برصدرات

منعقدہ: ۱۹ تا ۲۱ صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ تا ۱۲ مارچ ۲۰۰۷ء شنبہ تا دوشنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته. نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. أما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم۔ ”فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“۔ صدق الله مولان العظیم۔

مجلس شرعی کا یہ چودہواں فقہی سیمینار ہے، سیمینار کی افادیت آپ حضرات پر روشن ہے کہ بہت سے مسائل میں رائیں مختلف ہوتی ہیں لیکن بحث و مباحثہ کے بعد اور تحقیق و نتیجہ کے بعد ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ مذاکرات کا سلسلہ نہ ہوتا اور آزادانہ طور پر فتاویٰ لوگ صادر کرتے تو فتاویٰ میں کتنے اختلافات ہوتے، یا یہ ہوتا کہ سرے سے اس طرح کے نئے مسائل پر کوئی جواب ہی نہ لکھا جائے اور لوگ اضطراب میں مبتلا رہیں انہیں معلوم ہی نہ ہو کہ ہمارے لیے جادہ عمل کیا ہے اور حکم شریعت کیا ہے جیسا کہ ایک زمانے تک یہی رہا کہ یہ مسائل تشنہ تحقیق رہے اور ان پر آرا سامنے ہی نہ آتی تھیں۔

مقالات کا مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسئلے میں تین تین چار چار رائیں ہوتی ہیں۔ اور ہر رائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ دلیل بھی وابستہ ہوتی ہے لیکن تحقیق و بحث کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دلیل کس قدر وزنی ہے



یاس کا کون سا پہلو چھوٹ گیا ہے اور کن امور کی رعایت کرنا اور ان کو ترجیح دینا ضروری ہے، یہ فائدہ ان مذاکروں سے برابر ہوتا رہا ہے۔ ان کی وجہ سے ایک متفقہ رائے سامنے آتی ہے اور حکم شرعی درج ہوتا ہے، جس سے لوگوں کو باخبر کیا جاتا ہے اور ان کے لیے عمل کی راہ واضح ہو جاتی ہے۔

رب قدیر کا شکر ہے کہ آپ حضرات اپنی کاوشوں اور محنتوں سے اس سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ یقیناً اس وقت ملت کے بے شمار مسائل علمائے کرام کی توجہ کے محتاج ہیں اور ہر معاملے میں ذمہ دار، علمایہ قرار پاتے ہیں لیکن جس طرح دنیا کے تمام افراد کے ساتھ مصروفیات ہیں اسی طرح علمائے کرام کے بھی اپنے مسائل و معمولات اور مصروفیات ہیں جن سے ہٹ کر کسی نئے کام کے لیے وقت نکالنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی توجہ دلانے والا ہوتا ہے اور پیش قدمی کرتا ہے تو علمائے کرام اپنے اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ان کاموں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید مسائل شرعیہ کے سلسلے میں بھی ضرورت بہر حال اس کی تھی کہ پیش قدمی ہو اور اس سلسلے میں کوئی آگے آئے۔ الحمد للہ جامعہ اشرفیہ نے اس سلسلے میں بھی پیش رفت کی اور اس کی وجہ سے یہ کام آگے بڑھا ہے اور اب تک بہت سے مسائل حل ہو چکے ہیں۔ ان مقالات اور فیصلوں کا مجموعہ بھی ان شاء اللہ جلد ہی اشاعت پذیر ہوگا۔

ان دینی و علمی کاوشوں پر آپ حضرات بہر حال ہماری طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی ہو تو آپ سے درگزر کی درخواست ہے۔ آپ نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے اور دین کے فروغ کے لیے شروع کیا ہے، اس لیے رب تبارک و تعالیٰ ہی اس کا اجر عطا فرمائے گا اور آپ کی کوششوں میں دنیا و آخرت کی برکتیں عطا فرمائے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

## مجلس شرعی کے پندرہویں فقہی سیمینار کا خطبہ، صدارت

منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ تا ۲۸ فروری ۲۰۰۸ء، شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: شارح بخاری دارالافتاء، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أما بعد فقد قال رسول الله  
ﷺ ”من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین“ صدق رسول الله صلی الله تعالی  
علیه وسلم.

مجلس شرعی کے پندرہویں فقہی سیمینار میں آپ حضرات تشریف لائے  
اس پر مجلس کی جانب سے آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ  
آپ حضرات نے اس دینی کام کے لیے وقت نکالا، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں  
اور یہاں تشریف لائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری نظر میں یہ بھی ہے کہ یہ  
کوئی جلسے کی شرکت نہیں ہے جس میں عموماً مقرر کو پہلے سے تیاری کی ضرورت  
نہیں پڑتی، مقرر وقت پر چلا جاتا ہے اور تقریر کر کے چلا آتا ہے۔ سیمینار میں شر  
کت کے لیے یقیناً آپ حضرات نے پہلے ہی سے کتابوں کا مطالعہ کیا ہے  
اور محنت و جستجو کی ہے، مقالات لکھے ہیں، بحثوں پر غور کیا ہے اور اس کے  
بعد آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ حضرات کی یہ سابقہ محنت اور تلاش  
و جستجو بھی ہمارے لیے باعث تشکر ہے، بلکہ آپ حضرات کا مسائل کے  
غور و خوض میں کوشش اور محنت کرنا یہ اور زیادہ باعث تشکر ہے۔

پندرہویں فقہی سیمینار تک بہت سے مسائل آپ حضرات کی محنتوں اور  
کوششوں سے حل ہو چکے ہیں اور ہماری جماعت کو اس بات پر فخر ہے کہ

ہمارے علمائے کرام اس راہ میں کوشش کر رہے ہیں اور ان کی توجہات سے پیچیدہ مسائل حل ہو رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ہمارے لیے تحقیق اور جستجو کی راہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متعین کر دی ہے۔ انھوں نے جو تحقیقات فتاویٰ رضویہ میں رقم کی ہیں اور جو اسلوب تحقیق اور اندازِ بحث ان کا ہوتا ہے، یہ سب ہمارے لیے رہ نما اور لائحہ عمل ہے۔ آپ نے ان کی تحقیقات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی تحقیقات کی وجہ سے ہمارے لیے بہت سے مسائل پہلے سے حل شدہ ہیں اور بہت سے نئے مسائل کے حل کرنے کی راہ مل جاتی ہے۔ جب کہ دوسرے لوگوں کا حال یہ ہے کہ ابھی یہ سوال ہو رہا ہے کہ ”فلاں حضرت نے یہ لکھا ہے کہ مسافر جب اپنے گھر سے قدم نکالے اسی وقت سے اس کا سفر شروع ہو جاتا ہے، دوسرے حضرت نے یہ لکھا ہے کہ جب آبادی کے باہر ہو تب اس کا سفر شروع ہوتا ہے، تیسرے حضرت نے یہ لکھا ہے کہ جب حوالی شہر سے تجاوز کر جائے تب اس کا سفر شروع ہوتا ہے۔ بتائیے آپ کی کیا رائے ہے۔“ گویا ابھی ان کے یہاں یہی حل نہیں ہے کہ سفر شرعی کی ابتدا کب سے اور کہاں سے معتبر ہوتی ہے، جب کہ سو سال پہلے ہی ہمارے یہاں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات جد الممتار اور فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں۔ انھوں نے فقہی نصوص کی روشنی میں بالکل واضح اور روشن کر دیا ہے کہ سفر کا آغاز کب سے ہوتا ہے، نماز کو کب قصر کرنا ہوگا، جب کہ دوسروں کے یہاں یہ ابھی زیر بحث ہے اور فلاں حضرت، فلاں حضرت نے اور پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔ اصاغرتو اصاغرتو ہیں جو بڑے بڑے شیخ الکل فی الکل سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں بھی اس طرح کے مسائل واضح نہیں ہیں اور بھول بھلیاں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب پس

رووں کو سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ہم کو کیا کہنا چاہیے، کیا لکھنا چاہیے اور کیا دلیل دینی چاہیے، جب کہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

اس سے پہلے بھی آپ نے سنا اور دیکھا ہوگا، تقریباً پندرہ سال یا اور زیادہ پہلے پھر ان کے یہاں نوٹ کے بارے میں بحث ہونے لگی کہ یہ کیا ہے، جب کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جب اپنے دوسرے سفر حج میں گئے تھے ۱۳۲۳ھ و ۱۳۲۴ھ میں اسی وقت انہوں نے رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدرہم" لکھ دیا تھا اور نوٹ کے تمام مسائل واضح کر دیے تھے۔ دوسروں نے بالکل دوران عقل و شرع جو کچھ لکھا تھا اس کی تردید بھی کر دی تھی۔ تقریباً اسی سال بعد پھر ان لوگوں نے نوٹ کے بارے میں غور کیا اور آخر اسی پر آئے جو اعلیٰ حضرت نے لکھا تھا۔ الغرض ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے راہ متعین کر دی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بے شمار مسائل حل کر دیے ہیں، وہ بہار شریعت میں بھی آگئے ہیں۔ مسائل کی تحقیق اور حل کس انداز سے ہو نا چاہیے وہ بھی کر کے دکھا دیا ہے، اس لیے ہمارے لیے بہت آسانیاں ہیں اور ہم کو دوسروں کی درپوزہ گری کی کوئی ضرورت نہیں، یہ ہمارے محتاج ہیں اور اپنی محتاجی کو چھپانے کے لیے اپنے لوگوں سے سوالات کر رہے ہیں۔ آئیں گے اسی پر جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سو سال پہلے لکھ دیا ہے اور اگر اس پر نہیں آئیں گے تو ٹھوکر کھائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ہم کو ان سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ ہم کو اپنا وزن محسوس کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم فقہ کے معاملے میں فتاویٰ رضویہ اور اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کی وجہ سے ان سے بے نیاز ہیں۔ ہم تحقیقات اعلیٰ حضرت کے انداز پر کوشش کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جو اصول ہمیں دکھادیے ہیں ہم ان پر چل کر جمدہ تعالیٰ منزل کی طرف رواں

ہیں اور رب تعالیٰ کے فضل و کرم اور بزرگوں کے فیضانِ علم سے صحت و صواب کی توقع رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ سب حضرات کو کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے اور زیر بحث مسائل کو بھی حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آئندہ بھی جو مسائل درپیش ہوں اور آپ حضرات کی خدمت میں سوالات پیش کیے جائیں، ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ اپنے علم و فضل سے کام لیتے ہوئے اس راہ میں کوشش کریں گے، کیوں کہ یہ ذمہ داری آپ ہی کی ہے۔ امت کا ایک حصہ اور ایک جماعت جب تک اس کام پر نہ لگے تب تک یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین۔

آخر میں پھر آپ حضرات کا آپ کی آمد پر اور آپ کی سابقہ اور موجودہ کوششوں پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی خدمت میں اگر کوئی کوتاہی ہو تو اس سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## مجلس شرعی کے سولہویں فقہی سیمینار کا خطبہ استقبالیہ

منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ صفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۲ تا ۱۶ فروری ۲۰۰۹ء، شنبہ تا دو شنبہ

بمقام: شارح بخاری دارالافتاء، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ. نحمدہ ونصلی علی  
رسولہ الکریم. أما بعد! فقد قال رسول اللہ ﷺ: ”من یرد اللہ بہ  
خیر ایفقہہ فی الدین“ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.  
درد شریف پڑھ لیں! اللہم صل علی محمد و آلہ وصحبہ  
و بارک وسلم.

مجلس شرعی کا یہ سولہواں فقہی سیمینار ہے جس میں آپ حضرات سفر کی  
صعوتیں برداشت کر کے تشریف لائے۔ میں آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم  
کرتا ہوں۔ یقیناً اس اجلاس میں شرکت کے لیے آپ نے پہلے سے مطالعہ  
کیا ہے، تیاری کی ہے، مقالات لکھے ہیں اور پھر بحث و مذاکرہ کے لیے  
یہاں تشریف لائے ہیں۔ ایک اجلاس وہ ہوتا ہے کہ چلی چلائی تقریر ہے  
جسے سال بھر تک چلے آئے ہیں۔ اب کسی نئے مقام پر پہنچنے، مضمون  
ذہن میں ازبر ہے، اجلاس میں شرکت کی اور سنا دیا۔ لیکن یہ وہ اجلاس  
نہیں ہے کہ یہاں سال بھر کی دہرائی ہوئی تقریر ایک بار کر دینی ہو۔ یقیناً  
اس میں شرکت کے لیے جو دیے گئے موضوعات ہیں، ان پر مطالعہ کرنا  
ان کے گوشوں کو دیکھنا، سمجھنا اور حل کرنا یہ ہر مندوب کی ذمہ داری ہوتی  
ہے اور اس ذمہ داری کو انجام دیتے ہوئے مقالہ رقم ہوتا ہے اور مجلس شرعی

کو بھیجا جاتا ہے اس کے بعد مزید بحث و تنقیح کے لیے یہ نشستیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ حضرات کی جو سابقہ محنتیں اور کاوشیں ہیں وہ بھی قابل مبارک باد اور لائق صد تحسین ہیں۔

بعض مقالات میں نے دیکھے کافی بحث و جستجو کے ساتھ اور تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ ایسے مقالات اور زیادہ تعریف و تحسین کے مستحق ہیں۔ پھر مقالہ بھیجنے کے بعد آپ کا یہاں تشریف لانا اور مسائل کو حل کے مرحلے تک پہنچانا یہ آپ کا مزید کارنامہ ہو گا جس پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور آپ حضرات کی خدمت میں جو کچھ بھی کو تاہی ہوئی ہو یا ان تین دنوں کے دوران ہو اس کے لیے بھی پیشگی معذرت خواہ ہیں۔ جہاں تک ہو سکتا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ انتظام صحیح رہے اور کچھ کمی رہ جاتی ہے تو اس کے بارے میں ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات نظر انداز فرمائیں گے جو مشقتیں آپ نے اس علمی خدمت کو انجام دینے کے لیے جھیلی ہیں، اگر کچھ کمی رہ جاتی ہے تو ان کی بہ نسبت یہ بہت معمولی ہوگی اور آپ حضرات اسے معاف فرما سکتے ہیں، آئندہ کے لیے آپ حضرات نشان دہی فرما سکتے ہیں تاکہ جو خامیاں ہوں ان کو آئندہ نہ رہنے دیا جائے اور درست کیا جائے۔

اس کے بعد میں کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں: جو موضوعات ہیں ان پر تو آپ بحث کریں گے ہی لیکن ہمارے کچھ جماعتی مسائل بھی ہوتے ہیں جن پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آج یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارے افراد مختلف شعبوں میں پہنچیں اور مختلف شعبوں میں کام کریں۔ مثلاً

۱۔ صحافتی لائن میں ہمارے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مفتی آل مصطفیٰ صاحب کے ایک مضمون پر اعتراض

”راشٹر یہ سہارا“ میں چھپا، اس کا جواب انھوں نے تیار کیا تو اس اخبار کے آٹھ نوائڈیشن نکلتے ہیں کسی میں وہ چھپ نہیں رہا ہے، پہنچ گیا ہے اور شائع نہیں ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے وہاں پر براجمان ہیں اور وہ مسلکی تعصب کی بنا پر ہماری خبریں یا تو چھاپتے ہی نہیں یا چھاپتے ہیں تو بہت ہلکی اور ایسے انداز میں کہ عام قارئین کی نظر وہاں نہ پہنچے۔

۲-۱ سی طرح سیاسی میدان میں بھی خلا نظر آتا ہے۔ کوئی بات حکومت تک پہنچانی ہو تو اس کے لیے بااثر افراد اور ذرائع کی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے جو مراعات مسلمانوں کے لیے ہوتی ہیں، ان کو حاصل کرنا ہو، مدارس کے لیے اور قوم مسلم کے لیے جو فوائد ہوں، ان کو حاصل کرنا ہو تو اس سلسلے میں ہمارے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے اور دوسرے لوگ سب اچک لے جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس سلسلے میں ایک تو اپنے فارغین کی رہ نمائی کریں کہ وہ مختلف شعبوں میں، مختلف محکموں میں پہنچنے کی کوشش کریں اور کسی بھی شعبہ کو اپنا نشانہ بنا کر اس کے لائق مہارت، قابلیت اور اعلیٰ صلاحیت پیدا کریں۔

۳- دوسرے یہ کہ جو لوگ حکومت کے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں اور ہماری جماعت سے وابستہ ہیں، ان سے ہم رابطہ رکھیں۔ ان کو قریب کریں، مذہبی طور پر ان کو اپنی معلومات بہم پہنچائیں تاکہ وہ مسلک اور عقیدے کے لحاظ سے متصل بھی ہوں اور ان کے اندر اپنی جماعت کے لیے کام کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہو۔ رابطہ نہ رہنے کی وجہ سے جو افراد کام کرتے ہیں وہ یوں ہی بے سہارا رہتے ہیں اور دوسروں کی رو میں بہتے رہتے ہیں۔

[اس کے بعد حضرت بجز العلوم مدظلہ کی آمد اور صدر مجلس شرعی کی طرف سے خوش آمدید]



میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنے لوگ بہت سے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں لیکن ہمارا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہمارا کوئی کام وہ کرنا بھی چاہیں تو ان کو معلوم نہیں ہے اور وہ کر نہیں پاتے، اس لیے ان سے رابطہ رکھنے میں ان کا فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ مذہبی اعتبار سے متصل ہوں گے، دینی معلومات ان کے پاس فراہم ہوں گی اور جماعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ جماعتی کام ان کے ذریعہ انجام پاتے رہیں گے۔

اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کی لائن میں ہمارے جو طلبہ اور اساتذہ رہتے ہیں ان سے بھی ہمارا رابطہ ہو تو وہ اپنے مسلک اور اپنے مذہب پر پختگی کے ساتھ قائم رہ سکتے ہیں۔ ورنہ دوسرے پہنچتے رہتے ہیں اور جو اساتذہ اور طلبہ ہیں ان کو اپنی باتیں پلاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اگر ہمارا رابطہ ہو تو وہ ہماری راہ پر رہیں گے اور مضبوط اور ٹھوس بھی ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جماعتی کام بھی کریں گے۔

یہ راہیں اپنانا ہمارے لیے ناگزیر ہو چکا ہے اگر ہم صرف اپنی حدوں تک رہ گئے تو ہماری جماعت کے مسائل حل نہیں ہو سکیں گے اور اس طرح کے کام رکھے رہ جائیں گے۔

۴-۱-۲ اسی طریقہ سے ادبی میدان اور ادبی محکمے ہیں۔ ہمارے یہاں اہل قلم بہت سے ہیں۔ لیکن جب اہل ادب کے طرز پر لکھا جائے یعنی عام ادبی موضوعات پر کسی کی تحریریں ہوں، نظم میں، نثر میں تو اہل ادب کامرکز توجہ بنتی ہیں۔ وہ ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور لکھنے والوں کو ادب کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں صاحب طرز اور صاحب اسلوب شخصیتیں موجود ہیں لیکن ادب میں ان کا شمار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود ان محکموں میں ہوں اور اپنا تعارف کرانے کی کوشش کریں اور ہمارے جو افراد وہاں

پہنچتے ہوئے ہیں ان سے ہمارا ربط ہو۔ ان سب چیزوں پر جماعتی انداز میں توجہ دینا اور اس کے ذرائع اور تدابیر بروئے کار لانا، یہ بھی آج کی ضرورت ہے اور ہم سب کو اس پر توجہ دینا چاہیے۔

۵۔ ایک اور اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جو حضرات مختلف میدانوں میں کام کر رہے ہیں، ان کی ہمت افزائی بھی ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر دعوتِ اسلامی اور سنی دعوتِ اسلامی کے لوگ، یہ عوام کے پاس جاتے ہیں، ان کو عقیدہ اور عمل کی تعلیم دیتے ہیں، ان کو راہ پر لاتے ہیں اور یہی صحیح جواب ہے اس تبلیغی جماعت کا جس نے ہماری بستیاں کی بستیاں خراب کر دیں اور پچاس سال تک ہم ان کے جواب میں صرف یہ کہتے رہے کہ تمہارے عمل کا کیا اعتبار، تمہاری نماز کا کیا اعتبار، بغیر ایمان کے نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان اگر ہے تو کسی نہ کسی مرحلہ میں نجات ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ پچاس سال تک یہ جواب چلتا رہا، کچھ تقریروں کا اس سے استثناء کیا جا سکتا ہے۔ بات سو فیصد صحیح ہے۔ لیکن یہ عمل کی راہ سے آنے والے طوفانِ بد عقیدگی کا حل نہیں، بلکہ اس سے دو خرابیاں پیدا ہوئیں۔ یہ جواب صرف اسٹیجوں تک رہ جاتا ہے اور جو لوگ اس جلسہ میں حاضر ہوتے ہیں وہ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ صاحب ہم کو تو عمل کرنے کی ضرورت نہیں، ہمارا ایمان ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اس سے ہمارے لوگوں کے اندر بے عملی پھیلی، بڑھی، جب کہ علما کا کام یہ نہیں ہے کہ صرف عقیدہ درست کروادیں اور عمل کی راہ میں آزاد کر دیں۔ عقیدہ اور عمل دونوں کی اصلاح کرنا علما کی ذمہ داری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جن کا اعتقاد صحیح ہے انہی کے لیے حسن عمل کا فائدہ ہے۔ دعوتِ عمل اور تحریکِ عمل سے انہیں محروم رکھنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور احکامِ الحاکمین کے حضور جواب دہی بھی --- خیر کہنا یہ ہے کہ مذکورہ طرز سے دو نقصان ہوئے۔

ایک یہ کہ ہمارے بہت سے لوگ خراب ہوئے، دوسری خرابی یہ پیدا ہوئی کہ جن کے اندر عمل کی رغبت تھی وہ تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے اور بعد میں ان کے ہم عقیدہ بھی ہو گئے۔ اس میں شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئیں، تو صحیح جواب یہ ہے کہ ہم عمل کے میدان میں بھی عوام کو ترغیب دیں، عقیدہ کی بھی اصلاح کریں اور قریہ قریہ پہنچ کر اپنی بات پہنچائیں اور لوگوں کو اپنی جماعت سے منسلک کریں۔ لیکن ہمارے یہاں اختلاف و انتشار گویا فطرت میں داخل ہے اس لیے کوئی مثبت اور تعمیری کام ہو بھی رہا ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اس کی ہمت شکنی کی جاتی ہے، بجائے اس کے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ مولانا محمد الیاس قادری بہت زبردست عالم نہیں ہیں لیکن دعوت اسلامی کے تحت عالمی پیمانے پر دین و سنیت کی جو عظیم خدمت وہ انجام دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا بہت بڑی ناقدری ہوگی۔ انھوں نے آج کی ضرورت کے پیش نظر ”مکتبۃ المدینہ“ بھی قائم کیا ہے، جس میں ستر افراد کا اسٹاف کام کر رہا ہے اور انھوں نے ”جد الممتار“ کو از سر نولانے کی کوشش کی ہے۔ ہم لوگوں نے تو اصل کو شائع کر دیا تھا اور ارضا نے بہت کم تھے، لیکن انھوں نے اس کا التزام کیا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو مسائل ہیں جد الممتار کے متعلقہ باب میں ان کو بھی شامل کیا جائے۔ اس طریقے سے انھوں نے دوبارہ ایڈٹ کر کے چار جلدیں شائع کی ہیں اور اسی انداز پر باقی جلدوں کو بھی لانا چاہتے ہیں۔ بہار شریعت ہمارے یہاں عرصہ دراز سے رائج ہے لیکن مکتبۃ المدینہ نے ایک تو اس کے حوالوں کی تخریج کی ہے، دوسرے اس کے ساتھ ساتھ حواشی بھی لکھے ہیں، تیسرے فقہی فوائد اور اصطلاحات شروع میں دی ہیں اور بہت سی دوسری چیزیں شامل کی ہیں جو اس کتاب کو بہت ہی عظیم، بہت ہی وسیع اور عوام و خواص کے لیے بہت زیادہ مفید بنا دیتی

ہیں۔ اس طرح کی خدمات جو ہمارے افراد کر رہے ہیں ان کی ہمت افزائی ہونا بھی ضروری ہے کہ جو کام ہم نہ کر سکتے انھوں نے کیا، نہ یہ کہ ہم نہ کر سکتے اور کوئی دوسرا کر رہا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں، کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ جو بھی ملت کا، جماعت کا، دین کا کام کر رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے تو جتنا کچھ وہ کر رہا ہے اس سے زیادہ کرنے کی کوشش کرے گا اور دوسرے افراد کے اندر بھی جذبہ پیدا ہو گا کہ ہم اس طرح کے کام کریں۔

علمائے کرام کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی کے اندر کوئی خامی ہے تو اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جائے، میں یہ نہیں کہتا کہ خامیوں کو پینپنے ہی دیا جائے۔ کسی کے اندر خامی ہو تو اس کی اصلاح کی جائے لیکن جو خوبی ہو اس کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ بڑی سے بڑی خوبی ایک خامی کی وجہ سے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے، اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے۔ جو کام پوری جماعت نہ کر سکی وہ کام بھی اگر کوئی کر رہا ہے اور بڑے پیمانے پر کر رہا ہے تو اس کو بھی کوئی حیثیت نہ دی جائے۔ ان باتوں سے بہر حال ہمارے مخلص اور دیدہ ور علماء کو دور رہنا چاہیے اور جماعت کے کاڑ کو آگے بڑھانے کے لیے جو چیزیں مفید اور کارآمد ہو سکتی ہیں ان پر توجہ دینی چاہیے۔ رب تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

میں پھر آپ حضرات کی آمد پر خیر مقدم کہتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ فروگزاشتوں کے سلسلے میں معافی بھی چاہتا ہوں۔ خدا کرے کہ ہمارے اس سولہویں سیمینار کی بھی تمام نشستیں کامیاب، بار آور، نتیجہ خیز اور بہتر و مفید ثابت ہوں۔  
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

## مجلس شرعی کے سترہویں فقہی سیمینار کا خطبہ، صدارت

منعقدہ ۱۴/۱ تا ۱۷/۱ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰ جنوری تا ۲ فروری ۲۰۱۰ء شنبہ تا شنبہ

بمقام: دارالعلوم نوری، اندور، ایم۔ پی

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مجلس شرعی کا فقہی سیمینار آج ایک نئے صوبے - مدھیہ پردیش کے نئے شہر - اندور - سے روشناس ہو رہا ہے۔ دارالعلوم نوری، اندور کے صدر و مہتمم مفتی حبیب یار خاں دام فضلہ، بانی و ناظم ادارہ الحاج عبدالغفار نوری اور ان کے رفقا و معاونین ہم سبھی حاضرین کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہمت سے کام لیا اور مبارک پور کی سرزمین سے زیادہ تزک و احتشام کے ساتھ اندور میں مجلس شرعی کا سترہواں فقہی سیمینار منعقد کیا۔ یقیناً اس سلسلے میں ان حضرات نے بڑی جدوجہد اور محنت و کاوش کی ہے اور بڑی ہم دردی و قربانی کا ثبوت پیش کیا ہے جس پر مجلس شرعی کی جانب سے میں ان حضرات کا بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ مولا تعالیٰ ان حضرات کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے کرم بے پایاں سے وہ جزائے گراں مایہ عطا فرمائے جو ہمارے وہم و خیال سے بھی بالا و برتر ہو۔ رب کریم خیر کی راہوں میں انھیں استقامت عطا فرمائے، ان کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر بنائے اور دارالعلوم نوری کو بھی ہر جہت سے فروغ و ترقی اور وسعت و استحکام بخشے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ افضل الصلاة و اکرم التسليم۔

حضرات! اس موقع پر ایک شخصیت کی یاد بار بار آرہی ہے۔ ان کی صورت

ان کی سیرت، ان کی تنگ و دو اور حرکت و عمل کا نقشہ بار بار آنکھوں میں پھرا جاتا ہے۔ وہ ہیں مخدوم گرامی حضرت مفتی رضوان الرحمن فاروقی، مفتی مالوہ علیہ الرحمۃ والرضوان من الرحمن۔ بچپن میں ان کی کتاب اصلاح العوام کے ذریعہ میں ان سے متعارف ہوا۔ بعد میں دوسری کتابیں بھی دیکھیں اور ایک بار جگسلائی، جمشید پور میں ملاقات اور تقریر سننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ پہلے اس پورے دیار میں صرف انہی سے میں آشنا تھا اور اتفاق سے اب حاضری اُس دور میں ہو رہی ہے جب وہ برسوں پہلے ہم سے رخصت ہو چکے ہیں میں زیادہ حالات سے واقف نہیں لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ اس خطے کی دینی فضا میں ان کی مساعی جلیلہ کا دخل ضرور ہے اور میرا خیال ہے کہ دارالعلوم نوری کی تاسیس و تعمیر میں اگر ان کی عملی شرکت نہیں تو ان کی فکر، ان کی تحریک، ان کی تربیت اور ماحول سازی کی شرکت ضرور ہے۔

افسوس کہ ان کی خدمات و حالات پر کوئی کتاب یا مضمون نہ ان کی زندگی میں دیکھنے کو ملا نہ ان کی رحلت کے بعد۔ اگر کچھ چھپا اور عام ہوا تو کو تا ہی میری ہے کہ اب تک اسے حاصل نہ کر سکا اور شائع نہیں ہوا تو کو تا ہی ان کی ہے جنھوں نے خود تو ان سے فیوض و برکات بہت حاصل کیے مگر دوسروں کے لیے روشناسی کی کوئی صورت باقی نہ رکھی۔

خدا رحمت کند ایس عاشقان پاک طینت را

ضرورت ہے کہ ان کی سبھی کتابیں بار بار شائع ہوتی رہیں اور ان کے حالات پر بھی کوئی جامع کتاب برابر دستیاب رہے۔

اب میں اپنے مندوبین کرام سے مخاطب ہوں جنھوں نے اپنی گراں قدر علمی کاوشوں سے مجلس شرعی کو قوت پہنچائی اور اب کی بار پہلے سے زیادہ سفر کی صعوبتیں اٹھائیں اور زیادہ وقت کی قربانی بھی پیش کی۔ اس عنایت و آمد

پر میں آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں اور شکر گزار ہوں کہ مجلس کے ساتھ آپ نے جو پیمان وفا باندھا، سفر کی صعوبت، موسم سرما کی شدت اور وقت کا اضافہ اس میں رخنہ انداز نہ ہو سکا اور یہاں بھی آپ کی وہی ہمت و عزیمت جلوہ نما ہے جو مبارک پور میں ہوتی ہے۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔

آپ غور کریں تو امت کی رہنمائی اور دین کی تبلیغ و اشاعت کا جو فریضہ ناسین رسول کی گردنوں سے وابستہ ہے وہ خود انہیں بہت ساری ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھانے کی دعوت دیتا ہے۔ انہیں ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے جس کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کسی دوسرے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنا فرض ادا کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں اگر کوئی داعی بن گیا اور مذاکرات کے اجتماع اور ضروریات کے مصارف کا بار اپنے سر اٹھالیا تو اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ اسی فرض میں اعانت کے لیے جو خدا اور رسول کی جانب سے آپ کے اوپر عائد ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے داعی خود اصل ذمہ داروں کے تشکر و امتنان کا حقدار ہے۔

حضرات! کام بہت ہیں، جن کا احساس اور شدید احساس آپ کو بھی ہو گا مگر آپ پیش قدمی کیوں نہیں کرتے؟ اس لیے کہ ہر بڑے کام کے لیے باصلاحیت افراد اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر افراد موجود ہوں اور وسائل مفقود تو کوئی کام نہیں ہو سکتا، اسی طرح اگر سرمایہ اور وسائل فراہم ہیں مگر لائق افراد دستیاب نہیں تو ہو سکتا ہے کہ سا سا سرمایہ خرید و ہوجائے اور کام کچھ بھی نہ ہو پائے یا سرمایہ تو کسی قدر محفوظ رہے مگر جتنا اور جیسا کام ہونا چاہیے ویسا نہ ہو سکے۔

بیش تر حضرات ایسے ہی ہیں جو افراد اور وسائل دونوں کو یکجا کر کے کام آگے بڑھانے کے تصور ہی سے خائف اور لرزاں و ترساں ہیں اس لیے ہر کام اپنے کسی درد مند کرم فرما اور جو صلہ مند کار آزما کے انتظار میں پڑا گریاں اور مونا لہ

وفعال ہے۔

جب کسی ضروری اور اہم کام کی بات آتی ہے تو اپنی براءت کے لیے یہ کہہ کر تسلی حاصل کر لی جاتی ہے کہ یہ کام فلاں ادارے، فلاں خانقاہ یا فلاں شخصیت کو کرنا چاہیے۔ ان کے پاس افراد بھی ہیں اور وسائل کی بھی فراوانی ہے، ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں، ہم کیا کر سکیں گے۔

جب کسی قوم پر اِدبار آتا ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سب ایک دوسرے کو الزام دے کر اور ایک دوسرے کا شکوہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور سلطنت ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔ مخالف میدان خالی پاتا ہے اور علاقے کا علاقہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرتا چلا جاتا ہے۔ بے حس قوم کو اس پر بھی ہوش نہیں آتا اور دوسرے کی غلامی کا قلابہ گردن میں ڈال کر چین سے سو جاتی ہے یا موت کے گھاٹ اتر کر ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

حضرات! ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ اہل حق کے لیے بڑا ہی صبر آزما اور بہت زیادہ ہمت و حوصلہ اور فعالیت کا طالب ہے۔ شکوہ و شکایات اور اپنی بے بسی کا ماتم بند کر کے امکانات پر غور کرنے اور کچھ کرنے کے لیے قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اس ماحول میں بھی بہت سے ادارے، بہت سے افراد اور بہت سی تنظیمیں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ انہی کے باعث ملت کی کشتی طوفانوں کی زد پر بھی کسی حد تک رواں دواں ہے۔ ان کی خدمات کا اعتراف اور ان کی حوصلہ افزائی بہت ضروری ہے۔ ہم اس فکر کی تائید ہرگز نہیں کر سکتے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں اور جو نہیں ہو رہا ہے وہی سب کچھ ہے نہیں! جو نیک کام ہو رہا ہے وہ بھی اہم اور قابل قدر ہے



اور جو ضروری کام نہیں ہو رہا ہے وہ بھی اہم اور قابل توجہ بلکہ واجب العمل ہے۔ میں یہاں بطور نمونہ چند اہم کام شمار کرتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ ان پر غور کیا جائے اور انہیں بروے کار لانے کی فکر کی جائے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ آج ایسے کاموں کو اپنایا جاتا ہے جو عمومی نوعیت کے ہوں اور سب کے لیے باعث کشش بنیں۔

مثلاً قرآن کریم کی تفسیر یا کسی مشہور کتاب حدیث کی شرح لکھی جاتی ہے جو ہر طبقے کے لیے باعث توجہ اور قابل استفادہ ہو، اس میں کچھ یا بہت کچھ کسی باطل مذہب کی تائید میں بھی ہوتا ہے جو مخالف قاری کو ناگوار ہوتا ہے پھر بھی کتاب کے عام فوائد کے باعث اس کا مطالعہ کر جاتا ہے اور موافق قاری ان قابل اعتراض مقامات کو مخفی رکھ کر عام افادات دکھاتے ہوئے بڑھا چڑھا کر تعارف کراتا ہے اور مصنف کو مفسرین و محرشین کی اونچی صف میں جگہ دلاتا ہے۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ تفسیر کشاف کا اعتراف اگر بہت سی جگہوں پر چھپا ہوا ہے تو بے شمار جگہوں پر بالکل برہنہ اور کھلا ہوا ہے مگر اشتقاق، نحو، صرف، معانی و بیان وغیرہ سے متعلق اس میں ایسے افادات بھی ہیں کہ امام رازی کی ”مفاتیح الغیب“ (تفسیر کبیر) بھی ان کی نقل سے خالی نہیں، جب کہ ردِ معتزلہ امام رازی کا خاص مقصد ہے، کسی بھی آیت سے اگر معتزلہ نے استدلال کیا ہے تو اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کا تفصیلی یا اجمالی ردِ تفسیر کبیر میں ضرور ملے گا۔

آپ اگر ہندوستان یا بیرون ہند کے عام تعلیمی حلقوں میں کسی شخصیت کے علم و فضل کا خطبہ پڑھیں تو آپ سے سوال ہو گا کہ ان کی تصنیفات کیا ہیں؟ انھوں نے اگر قرآن کی تفسیر یا صحاح ستہ وغیرہ میں سے کسی کتاب کی شرح لکھی ہو یا کوئی سیرت و تاریخ لکھی ہو یا عام اسلامی موضوعات پر کوئی کام کیا ہو تو بتائیے، ہم استفادہ کریں۔

دوسروں نے اس عالمی صورت حال کو بہت پہلے سمجھ لیا اور اسی نہج پر کام کر کے دنیا میں اپنی حیثیت تسلیم کرا لی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے لیے یہ باور کرانا مشکل ہے کہ یہ قد آور مصنفین کسی باطل فکر و خیال کے حامل تھے۔ اب کچھ ضروری اور اہم کاموں کی فہرست پیش کر رہا ہوں۔ آپ صرف سننے کے بجائے عمل کے امکانات پر غور کریں۔

## ۱- سیاسی تنظیم

ہم جس ملک کے باشندے ہیں اس میں ہمارے بہت سے مسائل اور حقوق ہیں، اگر ہمارے قومی معاملات و مسائل میں حکومت کی جانب سے کوئی رخنہ اندازی ہوتی ہے تو اس سے فوراً آگاہی اور صحیح حل کے لیے تگ و دو ہماری ذمہ داری ہے۔ اسی طرح حکومت سے عام باشندوں یا خاص اقلیتوں کو اگر کچھ فوائد مل رہے ہیں تو ان سے واقفیت اور قانونی طور پر ان کے حصول کی کوشش ہونی چاہیے مگر حال یہ ہے کہ چالاک لوگ سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ کوئی قومی و ملکی مسئلہ پیش آتا ہے تو ساری آوازیں دوسرے ہی خیموں سے بلند ہوتی ہیں اور ہماری طرف بالکل سناٹا دکھائی دیتا ہے جیسے ہمارا یہ مسئلہ ہی نہیں۔ ایسے مواقع پر عوام جسے اپنی نمائندگی کرتے ہوئے پاتے ہیں اسے اپنا رہبر اور قائد مان لیتے ہیں اور جنہیں غافل دیکھتے ہیں ان سے اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں یا کم از کم ان کی غفلت و خاموشی پر شاک کی رہتے ہیں۔ ان حالات میں اپنی آواز بلند کرنے اور اپنی قیادت واضح کرنے کے لیے کوئی سیاسی پلیٹ فارم ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے مناسب صورت یہ ہے کہ دلی میں اپنی زمین ہو جس پر جدید سہولیات پر مشتمل شاندار عمارت ہو، ایک مستقل عملہ ہو جو باضابطہ سرگرم عمل ہو۔ اسے چلانے کے لیے بہت بیدار مغز اور سیاسی

بصیرت رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہو جس کے سبھی ارکان دلی یا اس سے قریب مقامات کے رہنے والے ہوں تاکہ کسی معاملے میں فوراً مشاورت اور اجتماع کی ضرورت ہو تو سب لوگ باسانی جمع ہو جائیں پھر اس کی شاخیں مختلف شہروں میں قائم کی جائیں۔ ابتداءً ایک دو ہاتھوہ کارکن، کرایے کے ایک دو کمرے اور آمدورفت کے لیے گاڑی رکھ کر بھی کام کا آغاز ہو سکتا ہے۔ مگر جو بھی آغاز ہو منصوبہ بند، مضبوط اور مستحکم ہونا ضروری ہے۔ باضابطگی، منصوبہ بندی اور گہری سوچ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کام مضحکہ خیز بن جاتے ہیں یا دیر پا نہیں ہوتے۔

۲- کچھ اور بھی کام عرض کرنے تھے مگر تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اشیا رات پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱- سیرت و تاریخ ۲- تفسیر و علوم قرآن ۳- حدیث و علوم حدیث ۴- تبلیغ کے لیے کسی عالمی زبان پر مہارت ۵- ہندوستان کی مقامی زبانوں میں کام ۶- اردو کتابوں کے عربی اور انگریزی ترجمے ۷- عصری اور دل نشین اسلوب میں اپنے مذہب کا اثبات اور مذاہب باطلہ کا ابطال ۸- اپنے موجودہ اور گزشتہ علما کی خدمات کا تعارف۔

یہ سب موضوعات بلکہ شعبہ جات لمبے وقت اور مستقل محنت کے طالب ہیں جن پر باصلاحیت افراد کو لگنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے، بعض کام انفرادی طور پر کیے جاسکتے ہیں اور بعض اکیڈمی کی شکل میں ہونا چاہیے کیوں کہ باضابطہ لائبریری اور دیگر وسائل کے بغیر کوئی ٹھوس، مضبوط اور اعلیٰ کام ہونا بہت مشکل یا ناممکن ہے۔

فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، تفصیل کسی غیر رسمی مجلس میں بھی ہو سکتی

ہے۔

حضرات! یہ تین چار ایام آپ کی سخت مصروفیت کے ہیں۔ سولہویں فقہی سیمینار میں وقت کی کمی کے باعث تین موضوعات پر مباحثہ و فیصلہ باقی رہ گیا تھا۔

۱- غیر رسم عربی میں قرآن کریم کی کتابت

۲- طویلے کے دودھ کا مسئلہ

۳- فلیٹوں کی حیثیت زکات کے نقطہ نظر سے

خاص اس سیمینار کے لیے دو نئے موضوعات دیے گئے:

۱- مسجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام

۲- فلیٹوں کی بیع در بیع کا مسئلہ

ان سبھی موضوعات پر آپ کو بحث کرنی ہے اور انہیں فیصلے تک پہنچانا ہے۔ رب کریم علم و عرفان کے دروازے کشادہ فرمائے اور صحیح حل تک پہنچنے کی توفیق جمیل مرحمت فرمائے۔

حضرات! آپ کی تشریف ارزانی پر میں ایک بار پھر آپ کو خیر مقدم کہتا ہوں اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آمدورفت اور قیام کے دوران اگر کوئی تکلیف ہو تو اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، اس پر نظر رکھیں کہ، مشقتوں سے عمل خیر کا نرخ دو بالا ہو جاتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ رب کریم ہم منتظمین کو آپ کے لیے زیادہ آسانیاں فراہم کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مندوبین کے ساتھ میزبانوں اور اس کار خیر میں حصہ لینے والے سبھی معاونین، مخلصین اور مجبین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سب کی مشترکہ کاوش و محنت اور تعاون سے یہ سیمینار منعقد ہوا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ خیر و خوبی اور کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر بھی ہوگا۔ رب کریم سب کو اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نوازے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ و باریک وسلم علی حبیبہ الامجد الاکرم و علی آلہ و صحبہ۔

## مجلس شرعی کے اٹھارہویں فقہی سیمینار کا خطبہ استقبالیہ

منعقدہ: ۱۷ تا ۱۹ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲ تا ۲۴ جنوری ۲۰۱۱ء شنبہ تا دو شنبہ کا

خطبہ بصدارت

بمقام: حراپبلک اسکول، مہاپولی، تھانے، مہاراشٹر

بسم الله الرحمن الرحيم. نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم  
بڑی مسرت کی بات ہے کہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اٹھارہواں فقہی  
سیمینار آج مہاراشٹر کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے اور علمائے دین و مفتیان کرام کا نورانی  
قافلہ اس خطے میں ضو فگن ہے۔

ہم سیمینار میں شرکت فرمانے والے سبھی اہل علم کا پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں  
اور شکر گزار ہیں کہ اپنی مصروفیات چھوڑ کر اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے وہ یہاں  
رونق افروز ہوئے ان کے ساتھ وہ تمام حضرات ہمارے شکرے کے مستحق ہیں جنہوں  
نے سیمینار کے سوالات موصول ہونے کے بعد جوابات تیار کرنے کے لیے فقہی  
مصادر و مراجع کی مراجعت میں جدوجہد صرف کی اور اپنے قیمتی خیالات سپرد قلم کر کے  
مجلس شرعی کو ارسال کیے۔

مقالات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے کرام نے محنت و مشقت سے  
کام کیا ہے۔ بعض حضرات نے ہر موضوع پر کافی بسط و تفصیل سے گفتگو کی ہے اور  
زیادہ سے زیادہ مراجع و مآخذ سے استفادہ کی کوشش کی ہے۔ مولانا عالی سبھی حضرات کو ان  
کے حسن نیت اور جہد حسن پر اجر عظیم سے نوازے۔

رہ گیا اختلاف آرا اور فکروں کا مختلف سمتوں میں سفر تو یہ غیر منصوص اور نئے

مسائل میں لاابدی امر ہے۔ رب تعالیٰ کی تیسیر و توفیق شامل حال رہی تو ہمیں امید ہے کہ بحث و مناقشہ کے بعد سبھی مسائل میں بعونہ و کرمہ تعالیٰ کوئی واضح اور صحیح حل رونما ہوگا جس پر سبھی شُرکاء انشراح صدر کے ساتھ اتفاق کر سکیں گے اور مذاکرات کی نشستیں بامراد و کامیاب ہو کر درخواست ہوں گی۔ وھو المستعان و علیہ التکلان۔

یہ امر باعث مسرت اور قابل توجہ ہے کہ نئے مسائل کے حل اور نئی سمتوں میں امت مسلمہ کی رہ نمائی کے لیے پیش قدمی ہوئی اور علمائے کرام کی مخفی قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار آئیں تو بہت سے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھیں، امت کو صحیح حل دست یاب ہوئے۔ مزید برآں فکروں کے دروازے کھلے، تحقیق و تدقیق کی راہیں ملیں، علمی و فقہی ذخیروں سے استفادے و افادے کی مزید صورتیں نمودار ہوئیں اور بہت سی صلاحیتیں جو صرف درسیات میں گم تھیں اب علم و فن کے وسیع و عریض آفاق پر جلوہ نما ہیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسرے خالی میدانوں کے لیے بھی اس طرح کی مخفی صلاحیتوں کا استعمال ہو تو بہت سارا خلا جلد ہی پر ہو سکتا ہے۔ میں یہاں چند جہتوں کا اشارہ کروں گا۔

## مجلس کے انیسویں فقہی سیمینار کا خطبہ، صدارت

منعقدہ: ۱۹ تا ۲۱ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۲ تا ۱۶ جنوری ۲۰۱۲ء، شنبہ تا دو شنبہ

بمقام: دارالعلوم امجدیہ بھونڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَ مَصْلِحًا وَمُسْلِمًا  
 بڑی مسرت کی بات ہے کہ پھر امسال مجلس شرعی کا سیمینار مہاراشٹر کی سرزمین پر ممبئی کے قریبی شہر بھونڈی میں منعقد ہو رہا ہے، اس میں اہل بھونڈی کی کشش اور کوشش دونوں کا دخل ہے، گزشتہ سال مہاپولی میں سیمینار ختم ہونے کے بعد بھونڈی شہر میں ایک اجلاس عام منعقد ہوا تھا، جس میں کئی اہم دینی و علمی موضوعات پر تقریریں ہوئیں اور محترم الحاج وقار احمد عزیز نے مجلس شرعی اور جامعہ اشرفیہ کے موضوع پر بھی ایک خطاب کیا۔ امسال ہم دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف اجلاس عام بلکہ سہ روزہ فقہی سیمینار بھی بھونڈی کی سرزمین پر اتر آیا ہے۔

میں مجلس شرعی اور جامعہ اشرفیہ کی جانب سے دارالعلوم امجدیہ بھونڈی کے ارکان و اساتذہ و طلبہ، بھونڈی کے علما و محبان اہل سنت اور ان تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے فقہی سیمینار کے انعقاد میں کسی طرح کا کوئی تعاون پیش کیا ہے۔ یہ ایک خالص دینی، علمی، فقہی کام ہے، جس میں شرکت و تعاون آدمی کی خوش نصیبی بھی ہے اور رب تعالیٰ کی خوش نودی کا ذریعہ بھی۔ رب تعالیٰ اس میں شرکت و تعاون کرنے والے تمام حضرات کو دارین میں اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازے۔

سب سے اہم خدمت ان علمائے کرام کی ہے جنہوں نے وقت کے پیچیدہ اور مشکل مسائل پر اپنی علمی و فکری توانائیاں صرف کیں، فقہی کتابوں کی مراجعت کی، متعلقہ عبارات و جزئیات تلاش کیے، احکام و جوابات کے استخراج میں سعی بلیغ فرمائی اور اپنے فکری و علمی نتائج صفحات قرطاس پر ثبت کر کے مجلس شرعی کے سپرد کیے۔ پھر جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ نے سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے نقوش قلم کا بغور مطالعہ کیا اور یہ جائزہ لیا کہ وہ کون سی باتیں ہیں جن پر سب اہل قلم متفق ہیں، اور وہ کون سے ایسے امور ہیں، جن میں اختلاف ہے، پھر اس اختلاف کی وجہیں اور سمتیں کیا ہیں اور نتیجہ طلب امور کیا ہیں؟

یقیناً یہ علمی و قلمی کاوشیں کسی بھی زندہ قوم کا بیش قیمت سرمایہ ہیں، جس پر یہ حضرات اپنی حساس اور قدر داں قوم کی جانب سے تحسین اور شکر کے مستحق ہیں۔ رب تعالیٰ سب کو اپنی بے کراں جزاؤں اور عطاؤں سے شاد کام فرمائے۔

ان میں اور ان کے علاوہ جو حضرات مذاکرات کے لیے مدعو ہوئے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں تشریف لائے ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں، اور امید رکھتے ہیں کہ مسائل کے صحیح حل اور واضح نتائج تک رسائی کے لیے وہ اپنی پوری علمی و فکری صلاحیتیں اخلاص و توجہ کے ساتھ صرف کریں گے اور رب تعالیٰ اپنی خاص مدد اور بے پایاں فضل و کرم سے بندگروں کو کھول دے گا اور امت مسلمہ کے لیے کشادہ اور صاف ستھری راہ پیش کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

حضرات! انیسویں فقہی سیمینار کے تین مسائل میں سے ایک بڑا نازک اور حساس مسئلہ ”نکاح میں کفایت“ کا ہے۔ میں علمائے کرام سے گزارش کروں گا کہ اس پر اپنے علمی و قارا اور پوری متانت و سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بحث کریں گے۔ کوئی ایسا جملہ یا لفظ زیر استعمال نہیں آنا چاہیے جس سے کسی پر طنز



و تضحیک یا دل آزاری کا گمان پیدا ہو، یہ سچ ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت و بزرگی کا معیار دین داری اور تقویٰ ہے، مگر اس کا تعلق آخرت کی سرخ روئی اور سرفرازی سے ہے۔ نکاح کی مشروعیت میں شریعت مطہرہ نے بہت سے دنیوی امور کا بھی اعتبار رکھا ہے۔ انسانوں کے درمیان جو رشتہ ازدواج منعقد ہوتا ہے وہ محض عارضی و وقتی نہیں ہوتا، بلکہ عموماً پوری زندگی کی رفاقت، نہ صرف دو جانوں کی رفاقت بلکہ دو خاندانوں کی قربت، ایک صالح نسل کی ولادت، تعلیم و تربیت اور ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا تصور کارفرما ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام کی حکیمانہ شریعت نے کسی نہ کسی درجے میں ان امور سے اعتنا کیا ہے، جو اس دنیاوی سفر کی کامیابی میں معاون و مددگار یا ضرر رساں و خلل انداز ہوتے ہیں، کیوں کہ باہمی ناخوشگواری کے ساتھ ایک لمبا سفر طے کرنا نہ صرف یہ کہ کٹھن اور دشوار ہوتا ہے بلکہ عادتاً ناکامی اور جدائی سے ہم کنار ہوتا ہے، یقیناً اہل اسلام کی نظر میں ایمان و عمل کی استقامت اور دین داری و تقویٰ کی برتری کا تصور سوسائٹی کے دنیاوی تصورات و اعتبارات پر غالب و قاہر ہونا چاہیے لیکن بعض افراد میں یہ تصور، بلند و بالا صورت میں پیدا نہ ہو سکا، تو شریعت نے انہیں نکاح سے روکا نہیں ہے کہ اس سے فتنہ و فساد کبیر کا اندیشہ ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لیے یہی راہ رکھی ہے کہ وہ رشتہ ایسی ہی جگہ کریں جہاں زوجین کا سفر حیات باہمی خوش گواری و انبساط کے ساتھ کامیابی سے ہم کنار ہو، بشرطے کہ ایمان و عمل صحیح و سالم ہو۔ اسلامی شریعت دنیاوی بھلائی اور خوش گواری کے لیے اس حد تک نرمی و رواداری کی قائل نہیں کہ ایک خوش عقیدہ کا رشتہ نکاح کسی بے دین یا بد دین سے باندھنے کی اجازت دے دے اور بے دینی یا بد دینی کا طوفان بڑھنے اور پھیلنے کی راہ ہموار کرے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین أحکم الحاکمین.

یہ میں نے اس لیے عرض کر دیا کہ آج کل کچھ لوگ حکم دنیا و آخرت کے فرق اور نکاح کے حکیمانہ مصالحوں کو نظر انداز کر کے اعتبار کفایت کے مسئلہ میں فقہاء پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کی نظر حکمت و دقت سے غفلت و بے خبری کے نتیجے میں بہت سی بے کار و بے ہودہ باتیں کہ جاتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ انھیں مقاصد اور حکمتوں کو اچھی طرح سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

بہر حال مندوبین کرام سے میری گزارش صرف اس قدر ہے کہ مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھیں اور علمی متانت و وقار کے دائرے میں خالص شرعی و فقہی مباحثہ و مذاکرہ بروے کار لائیں۔

بینکوں کی ملازمت اور ڈی این اے ٹیسٹ کے مسئلوں میں بھی کئی نازک پہلو ہیں جو آپ کی دقت نگاہ اور ناخن گرہ کشا کی کار فرمائی کے منتظر ہیں۔ خدا کرے ان مسئلوں کا بھی ہر پہلو واضح اور منکشف ہو کر جلوہ گر ہو۔ و بیدہ تعالیٰ التوفیق و ہو خیر رفیق۔

حضرات! اس وقت ایک بزرگ عالم دین کی یاد آرہی ہے، جو اب ہم میں نہ رہے، یعنی شیخ القرآن علامہ عبد اللہ خاں عزیز مصباحی جو جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ بھی تھے اور مجلس شرعی کے ہمدرد اور بہی خواہ بھی، کئی سیمیناروں میں شرکت بھی فرمائی، کئی سال سے زیر علاج تھے، اس درمیان جب ٹھیک رہتے درس و تدریس اور ملاقات و اسفار کا سلسلہ جاری کر دیتے۔ گزشتہ شعبان میں لکھنؤ کے اندر زیر علاج تھے کہ دم آخر آگیا اور ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مولیٰ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت و غفران سے نوازے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

آخر میں پھر اپنے تمام مندوبین کا ان کی تشریف آوری پر خیر مقدم کرتے ہوئے شکر گزار ہوں اور سیمینار کے تمام منتظمین اور معاونین کا بھی شکریہ ادا

کرتا ہوں اور آپ حضرات سے عرض گزار ہوں کہ ان حضرات نے ہر طرح سہولت و راحت بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے اور آئندہ چار دنوں میں بھی ان کی کوشش یہی رہے گی کہ آپ حضرات کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ان کے نیک جذبات اور مخلصانہ مساعی کی قدر کرتے ہوئے انہیں اپنی مبارک دعاؤں سے نوازیں اور اگر کوئی کمی یا کوتاہی ہو جائے تو اپنی کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی سے معاف فرمائیں، بلکہ دین و علم کی راہ میں ہر قسم کی مشقت و مصیبت اور ناگواری و اذیت جھیلنے کا حوصلہ پیدا کریں، اسی لیے کہا گیا ہے: العطا یا بقدر البلایا۔ واللہ خیر حافظا و هو أرحم الراحمین و اکرم الاکرمین، والصلاة والسلام علی خیر خلقہ سید المرسلین، خاتم النبیین، وعلی آلہ و صحبہ و علماء دینہ و فقہاء شرعہ و ہدایة الحق و دعاة الخیر أجمعین۔۔۔۔۔ والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

## مجلس شرعی کے بیسویں فقہی سیمینار کا خطبہ، صدارت

منعقدہ: ۸/۷/۱۹۸۶ رجب ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹/۱۸/۲۰۱۳ء  
بمقام: جامعہ البرکات علی گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ————— حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا  
سب سے پہلے میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے  
اپنے مندوبین کرام اور تمام شُرکاء کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے اوقات  
کا قیمتی حصہ مجلس کو عنایت فرمایا۔ رب کریم سب کو جزائے خیر سے نوازے اور  
مجلس کے مقاصد جمیلہ کو کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے۔  
حضرات! ہمیں بڑی مسرت ہے کہ مجلس شرعی کا بیسواں سیمینار (بتاریخ  
۸/۷/۱۹۸۶ رجب ۱۴۳۲ھ / ۱۹/۱۸/۲۰۱۳ء) علی گڑھ کی سر زمین پر  
منعقد ہو رہا ہے۔ یہ شہر اگرچہ اپنی تجارت اور صنعت و حرفت کے اعتبار سے  
ملک کے چند بڑے شہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن ”مسلم یونیورسٹی“ کے  
باعث اسے ملکی اور عالمی پیمانے پر جو شہرت حاصل ہے وہ دوسرے شہروں  
سے کسی طرح کم نہیں۔

اس دانش گاہ کا ایک دور وہ بھی تھا جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری  
بریلوی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) کے خلیفہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری  
(م ۱۳۵۸ھ) تلمیذ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری (م ۱۳۲۶ھ) شاگرد علامہ  
فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۷۸ھ) علیہم الرحمہ کا علمی جاہ و جلال یہاں  
چھایا ہوا تھا۔ ان کے عالمانہ شکوہ و وقار کی بڑی جاندار اور شاندار منظر کشی پروفیسر

رشید احمد صدیقی (م ۱۹۷۷ء) نے اپنی کتاب ”گنج ہائے گراں مایہ“ میں کی ہے۔ دوسری مسرت و سعادت یہ ہے کہ ہمارا سیمینار جامعہ البرکات کے بارونق اور بابرکت خطے میں انعقاد پذیر ہے جس کی تاسیس ایسی بلند ہمت شخصیات کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جنہیں مارہرہ شریف کی اس عظیم خانقاہ برکاتیہ کی سجادگی یارکنیت حاصل ہے جو آج صرف بریلی و بدایوں ہی نہیں بلکہ برصغیر کے تقریباً تمام شہروں اور ضلعوں کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مرجع ارادت اور مرکز عقیدت ہے بلکہ اب اس کا فیضان ملکی حدوں کو توڑ کر درواز ملکوں تک عام ہو چکا ہے۔ اللہم زد فزد۔

اس خانقاہ سے نسبت کو ہمارے اکابر نے سرمایہ افتخار سمجھا ہے۔ اس کی عظمت و جلالت سے آگاہ و خبردار کرنے کے لیے امام عشق و محبت امام احمد رضا قدس سرہ کی یہ صدا برابر کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا  
بول ہائے مری سرکاروں کے

ہم سراپا سپاس و امتنان ہیں کہ مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ نے بیسویں سیمینار کے لیے جامعہ البرکات کی فضا پسند فرمائی اور ایک ڈیڑھ سال قبل دارالعلوم امجدیہ بھینڈی میں منعقدہ انیسویں سیمینار کے آخری اجلاس میں بذات خود جملہ مندوبین کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی جس کی تکمیل آج عملی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

الحمد للہ! اس خاندان اور اس خانقاہ میں بذل و سخا اور جو دو عطا کی شان آج بھی نمایاں ہے۔ یہاں اس سیمینار کا انعقاد بھی اسی کا ایک جلوہ دل نواز ہے۔ مختلف افراد، اداروں اور تنظیموں کے ساتھ عنایات کا سلسلہ اگر کوئی باخبر صاحب

قلم جمع کرے تو یہ ایک چشم کشا، سبق آموز اور حیرت انگیز باب ہوگا۔ لیکن ان نوازشات کے پیچھے جماعت کی سربلندی، دینی علمی اور ملی کاموں کے فروغ، اچھے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی، ان کی تقویت اور کار خیر میں پر خلوص تعاون کا جو ناقابل شکست اور عبرت انگیز جذبہ کار فرما ہے وہ نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وہ نایاب یا نادر و کمیاب جوہر ہے جو ہمارے کریموں کا مقام بلند سے بلند تر کر دیتا ہے۔

حضرات! اب کچھ ذکر جامعہ اشرفیہ کا بھی سن لیجیے۔ مبارک پور میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے اس کا قیام تو آج سے ایک سوسترہ سال پہلے ۱۳۱۷ھ میں ہو چکا تھا مگر اس کے عروج و ارتقا کی تاریخ آج سے بیاسی سال پہلے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء سے شروع ہوتی ہے جب جلالتہ العلم، ابو الفیض حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی قدس سرہ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) نے اسے اپنے قدوم مہمنت لزوم سے نوازا۔ ایک سال کی مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ مبارک پور میں دینی و علمی جوش و خروش کا سماں بندھ گیا اور ۱۰۰ ارشوال ۱۳۵۳ھ کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط ایک نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کا تاریخی نام ”باغ فردوس“ ہے۔ اس وقت تک ادارے کا نام صرف مصباح العلوم سے بڑھ کر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم ہو چکا تھا۔ شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی برکاتی (۱۲۶۶ھ - ۱۳۵۵ھ) اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) اور محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی (وصال - ۱۳۸۱ھ) علیہم الرحمہ نے بنیاد رکھی۔ حضرت شیخ المشائخ نے اس کے استحکام و ترقی کی دعاؤں کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا ”جو اس کی ایک اینٹ بھی کھسکائے گا، اس کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے گی“۔

جب حضرت صدر الشریعہ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں دوسرے

سفر حج پر روانہ ہو رہے تھے اس وقت حافظ ملت نے عرض کیا تھا: حضور ”اشرفیہ“ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ صدر الشریعہ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ”اشرفیہ بڑھے گا، پھولے گا، پھلے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا ذلیل ہوگا۔“

حضرت شیخ المشائخ اور حضرت صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کے ان کلمات کی صداقت اور مقبولیت کا مشاہدہ دنیا بارہا کر چکی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی کرے گی۔

چالیس سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ نئی عمارت طالبان علم کی کثرت کے باعث تنگ سے تنگ تر معلوم ہونے لگی اور کسی کشادہ زمین کی تلاش اور وسیع عمارت کی تدبیر شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ قصبہ کے باہر تیس (۳۰) ایکڑ زمین خرید لی گئی (جواب پچاس ایکڑ کے قریب ہو چکی ہے) ۲۱/۲۰/۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۷/۶/۱۹۷۲ء کی تاریخیں رسم سنگ بنیاد اور تعلیمی کانفرنس کے لیے مقرر ہو گئیں۔ حافظ ملت کی دعوت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے شہزادے سرکار مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی (۱۳۱۰ھ-۱۴۰۲ھ) سیدالعلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ برکاتی ماہروی (۱۳۳۲ھ-۱۳۹۴ھ) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن قادری اڑیسوی (۱۳۲۲ھ-۱۴۰۱ھ) علیہم الرحمہ اور بہت سے مشاہیر علمائے ہند کی تشریف آوری ہوئی۔ سہ روزہ تعلیمی کانفرنس حضرت سیدالعلماء کی صدارت میں ہوئی۔ ۲۱ ربیع الاول مطابق ۱۷ مئی کو بعد نماز ظہر سرکار مفتی اعظم عَلَیْہِ السَّلَام نے اشرفیہ مصباح العلوم کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور ادارے کے عروج و استحکام کی دعائیں کیں۔ اسی کانفرنس میں ادارے کا نام ”الجامعۃ الاشرفیہ“ تجویز ہوا، اور جلسہ عام میں اس کا اعلان ہوا صرف چودہ ماہ کی مدت میں مرکزی درس گاہ کی دو منزلہ عمارت تیار ہو گئی جس کے افتتاح کے موقع پر دوسری کانفرنس ۱۹

۲۰ شوال ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۷/۱۶/۱۷ نومبر ۱۹۷۳ء کو منعقد ہوئی۔ اس موقع پر بھی سرکار مفتی اعظم ہند، حضرت سیدالعلماء اور مشاہیر علما و مشائخ کی تشریف آوری ہوئی۔ بعد نماز مغرب حضرت مفتی اعظم علیہ السلام نے علما و مشائخ کی موجودگی میں طلبہ کو بخاری شریف شروع کرا کے عمارت کا افتتاح کیا اور دن میں دارالاقامہ کاسنگ بنیاد رکھا۔ حافظ ملت نے اپنے ایک مضمون میں ان ساری کامیابیوں اور تیزگامیوں کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی مخلصانہ دعاؤں کا ثمرہ لکھا ہے۔ حضرت سیدالعلماء نے اسی دوسری کانفرنس میں اپنا وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ ”حافظ صاحب اپنے کو تنہا نہ سمجھیں ضرورت ہوئی تو میں سارے برکاتوں کو ان کے قدموں پر جھکا دوں گا۔“

حضرت احسن العلماء مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں (۱۳۴۵ھ - ۱۴۱۲ھ) قدس سرہ نے ۱۴/ جون ۱۹۷۸ء [۸/ رجب ۱۳۹۸ھ، چہار شنبہ] کو حافظ ملت نمبر کے لیے جو تحریر ارسال فرمائی اس کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے ”ان کی یادگار ”الجامعۃ الاشرفیہ“ کی تعمیر کے لیے آئیے ہم سب مل کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ السعی منی و الإتمام من اللہ۔“

ہمارا اعتقاد و ایمان ہے کہ ان جلیل القدر بزرگوں کی خلوص بھری دعائیں اور ان کی اخلاص و محبت سے لبریز تمنائیں رائیگاں جانے والی نہیں، پھر اشرفیہ کے عروج و استحکام کے لیے ان کی عطائیں مزید برآں ہیں۔ انہی مستجاب دعوات و عنایات کا صدقہ ہے کہ ابتدا سے اب تک اشرفیہ نے ہمیشہ آندھیوں کی زد پر چراغ جلایا ہے جس کی کو کوئی بڑے سے بڑا سورا بھی مڈھم نہ کر سکا، بلکہ بزرگوں کی پیشین گوئی کے مطابق ذلیل و ناکام ہو کر رہا۔

حافظ ملت نے نصاب تعلیم، طریقہ تعلیم اور دینی علمی دعوتی تربیت پر بھی ہمیشہ توجہ مبذول فرمائی مگر سب کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔



انہوں نے جو علمی و دینی مشن چھوڑا وابستگان جامعہ اشرفیہ آج بھی اس کی تکمیل اور اسے مختلف جہتوں سے آگے بڑھانے میں سرگرم ہیں۔ جامعہ میں اختصاص فی الفقہ، اختصاص فی الحدیث، اختصاص فی الادب العربی، اختصاص فی الادیان وغیرہ شعبے جاری ہیں اور آج بھی فارغین جامعہ ملک و بیرون ملک اپنی دینی و علمی خدمات کے باعث ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

تقریباً ۱۵ سال پہلے جامعہ اشرفیہ کے اندر حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ کی سرپرستی میں ”مجلس برکات“ کا قیام عمل میں آیا، اس کا دائرہ کار یہ متعین ہوا:

(۱) اہل سنت کے حواشی کے ساتھ درسیات کی اشاعت

(۲) ضرورت کے مطابق نئے حواشی کی ترتیب

(۳) نئی نصابی کتب کی تیاری

الحمد للہ! تینوں خطوط پر کام جاری ہے بلکہ زیادہ کام ہو چکا ہے اور مجلس برکات کی نشریات کو ہمہ جہت وقار و مقبولیت حاصل ہے۔

مجلس شرعی بھی ذمہ داران ادارہ کی پیش رفت کی ایک زندہ مثال ہے۔ جامعہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ نے حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۰ھ - ۱۴۲۱ھ) اور دیگر علمائے اشرفیہ کو جدید مسائل میں امت کی رہ نمائی کے لیے باضابطہ تشکیل مجلس کی جانب متوجہ کیا اور ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۹۲ء بروز شنبہ علمائے اشرفیہ کی مشاورت کے بعد اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے سات سال قبل علامہ ارشد القادری، کی تحریک پر اشرفیہ میں ”شرعی بورڈ“ قائم ہوا تھا مگر وہ صرف دو نامی مسٹلوں تک محدود رہا۔ آگے نہ بڑھ سکا۔

بجہدہ تعالیٰ! مجلس شرعی کے ذریعہ اب تک سینتالیس (۴۷) پیچیدہ مسائل

حل ہو چکے ہیں۔ اور اس سیمینار کی تکمیل پر ان شاء اللہ تعالیٰ پچاس کی تعداد پوری ہو جائے گی۔ مجلس شرعی کے موضوعات ایسے آسان نہیں رکھے جاتے جن کا صحیح اور مستند جواب دینے کے لیے ایک ہی مفتی کافی دوانی ہو بلکہ موضوعات ایسے ہوتے ہیں جو مشکل ہوں اور ان میں اختلاف آرا کی راہیں نکلتی ہوں۔ تجربہ بھی بتاتا ہے کہ ایک موضوع کے تحت متعدد گوشے نکلتے ہیں اور ہر پہلو پر مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں اور مندوبین کھلی فضا میں مکمل بحث و تمحیص کے بعد کسی منفقہ نتیجے تک پہنچتے ہیں۔

یہ سب کچھ فیضان ہے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰ھ - ۱۵۰ھ) ان کے اصحاب اور مشائخ حنفیہ کا، اور متاخرین میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات اور فتاویٰ کا۔

ہمارے فقہائے احناف نے اپنی تدوین فقہ میں پیش قدمی ہی کے وقت مسائل کی مختلف جہتوں اور نوعیتوں کا استخراج کیا پھر کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی خدا داد اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جوابات طے کیے جن کی روشنی میں خادمان فقہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی نو پیدا مسائل کا حل تلاش کر لیتے ہیں۔

فقہ حنفی کی جامعیت کے بارے میں امام موفق بن احمد مکی (۲۸۴ھ - ۵۶۱۸ھ) کی کتاب مناقب امام اعظم (ص ۱۳۷، طبع اول - دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۲۱ھ) سے یہاں ایک روایت نقل کرنا چاہتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن سرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کوئی شخص امام اعظم پر طعن کرنے لگا۔ حضرت ابن سرج نے فرمایا: اے شخص اپنی زبان روک۔ ان کی شان یہ ہے کہ تین چوتھائی (۳/۴) علم ان کے لیے مسلم ہے۔ اور ایک چوتھائی جو دوسروں کے حصے میں آتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے لیے مسلم نہیں، کیوں کہ ابو حنیفہ

اس حصے میں ان سے نزاع رکھتے ہیں۔ اس شخص نے کہا: یہ کیسے؟ حضرت ابن سُرَیج نے فرمایا: علم سوال و جواب کا مجموعہ ہے۔ نصف علم سوال ہے اور نصف علم جواب۔ ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سوالات تیار کیے یعنی کسی عبادت یا معاملت کے کسی جز میں کیا کیا صورت حال پیدا ہو سکتی ہے اور فقہاء کے سامنے کیا کیا سوالات آسکتے ہیں؟ ان سب کا استخراج کر کے انہیں مرتب کیا۔ پھر ان کے جوابات بیان کیے۔ ان جوابات کو بعض نے صحیح کہا، بعض نے غلط کہا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ ان کی خطا صواب کے برابر ہے تو نصف ثنائی کا نصف یعنی ایک چوتھائی ان کے لیے مسلم رہا جب کہ نصف اول یعنی وضع سوالات میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں۔ اس طرح تین چوتھائی علم ان کے لیے مسلم ہو گیا۔ اب ایک چوتھائی جو باقی رہا وہ بھی دوسروں کے لیے مسلم نہیں اس لیے کہ ابو حنیفہ کو اس حصے میں دوسروں سے اختلاف ہے۔ حضرت ابن سُرَیج نے اس پر اور بھی شواہد پیش کیے ہیں، میں نے مختصر پر اکتفا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم کا احسان پوری امت پر ہے۔ اس احسان کی بھی مختلف جہتیں ہیں مگر تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اجلہ محدثین ان کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور بقیہ اصحاب ستہ سب براہ راست یا بالواسطہ یا بوسائط ان کے دامن تلمذ سے وابستہ ہیں۔ اس کی تفصیل بھی ایک مستقل تحقیقی مقالے کی طالب ہے۔

الغرض ہمارے علما اپنے بزرگوں کے رشحات قلم سے استفادہ و استفادہ کرتے ہوئے پیچیدہ مسائل حل کرنے کی سعی بلیغ کرتے ہیں۔ رب کریم کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے اور صحیح نتائج تک رسائی ہو جاتی ہے۔ فالحمد لله علی ذلك.

میں سابقہ روایت کے مطابق اس سیمینار میں اپنے مندوبین کرام سے یہ نہیں کہنا چاہتا کہ آپ کی راحت و سہولت میں کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو درگزر فرمائیں، اس لیے کہ اس بار آپ اپنے مخدوموں کے زیر سایہ حاضر ہیں جہاں اگر واقعی تکلیف ہو تو بھی شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں کوئی پریشانی متوقع بھی نہیں، اس لیے کہ اب تک جو منظم ہوتے تھے وہ تجربات کی وادی سے گزرنے والے تھے مگر یہاں تو سیمینار آئے دن کا دل چسپ مشغلہ ہے، اس کی ضروریات و سہولیات کی فراہمی کا اتنا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ بھول چوک بہت بعید از کار ہے۔

رب کریم ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دین متین اور شرع مبین کی بیش بہا خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے اور اس راہ کی ہر مشقت کو راحت تصور کرنے کا حوصلہ بخشنے اور ہر فرد کو اس کی سعی جمیل کا بے پایاں اجر عطا فرمائے۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سید العالمین و علی آلہ و صحبہ و فقہاء شرعہ و علماء دینہ و اولیاء امتہ أجمعین۔

## مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے بیسویں فقہی سیمینار

منعقدہ: جامعہ البرکات علی گڑھ کی اختتامی تقریب

(۸/رجب ۱۴۳۲ھ/۱۹/مئی ۲۰۱۳ء) کا

فکرانگیز خطاب

مُحَمَّدٌ وَنُصَلِّيَ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حضرات علمائے دین و مفتیان کرام! بے شک آپ حضرات کے سروں پر ملت کی ذمہ داری ہے اور آپ کو عوام کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دینا ہے، اسی حیثیت سے آج آپ سے گفتگو کی جا رہی ہے۔ علمائے لوگوں کے عقائد کا تحفظ کرنا اور دین و عقائد کے بارے میں انہیں ہدایت کرنا، ان کی رہ نمائی کرنا ان کا فرض منصبی ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بڑھ جاتی ہے، جب باطل عقیدے والوں کی نقل و حرکت تیز ہو اور وہ صحیح عقائد والوں کو شکار کرنے کے لیے بڑھتے ہوئے نظر آئیں۔ آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ پورا ہندوستان جس کے اندر غالب اکثریت اہل سنت کی تھی اور شیعہ کے سوا کسی باطل فرقے کا یہاں وجود نہیں تھا، نہ ان کے بانی پیدا ہوئے تھے، نہ ان بانیوں کا کوئی فرقہ ہندوستان کی سرزمین پر موجود تھا، بلکہ دنیا کے کسی خطے میں ان کا وجود نہیں تھا۔ وہابیت کی ابتدا نجد سے ہوئی، وہاں سے دہلی آئی اور اس کے بعد اس کو فروغ حاصل ہوا۔ قادیانیت کی ابتدا قادیان سے ہوئی اور وہاں سے سب سے پہلے برصغیر کے اندر اس کا پھیلاؤ ہوا اور اس کے بعد کسی اور جگہ پہنچی۔ دیوبندیت کی ابتدا سہارن پور سے ہوئی اور سہارن پور ہی سے کہیں اور پھیلی ہے۔

الغرض ہم سب یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ پہلے ان فرقوں کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا، لیکن آج آپ آبادی کا تناسب دیکھیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ غالب ہوں، جس جماعت کا کوئی فرد وجود میں نہیں تھا، وہ وجود میں آتی ہے اور بڑھتے بڑھتے پوری آبادی کو، پورے پورے شہر کو، پورے پورے ضلع کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو یہ پھیلاؤ غفلت کے ساتھ، تعطل کے ساتھ، جمود کے ساتھ کبھی نہیں ہو سکتا۔

جس شخص کا جو عقیدہ ہو وہ اسے اپنے ہی تک محدود رکھے تو اس کا کوئی پھیلاؤ نہیں ہوگا اور اس عقیدے پر چلنے والے افراد کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ فرقے جب پیدا ہوئے تو پیدا ہونے کے بعد انھوں نے بہت زیادہ تگ و دو کی ہے اور طرح طرح کی کوششوں سے، جن میں مکرو فریب اور ظاہری اخلاق و محبت، تصنع وغیرہ سب کچھ شامل ہے اور طرح طرح کے وسائل استعمال کرتے ہوئے سنی افراد کو اپنے عقیدے اور مذہب میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ افراد جو سنیت سے نکل کر دوسروں کی گود میں پینچے ہیں سنی علما کے کنٹرول میں ہوتے اور علما کی تگ و دو دعوت کے میدان میں زیادہ ہوتی اور برابر غیروں کے مکائد کا اور اپنوں کے حالات کا جائزہ لیتے رہتے تو ظاہر ہے کہ وہ دوسروں کی دست برد سے محفوظ رہتے اور ان کے ہاتھ میں نہ جاتے اور نہ اپنا ایمان کھوتے۔ اس سے آپ موازنہ کریں کہ ہم نے سو ڈیڑھ سو سال کی مدت کے اندر تدریجاً اپنی حرکت کس قدر کم کر دی ہے اور اپنے لوگوں کو بچانے تک میں ہم کتنے زیادہ ناکام ہو چکے ہیں۔ دوسروں کو اپنے عقائد کا حامی بنانا، یہ تو بہت دور کی بات ہو گئی ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص پورے طور پر ان کی گود میں جا چکا ہو، پھر واپس آجائے، اگرچہ کوشش کرنے پر ایسا ہوتا ہے اور بارہا ہو چکا ہے لیکن یہ سب ہماری محنت اور تگ و

دو پر منحصر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب مقابلے میں ایک فریق نہیں، بلکہ کئی فریق ہیں جو لگاتار لوگوں کو اپنا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، تو ہمیں اپنی محنت اور تگ و دو تیز سے تیز تر کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

آج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات کو ہر فرقہ نشانہ بناتا ہے اور یہاں تک وہ مشہور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سنی (جسے وہ بریلوی سے تعبیر کرتے ہیں) ایک نیا فرقہ ہے، جو بریلی سے پیدا ہوا۔ وہی ان کی ابتدا ہے، وہی ان کی انتہا ہے۔ اور مولانا احمد رضا خاں نے ایک نئے فرقے نئی جماعت کی بنیاد ڈالی ہے اس طریقہ سے وہ بہت آسانی سے لوگوں کو گم راہ کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں وہاں کے طلبہ کی کسی دشواری میں کچھ مدد کر دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ ان لوگوں سے متاثر ہو جاتے ہیں، آنا جانا شروع کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے عقیدے کے ہو جاتے ہیں۔ اسی طریقہ سے کسی مسجد میں وہ امامت اختیار کر لیتے ہیں اور بچوں کو اردو سکھانے کے نام پر قرآن و سنت کی تعلیم کے نام پر ایک مکتب از خود جاری کر لیتے ہیں، اس کی آڑ میں اپنا عقیدہ پڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد بچے ان کے عقیدے کے حامل ہو جاتے ہیں۔

طرح طرح کے حربے انھوں نے اختیار کر رکھے ہیں، یہ ظاہر نہیں کرتے کہ ہم کوئی نیا عقیدہ لا رہے ہیں، بلکہ کوئی خوش نما چیز پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو بہکا لیتے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ اہل سنت کے افراد جہاں کہیں ہوں وہ اپنی کوششیں تیز تر کریں۔

آج بہت ساری ان کی کتابیں بھی ہمارے لیے چیلنج بنی ہوئی ہیں۔ مطالعہ بریلویت کے دوسرے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قادیانیت کو پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو سب سے پہلے دیوبندیوں کو فکر

ہوئی کہ قادیانی نے ختم نبوت کا انکار کیا اور نبوت کا دعویٰ کیا تو اس فرقہ کو بالاتفاق غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ختم نبوت کا انکار جو مولانا قاسم نانوتوی کی تحریر میں موجود ہے، اس کی بنیاد پر دیوبندیوں کا بائیکاٹ نہ کر دیا جائے، اس لیے انھوں نے برطانیہ میں اپنی کانفرنس غالباً بریڈ فورڈ میں کی جس میں ساٹھ سے زیادہ مندوب آئے، ان میں سے ہر ایک کو موضوع دے دیا گیا، جس کا مٹح نظر صرف یہ تھا کہ اہل سنت کی کتابوں کا مطالعہ کرو اور ان میں جو بھی اعتراض نکال سکتے ہو نکالو۔ یہ لوگ کچھ نہ کچھ جمع کر کے لائے۔ ہماری بہت ساری کتابوں کا انھوں نے مطالعہ کیا اور ان کے اندر اعتراضات پیدا کیے اور وہ سب جمع کر کے انھوں نے ایک شخص کو دے دیے۔ اس نے اسے کتابی شکل دے دی، جسے بہت پھیلا کر کئی جلدوں میں شائع کیا۔

ان اعتراضات کو دیکھ کر خود وہ تاثر لکھتا ہے کہ لوگ یہ تاثر لے کر گئے کہ بریلویت پر بھی اعتراض ہے اور دیوبندیت پر بھی اعتراض ہے۔ دونوں پر اعتراض ہیں، پتہ نہیں کون صحیح ہے کون صحیح نہیں ہے۔ تو انھوں نے خود کو بچانے کے لیے یہ تدبیر آج سے تقریباً چالیس سال پہلے شروع کی تھی اور وہ جاری ہے۔ ان کے اندر باہمی تعاون کا جذبہ بھی ایسا ہے کہ الگ الگ افراد محنت کر رہے ہیں اور مواد جمع کر کے ایک شخص کو دیتے جا رہے ہیں اور وہ اپنے نام سے اس کو چھاپتا جا رہا ہے۔

ہمارے اندر اس کے مقابلے میں کوئی جماعت تیار نہیں ہوئی جو ان کے نئے عقائد کو پاپرانے عقائد کو نئی پرانی کتابوں سے چھانٹ کر لائے اور ان کے حالات کو واضح کرے اور خاص طور سے مسلمانوں کو بتائے کہ ان کے جو پہلے کے عقائد ہیں ان کی بنیاد پر یہ دین سے بالکل باہر ہو چکے ہیں۔ اور ان کی دوسری چھوٹی بڑی غلطیاں مزید برآں ہیں۔ تو ایک طرف کام بھی ہے،



جذبہ تعاون بھی ہے، دوسری طرف کام میں کمی بھی ہے اور جذبہ تعاون کا فقدان بھی ہے۔ مزید برآں ہماری حالت یہ ہے کہ اندرونی انتشار و اختلاف اور ایک دوسرے کے اوپر طعن و تشنیع اور ایک دوسرے کے اوپر اعتراض اسی میں بہت ساری توانائیاں برباد ہو رہی ہیں، جب کہ ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے کی نیک اور محمود کوششوں کی حوصلہ افزائی کریں، جو ہو سکے تعاون کریں یا کم از کم خاموش ہی رہیں۔

کئی محاذ خالی ہیں، جیسے سیاسی محاذ، یہ تو بالکل ہی خالی ہے۔ جب کہ آزادی کے پہلے سے دوسرے لوگ اس محاذ پر لگے ہوئے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ہم کچھ افراد کو اس میدان میں بھی اتاریں تاکہ ملکی پیمانے پر ہماری ایک آواز ہے۔ اسی طرح تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی بہت سارے ابواب کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے، جب کہ وہ روز افزوں اضافہ کر رہے ہیں۔ مثلاً علم حدیث کی کسی کتاب مثلاً بخاری مسلم وغیرہ اور ان کی شرحیں آدمی جب پڑھتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری شرح بھی ہے تو اسے حاصل کر کے اسے پڑھتا ہے، جس کی وجہ سے شارح سے متعارف ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شارح کو کم از کم ایک محدث کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے اور اس کے اندر جو عقائد اس نے داخل کر دیے ہیں ان میں سے کچھ کو سمجھتا ہے کچھ کو نہیں سمجھتا ہے۔ لیکن کم از کم حدیث کے میدان میں اس کی خدمت کا اعتراف کرتا ہے۔ سو سال کا تقریباً ایسا عرصہ گزرا ہے جس میں ہماری طرف سے ایسی کوششیں بہت کم ہوئیں جب کہ اگر ہماری کوششیں بھی ہوتیں تو ہمارے علما بھی پوری دنیا میں متعارف ہوتے۔

آج بھی وقت ہاتھ سے گیا نہیں ہے، آج بھی اس طرح کی کوششیں کرنا

ضروری ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے بزرگوں سے کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن ان سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس طرح سے جو جماعتیں، جو تنظیمیں، جو افراد کام کر رہے ہیں، وہ ان کی قدر کریں۔ پہلا طریقہ تو یہی تھا کہ خود یہ حضرات، جماعتیں، تنظیمیں یا افراد مقرر کر دیتے اور کام ان کے سپرد کر دیتے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کام کرنے والے افراد کی مدد کرتے، ان کی ہمت افزائی کرتے۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ جو جماعتیں کام کر رہی ہیں ان کا ذکر خیر کرتے یا کم از کم ان کی بدگوائی سے باز رہتے۔ یہ فریضہ بزرگوں پر عائد ہوتا ہے اور خود علما کی حیثیت سے تمام علما پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آج غیر مقلدیت سعودی عرب کی مدد کی وجہ سے اور زیادہ بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے، یہ لوگ مسلمانوں کی آبادیوں میں پہنچ کر، مسلمان طلبہ کے پاس پہنچ کر، کالجوں میں، اسکولوں مدرسوں میں اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں اور بڑی تیزی سے ان کا ذہن مسموم کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جماعت ہی کے بعض افراد نے امام اعظم کانفرنس بمبئی میں منعقد کی جس کی سرپرستی امین ملت نے کی تو پوری جماعت کا یہ شعوری فریضہ تھا کہ وہ صاف طور سے سمجھ لیتی کہ غیر مقلدیت کے پھیلاؤ کا یہ ایک جواب ہے اور اس صورت میں حقیقت اور اہل سنت کو متعارف کرانا مقصود ہے۔

غیر مقلدوں نے تو یہ سمجھ لیا کہ امام اعظم کانفرنس سراسر ہمارے اوپر اٹیک ہے اور ہم پر حملہ کرنے کے لیے اسے منعقد کیا گیا ہے، لیکن سنیوں میں سے بہت سے لوگوں نے نہیں سمجھا۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام اعظم کانفرنس اعلیٰ حضرت کو ڈاؤن کرنے کے لیے ہے۔ یعنی امام اعظم اور اعلیٰ حضرت برابر کے تھے، گویا ہم نے امام اعظم کو چھوڑ کر امام شافعی کو مان لیا۔ یا امام شافعی کو

چھوڑ کر امام اعظم پر آگئے۔ [حالاں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ زندگی بھر امام اعظم کے مقلد، ان کے خرمن فیض سے خوشہ چیں اور ان کے مذہب کے زبردست حامی و مبلغ رہے۔ ساتھ ہی دیگر ائمہ کی عظمت اور بارگاہِ الہی میں ان کی مقبولیت کے بھی قائل رہے۔]

ایسے مرض کا علاج کم از کم جو اہل علم ہیں، وہ کر سکتے ہیں اور ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اس طرح کے خیالات کو بڑھاوا دینے سے جماعت کی توانائیاں برباد ہوتی ہیں۔ جس جماعت کو بہت سارے محاذوں پر کام کرنا تھا، اس کے سپاہیوں کو بہت سارے محاذوں پر اترنا تھا، وہ آپس میں ہی دست و گریبان ہو رہے ہیں تو آگے کوئی کام کیسے انجام دیا جاسکتا ہے۔ آج ہماری ذمہ داری ہے کہ ہر فتنے کے سدباب کے لیے پورے طور پر تیار ہو جائیں۔ دیوبندیت اور غیر مقلدیت مختلف حیلوں سے، مختلف طریقوں سے بڑھ رہی ہے۔ اس سے زیادہ یا کم از کم اس کے برابر طریقے اور تدابیر ہمارے پاس ہوں گی تو ہم ان کا جواب دے پائیں گے اور اپنے لوگوں کے تحفظ کا سامان کر سکیں گے۔

سیاسی میدان میں ہمارا کہیں ذکر نہیں آتا، اس کے پیش نظر علامہ فضل حق خیر آبادی کا ذکر آیا۔ ان کے وصال کے ڈیڑھ سو سال پورے ہونے کی مناسبت سے مولانا یلین اختر مصباحی کے ذریعہ کافی جگہوں میں کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور غیروں نے اس کا اثر محسوس کیا کہ یہ جنگِ آزادی کا سہرا ایک سنی کے سر پر باندھ رہے ہیں، ایک جماعت ایسی بھی تھی جو علامہ فضل حق خیر آبادی سے اپنا سلسلہ تلمذ جوڑتی تھی، وہ حیرت زدہ اس بات پر ہے کہ یہ ہم پر سبقت کیسے لے گئے۔ دوسری جماعت جو مخالف تھی وہ پہلے ہی اس کو نظرِ بد سے دیکھتی تھی۔ لیکن پہلی جماعت کی حیرت اور دوسری جماعت کی بد نظری ہمارے لیے تعجب کی بات نہیں۔ یہ تو ہونا ہی تھا اس لیے کہ انھوں نے سب

سے پہلے اسماعیل دہلوی کا رد کیا اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ لکھا۔ جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت نے ان کے فرزند مولانا عبدالحق خیر آبادی سے فرمایا: ہندوستان میں وہابیت کا رد کرنے والے سب سے پہلے شخص آپ کے والد ماجد ہیں۔ تو جس نے وہابیت کا سب سے پہلے رد کیا اس کی تعریف و توصیف سے تمام اہل سنت کو مسرت اور خوشی ہونی چاہیے، لیکن کچھ لوگوں کو خوشی ہو رہی ہے اور کچھ لوگوں کو غم ستا رہا ہے۔ جب کہ یہ سب کے لیے ایک خوشی کا موقع تھا۔ اور بھی ہمارے افراد ہیں جو جنگ آزادی میں بہت نمایاں طور پر شریک رہے اور ان پر باقاعدہ مولانا یسین اختر مصباحی صاحب نے کتاب بھی لکھی ہے۔ ضروری تھا کہ ہم ان تمام شخصیات کو عام کرنے کی کوشش کرتے، لیکن اگر ایک ہی شخصیت کو لیا گیا ہے تو وہ بھی عقلاے جماعت کے اوپر بھاری ہو رہی ہے۔

غیروں کی مساعی اور تگ و دو کتنی زیادہ ہو رہی ہے اور کس کثرت سے ہمارے لوگ ہمارے ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں، اس کی کوئی فکر نہیں ہے اور اگر کچھ لوگ اپنے طور پر اپنے لوگوں کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بزرگوں سے لوگوں کو متعارف کرانا چاہتے ہیں تو یہ بھی گوارا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری جماعت معطل ہو کر بیٹھ رہے تو یہ بہتر ہے اور بھیڑیے جیسے چاہیں بکریوں کو کھا جائیں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم صحیح طور سے مسلک کی، مذہب کی اشاعت کریں، خدمت کریں اور یہ سمجھ لینا کہ جہاں علامہ فضل حق خیر آبادی کا نام آگیا تو اعلیٰ حضرت سے انحراف ہو گیا، اور حضرت بحر العلوم فرنگی محلی کا نام آگیا تو بھی انحراف ہو گیا، شاہ ولی اللہ کا نام آگیا تو بھی انحراف ہو گیا، یہاں تک کہ امام اعظم کا نام آگیا تو بھی انحراف ہو گیا۔ اس طرح کی فکر کم از کم اہل علم میں نہیں ہونی

چاہیے۔ اور اس بہار فکر کا علاج کرنا، اس کا حل نکالنا پوری جماعت کی ذمہ داری ہے۔ جس طریقہ سے پوری جماعت کی ذمہ داری ہے کہ اہل سنت کو بچائیں اور غیروں کی دست برد سے ان کو محفوظ رکھیں، یہ بھی ہمارا مذہبی فریضہ ہوتا ہے۔

جامعہ البرکات میں آپ نے دیکھا کہ کتنے شعبے کھولے گئے اور کتنے ادارے قائم کیے گئے اور ان سب سے مسلمانوں کو عمومی طور پر فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو آج تمام میدانوں میں آنے کی ضرورت ہے۔ ایک فکریہ ہے کہ جماعت کی ضرورتوں کی تکمیل کی جائے اور مسلمانوں کو خود کفیل بنایا جائے کہ یہ دوسروں کے دست نگر نہ رہیں اور دوسری فکریہ ہے کہ ہماری تو کچھ ذمہ داری ہی نہیں اور ہم کو کرنا کچھ نہیں ہے۔ جماعت کی ضروریات کا احساس کیا جائے اور اس کی تکمیل کے لیے پیش قدمی کی جائے تو یہی صحیح فرض منصبی کی ادائیگی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے تو کم از کم اتنا ہونا چاہیے کہ اجتماعی یا انفرادی طور پر جو لوگ جس طرح کی خدمتیں انجام دے رہے ہیں، جن سے اہل سنت کا فائدہ ہو رہا ہے، تو ان کے لیے دو کلمہ خیر ہی استعمال کریں۔ یہ بھی اگر نہیں ہو سکتا ہے تو کم از کم اتنا ہونا چاہیے کہ ان کی مخالفت سے، ان کی حوصلہ شکنی سے باز رہیں، ورنہ یہ صرف ان حضرات کی حوصلہ شکنی نہیں ہے، بلکہ پوری جماعت کو ہلاکت کے دہانے پر ڈال دینا ہے، کیوں کہ جماعت جب کام کرنے والے افراد سے منسلک نہیں رہ جائے گی تو وہ مغلوب ہو کر دوسروں کا شکار بن جائے گی۔

اس بات کو سمجھنا اور سوچنا ضروری ہے اور ملت کو غیروں سے محفوظ رکھنا یہ ہم سب کی منصبی ذمہ داری ہوتی ہے، چوں کہ آپ حضرات علمائے کرام

ہیں اور مختلف مقامات سے مختلف علاقوں سے وابستہ ہیں، اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس فکر کو عام کریں کہ غیروں کا حملہ ہمارے اوپر کس قدر ہو رہا ہے، اور اس کے مقابلے میں ہم کیا کیا کر سکتے ہیں۔ آپ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ رہے ہوں گے۔ اور ایسے بہت سے طریقے جانتے ہوں گے جن سے مذہبِ حق کا مقامی، ملکی اور عالمی پیمانے پر فروغ ہو سکتا ہے۔

جو حضرات بھی اس طرح کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ بہر حال ہماری طرف سے مبارک باد کے قابل ہیں اور اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ ہماری فکر مثبت ہونی چاہیے۔ منفی فکر اور جمود و تعطل کا ماحول ختم ہونا چاہیے، ورنہ ہماری جماعت جتنے خطرناک موڑ پر ہے بس خدا ہی حافظ ہے۔

## مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے اکیسویں فقہی سیمینار

(منعقدہ: پونہ شہر، بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷ صفر ۱۴۳۵ھ / ۱۹/۲۰/۲۱ دسمبر ۲۰۱۳ء  
باہتمام: دارالعلوم قادریہ، پونہ، مہاراشٹر) کا خطبہٴ صدارت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ  
حضرات! یہ دارالعلوم قادریہ پونہ کے زیر اہتمام مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ  
مبارک پور کا اکیسواں فقہی سیمینار ہے جو مہاراشٹر کے مشہور شہر ”پونہ“ کی سرزمین پر  
منعقد ہو رہا ہے۔ میں اس سیمینار میں آپ حضرات کی تشریف آوری پر خیر مقدم کرتا  
ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے قدم مہمون سے ہمیں ممنون فرمایا۔ یہی  
نہیں بلکہ چند ماہ قبل جب مجلس شرعی کے سوالات آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے  
اپنی دیگر علمی، دینی اور ذاتی و خانگی مصروفیات سے ان سوالات کے جوابات تیار کرنے  
کے لیے اپنا قیمتی اور اہم وقت نکالا، اور حل تک رسائی کے لیے حسب وسعت سعی بلیغ  
فرمائی اور اب اس بحث و مذاکرہ میں بھی حصہ لے کر مسائل کو روشن و منفتح اور فیصل کرنے  
کے لیے اپنی فکری و علمی توانائیاں صرف کریں گے۔ یہ ساری مساعی جمیلہ ہمارے لیے  
مزید تشکر و امتنان اور قلبی مسرت و اطمینان کا بہتت افزا سامان ہیں۔ رب کریم سب کو اپنی  
جزائے فراواں اور نعمتہاے بے پایاں سے نوازے۔ آمین یا اکریم الاکریمین۔

دوسری طرف ہم دارالعلوم قادریہ کے صدر مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری  
مقیم افریقہ، ناظم اعلیٰ مولانا ایاز احمد مصباحی اور دیگر ارکان و معاونین اور مجاہدین و مخلصین  
کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اکیسویں فقہی سیمینار کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اس راہ  
میں جامعہ اشرفیہ کو اپنے پیش بہ تعاون سے نوازا اور اس علمی و فقہی کارواں کی راحت و

ضیافت کے لیے اپنی قربانیاں پیش کیں۔ یقیناً یہ حضرات اپنی سعادت اور علم و علما سے والہانہ محبت کے باعث آپ کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔ رب جلیل انھیں دارین کی فیروز مندھیوں سے سرفراز بنائے۔

**حضرات! مجلس شرعی کے مذاکرات کی یہ دیرینہ روایت ہے کہ اس میں ہر صاحب علم کو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کھل کر بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔** ایک مندوب نے کوئی رائے پیش کی اور دوسرے کو اس سے اختلاف ہے تو وہ برملا اس کا اظہار کرتا ہے۔ ایک نے کوئی دلیل یا کوئی عبارت اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کی اور دوسرے کی نظر میں اس کے خلاف کوئی دلیل یا کوئی عبارت ہے تو وہ اسے سامنے لاتا ہے، کسی نے کوئی نظریہ پیش کیا جس کی دلیل لوگوں کی نظر میں نہیں تو اس سے دلیل کا مطالبہ ہوتا ہے۔ میں کئی سال پہلے اپنے ایک مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اسباب ستہ سے متعلق مذاکرات میں ایک بار فقہائے کرام کے ارشاد ”الحاجة قد تنزل منزلة الضرورة“ پر یہ سوال ہوا کہ وہ کون سے مواقع ہیں جہاں حاجت بمنزلہ ضرورت قرار پاتی ہے؟ بہت سے لوگوں نے جواب دینے کی کوشش کی مگر ہر جواب پر اعتراض وارد ہوتا رہا۔ کافی دیر کے بعد نائب مفتی اعظم ہند حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنچے ٹلے جامع و مانع الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔ اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہو سکا مگر خاص طور سے نوجوان مندوبین کی جانب سے بیک زبان اس کا مطالبہ ہونے لگا کہ حضرت! اس پر کوئی حوالہ پیش فرمائیں۔ یہ نوجوان علما حضرت شارح بخاری کے تلامذہ کے تلامذہ کی صف میں آتے تھے اور ان کے علمی پوتوں کی حیثیت رکھتے تھے مگر وہ حضرت سے مرعوب ہو کر خاموش نہ رہے اور نہ حضرت نے اپنی لمبی عمر اور طویل فقہی تجربات کا حوالہ دے کر انھیں خاموش کرنے کی کوشش کی بلکہ فرمایا کہ ”مجھے خوشی ہے کہ مجھ سن رسیدہ سے آپ لوگ مرعوب نہ ہوئے اور مجھ سے بھی حوالے کا مطالبہ کر دیا۔ اس سے مجھے امید ہے کہ ہمارے بعد بھی آپ یہ



علمی و فقہی کام پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے اور کسی سے مرعوب ہو کر کوئی بے دلیل بات قبول نہ کریں گے۔“ جو حضرات مجلس شرعی کے سیمیناروں میں شریک ہوتے ہیں انہیں بخوبی معلوم ہے کہ آج بھی وہ روش برقرار ہے۔ سوالات اور اعتراضات کو سنجیدگی سے سنا جاتا ہے اور شافی حل نکالنے پر پوری کوشش صرف ہوتی ہے۔ رب جواد و منان و وہاب اس علمی و تحقیقی روش کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہر قسم کی نظر بد سے بچائے۔

ہمارے سیمیناروں میں شرکت کرنے والے حضرات کو معلوم ہے کہ جب کسی عنوان پر مقالات کی تلخیص پیش ہوتی ہے تو رایوں میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے۔ بعض اوقات دو مختلف رایوں میں سے ہر رائے پر دلیل کی قوت بھی نظر آتی ہے، تلخیص میں ہر رائے کو اس کی دلیل کے ساتھ پوری دیانت داری سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب سنجیدگی و متانت، اخلاص و حسن نیت اور دلائل و شواہد کی قوت کے ساتھ بحث ہوتی ہے تو رب کریم کا فضل عظیم شامل حال ہوتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قومی اور راجح دلیل کے باعث تمام مندوبین کا ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ درج کر لیا جاتا ہے۔

بالفرض کسی کو کوئی اختلاف ہو اور جوابات سے اس کی تشفی نہ ہو سکی تو اسے تصدیقی دستخط ثبت کرنے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ کسی سے اس بات کی گزارش نہیں ہوتی کہ ہماری رعایت میں اپنے موقف کے خلاف دستخط کر دیجیے۔

ایک دو نظیریں ایسی بھی ہیں کہ کسی رائے پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا تو اختلاف کی نشان دہی کے ساتھ فیصلہ درج کیا گیا۔ یہ بھی کسی جزئی فرعی رائے میں ہوا ورنہ اکثر مسائل بنیادی نقطہ نظر کے اعتبار سے شافی حل سے ہمکنار ہوئے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ ان فیصلوں کا مجموعہ جلد ہی اشاعت پذیر ہو گا جسے ملاحظہ فرمانے کے بعد اہل علم ان شرکائے مذاکرات کی تحقیقی کاوشوں کا مکمل نہیں تو کچھ اندازہ ضرور کر سکیں گے۔

رہے عوام تو وہ بھی اپنی ضرورتوں کا حل دریافت کر کے یقیناً مسرور ہوں گے۔  
**گذشتہ سال بیسواں فقہی سیمینار جامعۃ البرکات علی گڑھ کی سرزمین پر سرکار**  
 مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین برکاتی دام ظلہ کی  
 سرپرستی اور ان کے اعزہ کے اہتمام و انتظام میں منعقد ہوا، اس کے موضوعات یہ تھے:

۱ انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم

۲ عذر کے باعث طواف زیارت میں ایک یوم کی تاخیر

۳ جینٹل ٹیسٹ کا شرعی حکم

۴ دور حاضر میں چلتی ٹرین پر نماز کا حکم۔

ان موضوعات پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور مسائل اپنے دلائل کے ساتھ حل کی  
 منزل سے ہمکنار ہوئے جس سے علی گڑھ اور دیگر مقامات کی علمی فضا پر اچھا اثر قائم  
 ہوا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

**مگر کچھ اپنے ہی کرم فرماؤں نے اپنے خاص سنی حنفی بھائیوں کے بعض حساس**  
 حلقوں میں اس کا سخت منفی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی اور صرف چلتی ٹرین کا مسئلہ  
 ذکر کیا گیا بیسویں فقہی سیمینار میں نہ کوئی دوسرا موضوع زیر بحث آیا، نہ اُس پر کوئی فیصلہ  
 ہوا۔ اسی پر بس نہیں دیگر سیمیناروں میں جو فیصلے ہوئے انھیں بھی مبہم طور پر بے  
 وقعت اور ناقابل التفات جتانے کی سعی ناراوا، روارکھی گئی۔ اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو  
 الجامعۃ الاشرفیہ کے پورے وجود کو نشانہ بنایا گیا اور ممبئی و پور بندر کی سرزمین سے اس پر  
 علانیہ حملوں کا ”مجاہدانہ و بہادرانہ“ کارنامہ انجام دیا گیا۔ جس پر اہل سنت کو حیرت کے  
 ساتھ افسوس بھی ہے کہ وہ ادارہ جو ماضی کی طرح حال میں بھی دین و مسلک کی نمایاں اور  
 ممتاز خدمات انجام دینے میں منہمک ہے، جس کے فرزند آج بھی اہل باطل کے خلاف  
 ملک و بیرون ملک ہر جگہ سینہ سپر ہیں اسے یوں نشانہ بنانا کسی طرح درست نہیں۔ ہاں!  
 اس محاذ آرائی میں غیروں کے لیے مسرت و خوشی کا سامان ضرور ہے۔

**چلتی ٹرین کا مسئلہ** مجلس شرعی سے نشر شدہ دو کتابوں میں پوری علمی و تحقیقی متانت کے ساتھ بغیر کسی گالی گلوچ کے واضح کیا جا چکا ہے۔ (۱) فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے۔ (۲) چلتی ٹرین میں نماز کا حکم — اہل علم ان دونوں کا مطالعہ کر لیں، ان شاء اللہ پوری تشفی ہو جائے گی۔

اس کے بعد یہاں اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی مگر توضیح مزید کے لیے میں بھی اپنے الفاظ میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو رائیگاں نہ ہوگی۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نماز یا وضو و غسل سے رکاوٹ کی دو قسمیں ہیں: **ایک** وہ جو رب کی طرف سے ہو، **دوسری** وہ جو بندوں کی طرف سے ہو۔ **اول** میں جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لے اور بعد میں اعادہ نہیں۔ **دوم** میں جیسے ہو سکے ادا کر لے پھر جب رکاوٹ جاتی رہے تمام شرطوں کے ساتھ اعادہ کرے۔ یہ حکم فرض و واجب یا حق و واجب نمازوں کے لیے ہے۔

کتب فقہ میں بندوں کی جانب سے رکاوٹ کے تحت یہ مثالیں دی گئی ہیں:

(۱) کسی شخص کو کسی دشمن نے قید کر لیا اور وضو یا نماز کی مہلت نہیں دیتا۔

(۲) پانی پر دشمن ہے اور دھمکی دے چکا ہے کہ تم ادھر آئے تو قتل کر دوں گا یا ہاتھ پاؤں توڑ ڈالوں گا۔

(۳-۴) یا پانی سے وضو و غسل کرنے پر یا با وضو کو نماز پڑھنے پر اس طرح کی دھمکی دے رہا ہے اور نمازی کو غالب گمان ہے کہ دشمن جو کہ رہا ہے اسے گر گزرے گا تو ان حالتوں میں اسے حکم ہے کہ جیسے ہو سکے نماز ادا کر لے پھر بعد زوال مانع اعادہ کرے۔

اس مضمون کے فقہی جزئیات میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ کوئی شخص نمازی کو براہ راست نماز یا وضو و غسل سے روکنے والا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اس طرح کسی نمازی کو براہ راست نماز یا وضو و غسل سے روکے تو اس کے منع من جہۃ العبد ہونے میں کوئی

کلام نہیں، اور حکم وہی ہوگا کہ فی الحال جیسے ہو سکے ادا کر لے اور زوال مانع کے بعد اعادہ کرے۔

اب ریلوے نظام پر غور کریں تو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی:

۱ ابتدا میں یہ حال تھا کہ ٹرینوں میں پانی کا انتظام نہ ہوتا۔ بعد میں کچھ ٹرینوں میں انتظام رہنے لگا۔ اب تقریباً سبھی ٹرینوں میں پانی موجود ہوتا ہے۔ اس لیے وضو و غسل سے رکاوٹ جاتی رہی۔

۲ اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی علیہما الرحمہ کے زمانے میں بالعموم ٹرینوں کے اسٹاپ قریب قریب اور ٹھہرنے کے وقفے زیادہ تھے اس لیے محدث سورتی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مجھے سو بار سے زیادہ ٹرین سے سفر کا اتفاق ہوا، ایک اسٹیشن پر اتار کر وضو کر لیا، دوسرے اسٹیشن پر اتار کر نماز پڑھی، کبھی چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئی، خود امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے سفر ریل سے متعلق فرمایا: مجھے بڑے بڑے سفر کرنے پڑے اور بفضلہ تعالیٰ بیچ وقتہ جماعت سے نماز پڑھی (المفوظ اول ص ۵۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس زمانے کا حال یہ تھا کہ ذرا اہتمام کر لیا جائے تو ٹرین سے اتر کر باضابطہ زمین پر نماز کی ادائیگی میسر تھی۔

۳ اب یہ حال ہے کہ بہت سی ٹرینیں بعض نمازوں مثلاً عصر یا مغرب یا فجر کے پورے وقت میں ایک بار بھی نہیں رکتیں اور کبھی رکتی ہیں تو اس قدر کم کہ اتنے وقفے میں نماز کی ادائیگی نہیں ہو پاتی۔ اور اب چند سالوں سے کچھ ایسی ٹرینیں بھی چلی ہیں جو ظہر و عشا کے اوقات میں بھی نہیں رکتیں۔

۴ پہلے ریلوے نظام، حکومت نے پرائیویٹ کمپنیوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ انھوں نے ٹرینوں کے ٹھہرنے کے اوقات میں انگریزوں کے کھانے کی رعایت رکھی تھی۔ بعد میں یہ نظام جب حکومت نے خود اپنے ہاتھوں میں لیا تب بھی وقفہ طعام کی رعایت برقرار رہی۔ اب بیس سال یا زیادہ عرصے سے یہ حال ہے کہ ٹرینوں کے

ٹھہرنے میں کھانے کے اوقات کی خاص رعایت بالکل نہ رہی۔ رکتی ہیں تو سب کے لیے، نہیں رکتی ہیں تو کسی کے لیے نہیں۔

۵ یہ بات نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ ٹرین کا سفر صرف سفر ہی نہیں ایک عقد اجارہ پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو جانبین کے اختیار و عمل سے وجود میں آتا ہے۔ مسافر اس عقد میں مُسْتَجِر (مال دے کر فائدہ اٹھانے والا) ہوتا ہے اور محکمہ ریلوے مُوَجِّر (مال کے عوض فائدہ اور سہولت فراہم کرنے والا) ہوتا ہے۔ معقود علیہ (جس پر معاملہ طے ہوا) مقررہ منزل تک پہنچنا، پہنچانا ہوتا ہے۔

عقد اجارہ میں اُس کا اعتبار ہوتا ہے جو عاقدین کے درمیان طے ہوا اور کچھ اس کا جو معروف و معمول ہو، مثلاً کسی نے کوئی رکشہ یا کار تین کلومیٹر پر واقع کسی منزل تک جانے کے لیے چند روپے کے عوض طے کی، اس کے مطابق منزل تک رسائی ہوگئی تو سواری والا مقررہ اجرت کا بے نزاع و بے کم و کاست مستحق ہو گیا۔ لیکن گاڑی والا یا سوار اس مسافت کے درمیان کہیں ٹھہر جاتا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ ٹھہرنا کس وجہ سے اور کتنی دیر تک کا ہے۔ اگر عرف و تعامل کے تحت ہے یا کسی مانع ناگہانی کے باعث، عاقدین کے عمل دخل کے بغیر ہے تو اس میں اختلاف نہ ہوگا، مثلاً گاڑی والا یا سوار ایک دو منٹ کہیں پانی پینے، استنجا کرنے، یا کسی ضروری بات کرنے کے لیے رُک گیا تو اتنا وقفہ عرف حاضر کے لحاظ سے باعث نزاع نہ ہوگا۔ یا کسی مقام پر گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے روڈ جام ہو گیا یا ٹرانزپنجر ہو گیا یا اور کوئی خرابی پیدا ہوگئی جسے بنوانا پڑا اس لیے بہت دیر ہوگئی تو اس میں عاقدین ایک دوسرے کو الزام نہ دیں گے، ہاں باہمی رضامندی سے کسی طرح معاملہ فسخ کرنے کا اختیار رہے گا۔

لیکن تین کلومیٹر کی مسافت میں جانبین میں سے کوئی ایک پندرہ منٹ یا زیادہ ٹھہرتا ہے تو آج کے عرف و رواج کے اعتبار سے دوسرے کو اعتراض ضرور ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مقررہ کرایہ کم یا زیادہ کرنے کی بھی بات آجائے۔

گلے زمانے میں ٹرین کو نلے پانی سے چلتی تھی، ایندھن بنانے کی ضرورت کے باعث اس کے اسٹاپ بھی زیادہ ہوتے تھے۔ ان وقفوں سے مسافرین کا فائدہ بھی تھا، نقصان بھی۔ فائدہ یہ کہ وہ اسٹیشنوں پر اتر کر اپنی کم وقتی ضروریات پوری کر لیتے تھے اور کہیں لمبا وقفہ ہے تو لمبا کام بھی کر سکتے تھے۔ نقصان یہ کہ کثیر وقفوں کی وجہ سے ان کے سفر کی مدت طویل ہو جاتی تھی۔ مگر محکمہ ریلوے کی جانب سے ہر ٹرین کے اسٹاپ اور وقفے کی مدت کا باضابطہ اعلان رہتا تھا اور مسافر یہ سب جان کر کسی ٹرین کا سفر اختیار کرتا تھا اور اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ کسی آفت ناگہانی کی وجہ سے وقفہ دراز ہو گیا تو اسے نظر انداز کرتا تھا۔ یہ آج بھی ہے۔

وقت چوں کہ بڑی اہم اور قیمتی چیز ہے اس لیے محکمہ ریلوے نے مسافروں کو کم وقت میں منزل تک پہنچانے پر خاص توجہ صرف کی۔ برقی لائن اور طاقتور انجنوں کا انتظام ہوا، وقفے کم کیے گئے بلکہ ماضی قریب سے ایسی ٹرینیں بھی زیر عمل آئیں جن کا اسٹاپ دس گھنٹے، بیس گھنٹے، چالیس گھنٹے کے درمیان کہیں نہیں، بجز اس کے کہ خود ٹرین چلنے چلانے کے تحت کہیں کہیں وقفہ ہو — اور پوری مسافت سفر کے بعض حصوں میں ڈیڑھ گھنٹے، دو گھنٹے، تین گھنٹے تک نہ رکنے والی ٹرینیں تو ایک عرصے سے خاصی تعداد میں رواں دواں ہیں۔ اور مسافرین یہ سب جانتے ہوئے ان ٹرینوں کا سفر اختیار کرتے ہیں اور کم وقت میں اپنی منزل تک پہنچنے کا فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں وقت، فلاں مقام پر ٹرین نہ روک کر محکمہ ریلوے نے ہمارے عقد اجارہ میں خیانت کا ارتکاب کیا اور نماز کی راہ میں رکاوٹ بنا۔ ٹرین کے ابتدائی زمانے میں بھی صرف سفر اور منزل تک پہنچانے کے لیے پرائیویٹ کمپنیوں سے عقد اجارہ اور ٹکٹ لینا ہوتا تھا۔ اس عقد میں کبھی نہ مسلمانوں نے اوقات نماز میں ٹرین روکنے کی شرط رکھی، نہ کسی کمپنی کی منظوری کا مسئلہ درپیش ہوا۔ البتہ جتنے پر معاملہ رائج تھا کمپنیاں اس کی پابندی کرتی تھیں اور مسلمان بھی اس عرف و عمل کو جانتے ہوئے اپنے اختیار سے

ٹرینوں پر سفر کرتے تھے۔ ان کمپنیوں کی جانب سے عقد اجارہ کی کوئی خلاف ورزی نہ تھی، ہاں بے قصد و اختیار کسی آفت ناگہانی کا معاملہ الگ ہے جس سے مسافرین بھی صرف نظر کرتے تھے۔

شاید اسی لیے اُس دور کے بعض علمائے کمپنیوں کو اداے نماز سے مانع نہ قرار دیا اور مسافرین کے اس دانستہ سفر کو بھی ناجائز و محظور نہ ٹھہرایا، اگرچہ ٹرین کا سفر ترک کر کے دوسرا ذریعہ اختیار کرنا، یا بار بار ٹرینیں تبدیل کرنا ان کے لیے ممکن تھا، مگر یہ پابندی سخت حرج، مشقت اور دشواریوں پر مشتمل تھی، اس لیے کسی عالم نے ایسا کوئی حکم جاری نہ کیا اور بعض علماء کی ہوئی ٹرین کی طرح چلتی ٹرین پر نماز ادا کرنے میں کمپنیوں کی جانب سے کسی خلل اندازی اور منع من جہہ العبد کے قائل نہ ہوئے۔

البتہ امام اہل سنت قدس سرہ نے یہاں دقتِ نظر سے کام لیا۔ ایک طرف انھوں نے یہ دیکھا کہ ٹرینوں کے وقفے اتنی جلد اور اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ مسلمان اہتمام رکھے تو بآسانی ٹھہری ہوئی ٹرین پر پاپلیٹ فارم پر نماز ادا کر سکتا ہے اور جیسا کہ محدثِ سورتی قدس سرہ اور امام اہل سنت قدس سرہ نے بتایا چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئے گی مگر نادرا، مثلاً ٹرین رکنے کے وقت، ڈبے کے دروازوں، اندر کے راستوں اور سیٹوں کی درمیانی جگہوں میں واردین، صادرین کی وجہ سے ایسی بھیڑ ہے کہ باقاعدہ دو رکعت یا زیادہ ادا کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی اور آدمی تنہا ہے، پاپلیٹ فارم پر جا کے پڑھے تو سامان چوری ہونے یا ٹرین چھوٹنے کا اندیشہ ہے، سامان بھی ہلکا اور تھوڑا نہیں کہ بآسانی لے کر اتر جائے اور ٹرین رواں ہو جائے تو بعجلت سامان لے کر بآسانی سوار ہو جائے یا ٹرین چھوٹ جائے تو بھی سامان سے محروم نہ ہو۔ واقعہً و تقہر میل میں اداے نماز کی ایسی سخت دشواری یا سامان سے بالکل محرومی اُس دور میں شاذ، بلکہ ہمارے دور اول (کی اکثر ٹرینوں) میں بھی نادر تھی مگر بالکل ایسی صورت کے وقوع کی نفی بھی نہیں ہو سکتی۔

حالت نادرہ مذکورہ میں تو آدمی معذور ہے اور اس کے لیے بعد میں اعادے کا حکم بھی نہ ہوگا۔ مگر حالت عامہ میسرہ میں وہ رُکے ہوئی ٹرین یا پلیٹ فارم پر نماز نہیں پڑھتا اور چلتی ٹرین ہی پر پڑھنے کا منتظر رہتا ہے تو یہ اس کی بے اعتنائی و بے احتیاطی کی دلیل ہے اور اس کا حال محل نظر ہے۔

دوسری طرف امام اہل سنت قدس سرہ نے یہ ملاحظہ کیا کہ بیع یا اجارہ والی کمپنیاں کبھی اپنے معاملہ کرنے والوں کو کوئی نفع یا سہولت بھی دیتی ہیں اور اسے سب کے لیے عام رکھتی ہیں، یہ طریقہ جب مشہور و متعارف اور معمول ہو جاتا ہے تو عاقدین کے ذہن میں وہ بھی زیر عقد داخل شمار ہوتا ہے۔ اور اگر کمپنیاں معاوضہ تو سب سے یکساں لیں مگر سہولت کسی ایک قوم کے لیے خاص کر دیں تو یہ دوسروں کے ساتھ ان کی نائنصافی اور زیادتی شمار ہوگی۔

دور سابق میں یہ زیادتی ریل چلانے والی کمپنیوں کے معاملے کا جز تھی، ان کا عقد اجارہ اگرچہ صرف سفر کرانے اور منزل تک پہنچانے سے متعلق تھا مگر یکساں کرایہ لے کر انھوں نے جو سہولت وقفہ فراہم کی وہ انگریزوں کے کھانے سے خاص تھی، مسلمانوں کی نماز کے لیے باضابطہ اس کی فراہمی نہ تھی، ضمناً اُس وقت، یا کسی بھی وقفے میں نماز بھی ادا ہو جائے یہ الگ بات ہے۔ یہ تفریق اس بات کی دلیل ہوئی کہ ایک قوم کے کام کے لیے کمپنی نے وقفہ ریل کی سہولت فراہم کی اور دوسرے کے ایک اپنے دینی کام کی اس کے مقررہ ضابطے کے مطابق اداگی سے اپنی سہولت کو روکا۔ اس دلیل تفریق، اصل نامقبول اور ضابطہ دورخی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حسب ضابطہ نماز کی اداگی نہ ہونے میں اس کی نائنصافی کا عمل دخل ہے اور ضرور ہے اس لیے اس رکاوٹ کی اس کی جانب نسبت درست ہے اور اسے منع من جہۃ العبد شمار کرنا بجائے۔

مگر جب ایسی کوئی عملی تفریق نہ ہو اور سواری والے کا بے وقفہ اوقات نماز چلنا چلانا معلوم و معروف ہے اس کے باوجود مسافر اُس کے متبادل انتظام کی مشقتوں اور



دشواریوں کو دیکھ کر اسی سواری کو اختیار کرتا ہے اور سواری والا عقد اجارہ اور عرف و عادت کے مطابق اپنا کام پورا کرتا ہے تو بحالت استقرار اداے نماز میں اُس کی جانب سے کسی رکاوٹ کا دخل نہیں، نہ عقد اجارہ میں کوئی ناانصافی و خیانت، لہذا رُکاوٹ کی نسبت اُس کی جانب درست نہیں، ہاں اُس مستاجر کی جانب چاہیں تو کریں جس نے اچھی طرح جان بوجھ کر ایسی سواری کا سفر پسند کیا اور عمل میں لایا۔

میں ذرا وضاحت کر دوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں انگریزوں کے کھانے اور مسلمانوں کی نماز کے لحاظ سے ٹرین کے روکنے نہ روکنے کی چار صورتیں ذہن میں بنتی ہیں۔

- (۱) انگریزوں کے کھانے اور مسلمانوں کی نماز دونوں کے لیے روکنا۔
  - (۲) مسلمانوں کی نماز کے لیے روکنا، انگریزوں کے کھانے کے لیے نہ روکنا۔
  - (۳) انگریزوں کے کھانے کے لیے روکنا، مسلمانوں کی نماز کے لیے نہ روکنا۔
  - (۴) انگریزوں یا کسی کے کھانے اور مسلمانوں کی نماز دونوں کے لیے نہ روکنا۔
- پہلی صورت میں منع نماز کا کوئی مسئلہ نہیں، دوسری صورت میں بھی نماز سے رُکاوٹ کا کوئی مسئلہ نہیں، تیسری صورت میں تفریق و ناانصافی اور نماز کی ضروری سہولت کی نافرمانی کے باعث رُکاوٹ کی نسبت کمپنی یا محکمہ ریلوے کی جانب درست ہے۔

چوتھی صورت میں کوئی تفریق و جانب داری نہیں، عقد اجارہ میں بھی ایسی کوئی شرط مذکور و منظور نہیں، اور عمل در آمد بھی معلوم و معروف ہے، اور اسی حالت پر مسلم نے اپنا عقد، اداے نماز نہیں بلکہ مقام معین تک پہنچنے پہنچانے کے لیے کیا ہے اور محکمہ ریلوے اس عقد کی حتی المقدور تکمیل کرتا ہے اس لیے اس کی جانب نماز سے روکنے کی نسبت درست نہیں جیسے قافلے کے شتر بانوں کی جانب نماز سے روکنے کی نسبت درست نہیں اور بحالت معلومہ و معہودہ چلتے اونٹوں پر خفیوں کی نماز صحیح ہے اور

اعادے کی حاجت نہیں۔

پہلی دوسری صورت ایسی واضح ہے کہ عام مسلمان بھی اسے سمجھتا ہے اور اس کے ذکر کی کوئی حاجت بھی نہ تھی، تیسری صورت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں رائج تھی اس لیے اس کا ذکر اور اس کے حکم کا بیان ضروری تھا۔

چوتھی صورت اُس دور میں نہ تھی۔ بہت بعد کے زمانے میں پائی گئی اُس کی جانب اپنی عبارت سے اشارہ فرمادیا۔ فرماتے ہیں:

”انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہو اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے“<sup>(۱)</sup>

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ منع من جهة العبد ہونے کا حکم ریل کمپنیوں کے اسی ضابطہ نائنصافی کے بطن سے پیدا ہوا ہے کہ کرایہ تو کیسا لیا مگر ایک قوم کو اپنی فیاضی سے ایک سہولت عطا کی اور دوسری قوم کی اُس سے اہم ضرورت کے وقت اپنی عطا کا دروازہ بند کر لیا۔ یقیناً یہ ممانعت آل عباد اسی اصل تفریق سے متفرع ہے اور جہاں یہ تفریق نہیں، بندوں کی وہ ممانعت بھی نہیں۔

اسی بات کو کچھ اس طرح عرض کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فقیہ فقید المثل علیہ رحمۃ المتعال نے اپنے جامع الفاظ میں اخیر کی دونوں قسموں کا حکم بیان کر دیا — رائج صورت کا بطور منطوق، غیر رائج اور بہت بعد میں پیدا ہونے والی صورت کا حکم بطور مفہوم — اس لیے عصر حاضر کی چلتی ٹرینوں پر نماز کے جواز بلا اعادہ کا حکم خود فتاویٰ رضویہ سے ثابت ہے۔

افسوس کہ ہمارا یہ ایضاح و بیان ہمارے کچھ کرم فرماؤں کی نظر میں اتنا عظیم جرم ہے کہ وہ ہمیں اہل سنت و جماعت بلکہ اگر بس چلے تو اہل اسلام سے بھی خارج قرار دینے

(۱) فتاویٰ رضویہ ج ۳- ص ۴۴، رضا اکیڈمی، ممبئی

کے لیے اپنے تمام تر آلاتِ جوارح کے ساتھ پوری طرح کمر بستہ اور تیار ہیں۔ و فقہم  
اللہ و إيانا لما هو محبوب و مرضي لديه. و حفظنا و إياهم من  
جميع الشرور و الآفات ما ظهر منها و ما بطن.

۶ مطبوعہ خطبے میں فتاویٰ رضویہ کی عبارت مذکورہ کے بعد میرے الفاظ یہ تھے:

”منع من جهة العباد ہونے کی تفریح دوامروں پر ہے، انگریزوں کے  
کھانے کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر  
دونوں کے لیے ”نہ روکنا“ ہو تو منع من جهة العباد نہیں۔ صرف ایک امر  
کولینا اور دوسرے کو ساقط کر دینا کسی طرح قرین انصاف نہیں“

ان الفاظ کی مزید توضیح و تفہیم میرے اوپر والے بیان میں آگئی۔ واللہ

الموفق۔

اس سے زیادہ واضح اور متفق علیہ مسئلہ شتر بانوں کے قافلے کا ہے۔ وہ اونٹوں کو  
ایک بار دوپہر میں روکتے، دوسری بار رات کو نصف شب کے قریب روکتے۔ حنیفوں کو  
عصر و مغرب سواری سے اتر کر پٹھنے کا موقع نہ ملتا۔ انھیں حکم ہوا کہ چلتی سواری پر نماز  
پڑھ لیں اور اعادے کی حاجت نہیں۔ اس لیے کہ سارے شتر بانوں کا مقررہ قاعدہ  
صرف دو بار رکنے کا تھا جس کی وہ پابندی کرتے۔ شتر بان سب بندے تھے، ہر ایک کو  
عصر و مغرب کے اوقات میں اپنا اونٹ روکنے کا پورا اختیار تھا، ان کے اوپر حکومت یا  
حکومت کے کسی محکمے کی جانب سے کوئی پابندی نہ تھی، نہ کسی جرمانے یا جیل جانے کا کوئی  
خطرہ، بس وہ اپنے مقررہ ضابطے کے باعث مذکورہ اوقات میں سواریاں نہ روکتے۔ یہ نہ  
روکنا ان بندوں کا اپنا مصنوعی اور اختیاری عمل تھا اس لیے اسے منع من جهة العباد قرار  
دے کر سواری پر ادا کی ہوئی نماز کے اعادے کا حکم ہو سکتا تھا مگر نہ ہو حالانکہ اس  
سواری پر صرف استقرار علی الارض اور اتحاد مکان کی شرط ہی فوت نہ ہوتی تھی، کئی رکن  
اور فرض بھی فوت ہوتے تھے یعنی قیام، رکوع، سجود بروجہ معروف ادا نہ ہوتے جب کہ

چلتی ٹرین میں قیام، رکوع، سجود، قومہ وغیرہ بروجہ معروف ادا ہو جاتے ہیں۔ شرط کے ساتھ مذکورہ فرائض فوت ہونے کا تقاضا تو اور سخت تھا کہ اونٹوں پر بروجہ ممکن نماز ادا کرنے کے بعد اعادہ کا حکم ضرور ہو۔ اگر کہا جائے کہ مسافر کو تنہا ترنہ میں جان و مال کے ضیاع کا اندیشہ تھا اس لیے یہ منع من جہۃ العبادتہ قرار پایا تو ہم کہیں گے کہ یہ خطرہ بھی تو ان شتر بانوں کے سواریاں نہ روکنے ہی کی پیداوار ہے اس لیے اس کی نسبت بھی بندوں ہی کی طرف ہونی چاہیے۔

احقر کو خوشی ہے کہ شتر بانوں کے قافلے کی مثال پر تا حد وسع، رد و قدح کے باوجود یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ:

”شتر بانوں نے یہ قاعدہ خود اپنی جانوں اور مسافروں کی حفاظت کو مد نظر رکھتے ہوئے طے کیا کہ پُر خطر راستوں کو اجتماعی قافلے کی صورت میں طے کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ قافلہ منتشر ہو جائے کہ اس صورت میں جان و مال کا اندیشہ تھا۔ تو یہ خوف جس طرح چند افراد کے حق میں تھا اسی طرح پورے قافلے کو یہ خوف تھا۔ لہذا انھوں نے یہ طے کیا کہ ایک بڑی جماعت اکٹھا ہو کر سفر کرے۔ بالجملہ یہ صورت بھی صورتِ عذر ہے جس کی رو سے چلتے ہوئے دابہ (چوپایہ) پر نماز فرض جائز ہے۔“

اس اعتراف کے بعد راقم ناتواں بہت سارے بارہاے جواب سے سبک دوش ہو گیا۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اونٹوں کے سفر میں خوفِ جان و مال کا مدد او بڑی جماعت کا اجتماعی سفر ہے۔ اب عرض ہے کہ اوقات نماز میں ایک یا چند افراد کو پیش آنے والے خوفِ جان و مال کا درماں بھی اجتماعی وقوف ہے جس سے حنیفوں کی جماعت محروم ہے اور اجتماعی وقوف سے مانع سارے شتر بان ہیں جو خالص بندے ہیں اور حنیفوں کی عصر و مغرب بروجہ معروف ادا ہونے سے اپنے اجتماعی عدم وقوف کی بنا پر مانع ہیں اس لیے اونٹوں پر ادا کی ہوئی نماز حنیفہ میں منع من جہۃ العبادتہ شامل ہے اور اس کا حکم

یہی ہونا چاہیے کہ بحالتِ مجبوری ادا کر لیں اور بعد میں وجوباً اعادہ کریں۔ جیسے موجودہ ٹرینوں کے سفر میں یہ حکم دیا گیا کہ ”بحالتِ مجبوری ٹرین پر نماز ادا کر لیں اور بعد میں اعادہ واجب ہے اس لیے کہ ڈرائیور اور گارڈ سے لے کر وزارت ریلوے اور پارلیامنٹ تک سب بندے ہی بندے ہیں اور ان کے سبب جو رکاوٹ ہے وہ منع من جہت العباد ہے۔“

اور اگر دورِ شتربانی کا خوفِ جان و مال، جملہ افرادِ قافلہ کے بندے ہونے کے باوجود اور قافلہ نہ روک کر حنیفوں کو سواری پر اداے فرض کے لیے مجبور کرنے کے باوجود، معتبر ہے اور اس کے باعث فرض و واجب نماز سواری پر جائز بلا وجوبِ اعادہ ہے تو اس طرح کا خطرہ آج ٹرینوں سے اترنے میں بھی موجود ہے۔

کم از کم شقیقِ نفس۔ مال۔ کی بربادی، ریزرویشن ٹکٹ کا نقصان، وقت کا ضیاع، مقصدِ سفر کی ناکامی، یا مشکلات کی افزونی تو ضرور موجود ہے۔ لہذا اگر دورِ ماضی کا وہ خوف مان کر جواز بلا اعادہ کا حکم ہو تو آج کا خوف و نقصان بھی مان کر وہی حکم ہونا چاہیے۔ اور اگر اسے رد کر کے ٹرین ہی پر نماز پڑھو کر اعادہ کروانا ضروری ہے تو اونٹوں پر بھی نماز پڑھو کر اعادہ کا حکم ہونا چاہیے تھا۔

غور کیجیے تو وجہ یہی ہے کہ یہ ایک عقدِ اجارہ ہوتا تھا جس کے تحت صرف منزل تک پہنچنا، پہنچانا معقود علیہ ہوتا تھا۔ جملہ اوقاتِ نماز میں قافلہ روکنے کی شرط نہ مذکور ہوتی نہ معہود، حنیفوں کو معلوم تھا کہ یہ قافلے عصر و مغرب کے اوقات میں وقوف نہیں کرتے۔ مگر بالعموم انہیں اپنی پسند کا دوسرا ذریعہ سفر میسر نہ تھا، اس لیے جان بوجھ کر انہی اونٹوں کا سفر اختیار کرتے۔ نہ مُستحاجر یہ ضد کر سکتا تھا کہ میری نمازوں کے اوقات میں سارے بندے رکیں، نہ مُوجر اور باقی شتربان اس کے پابند ہوتے کہ اپنا معروف طریقہ چھوڑ کر ہر نماز کے وقت رکیں۔ قانونِ اجارہ کی رُو سے ان شتربانوں پر عقد و عہد کی خلاف ورزی کا جرم بھی عائد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مجرم قرار دے گا تو اسی مستحاجر کو جس

نے دانستہ ایسے قافلے میں سفر اختیار کیا جس میں اس کی نمازوں کے اوقات پر قافلہ ٹھہرانے کی کوئی رعایت نہیں۔

الغرض قافلہ شترباناں، اجتماعی وقوف پر بخوبی قدرت کے باوجود اسے عمل میں نہ لاتا جس کے باعث حنفی کو استقرار علی الارض، اتحاد مکان اور دیگر ارکان معروفہ کے ساتھ عصر و مغرب کی ادائیگی میسر نہ تھی، مگر اس رکاوٹ کی نسبت ان بندوں کی طرف نہ ہوئی اور نہ اسے منع من جہۃ العبد قرار دے کر اعادہ نماز کا حکم ہوا۔

**اب یہی حال ٹرینوں کا ہو چکا ہے** لوگ برق رفتار ٹرینوں کا سفر منزل تک جلد پہنچنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لیے مقررہ کرایہ ادا کرتے ہیں، جو بعض ٹرینوں اور بعض کلاسوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ محکمہ ریلوے بھی چاہتا ہے کہ مسافروں کو ان کی منزلوں تک جلد پہنچایا جائے اس لیے کہ اسی غرض سے وہ ہمیں کرایے کی رقم ادا کر رہے ہیں۔ کسی کو نماز یا دیگر ضروریات سے روکنا مقصود نہیں ہوتا۔ نہ وہ عقد اجارہ کی کسی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسے مسلسل شترانی سے شتربانوں کا مقصد حنیفوں کو نمازوں سے روکنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے مقررہ قاعدے کے مطابق منزل تک جلد پہنچانا ہوتا تھا اور حنفی مسافرین جان بوجھ کر ایسے قافلوں میں سفر کرتے تھے، تو اب ٹرینوں کے سفر میں بھی وہی حکم ہو گا جو اگلے زمانے میں اونٹوں پر سفر کا تھا۔ اب یہاں بھی اعادہ نماز کا حکم نہیں۔ اس مسئلے کو سیمینار میں واضح کر دیا گیا اور فتاویٰ رضویہ کا مفہوم بھی عیاں کر دیا گیا۔ غور کیجیے کہ چلتے اونٹوں پر نماز پڑھنے میں شرط کے ساتھ کئی کئی فرض فوت ہوتے تھے پھر بھی بشمول امام احمد رضا قدس سرہ فقہائے احناف نے جواز بلا اعادہ کا حکم دیا مگر ان کی پیروی کرتے ہوئے مجلس شرعی نے عصر حاضر کی ٹرینوں پر جواز بلا اعادہ کا حکم دیا تو ہمارے مہربانوں نے نہ صرف یہ کہ ”چلتی ٹرین“ بلکہ ”پوری ریلوے لائن“ سر پر اٹھالی اور یہ مسئلہ دار الافتاؤں اور دانش گاہوں سے نکال کر سخت ہنگامہ خیز حالت میں بازاروں، ہوٹلوں اور سڑکوں پر کھڑا کر دیا۔ فیلی اللہ

المشتکی۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ریلوے نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی، سو سال پہلے جو نظام تھا وہی آج بھی رائج ہے تو ریلوے نظام کا کوئی واقف کار اس دعوے پر اچھا تبصرہ کر سکتا ہے ہم تو سکوت ہی میں عافیت سمجھتے ہیں، الغرض اگر کوئی سمجھنے کے لیے آمادہ نہ ہو، یا سمجھ بوجھ کرنے مانے تو منوادینانہ ہماری ذمہ داری ہے نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی۔ مصرف القلوب رب العزت جلّ جلالہ ہے، و بیدہ أزمّة الأمور۔

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب آج کی برق رفتار ٹرینوں میں گل یا بعض نمازوں کی شرعی اداگی نہ ہونا بالکل یقینی ہے تو قصداً ان کا سفر اختیار کرنا جائز ہے یا سخت ناجائز و حرام؟ — ایسے سائلین کی کامل تفہیم و تشفی کی بھی فکر ہونی چاہیے۔

اونٹوں کے قافلے کا مسئلہ اور اس سے متعلق کتابوں کی عبارتیں مقالات اور بحثوں میں آچکی تھیں اور میں نے یہی سمجھا کہ یہ مسئلہ اہل علم میں معروف و مشہور ہے اس لیے کوئی عبارت نقل نہ کی۔ ماسبق میں جو تسلیم و اعتراف میں نے نقل کیا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ نقل عبارات کا محتاج نہیں۔

میرے بیان کو بغور پڑھنے والا یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں مطلقاً اور بلا عذر ہر چلتی سواری پر جواز فرض و واجب کا قائل نہیں کہ فتاویٰ رضویہ اور دیگر کتابوں کی وہ عبارتیں میرے خلاف حجت بنیں جن کا مضمون اور حاصل و مفاد کچھ اس طرح ہے کہ:

۱- آدمی اپنی سواری پر امن و بے خوفی کی حالت میں سفر کر رہا ہے، اونٹ یا گھوڑے یا دوسری سواری پر از خود سوار ہونے اور اترنے کی قدرت بھی رکھتا ہے، اترنے کے بعد بھی کسی دشمن یا درندے سے اسے کوئی خطرہ نہیں۔ راستہ پر امن ہے۔ وہ تمام ارکان و شرائط کی پابندی کے ساتھ زمین پر قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو فرض و واجب کی اداگی کے لیے اُس پر یہی لازم ہے کہ اتر کر بطریق معروف نماز ادا کرے۔ ایسا شخص اگر سواری پر فرض و واجب پڑھے تو نماز نہ ہوگی۔

۲- ہاں اگر عذر کی حالت ہے تو اس کا حکم الگ ہے۔ عذر اور خوف کے احوال و اقسام کے لحاظ سے اس کے احکام بھی تفصیلی ہیں۔ ان سب سے واقفیت کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کافی ہے۔

حجاج کو جدہ سے مکہ مکرمہ، مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے سفر میں اور عام مسافروں کو دوسرے بہت سے اسفار میں بے قافلہ سفر بڑا خطر تھا۔ اسی کا ذکر میں نے اپنے خطبے میں کیا ہے۔ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ یہ سفر عذر اور خوف و خطر سے خالی نہ ہوتا۔ تو میں نے جس رخصت اور جواز بلا اعادہ کا ذکر کیا ہے وہ ایسے ہی قافلہ جاتی سفر سے متعلق ہے۔ نہ کہ ہر سفر دابتہ سے متعلق۔ اگرچہ وہ عذر اور خوف و خطر سے یکسر خالی ہو۔ ایسے عموم کا کوئی اشارہ و کنایہ بھی میرے کلام میں کسی مقام پر نہیں۔ بالفرض کسی کو کہیں ایسا خیال گزرتا ہے تو وہ میری اس تصریح سے اُس کا ازالہ کر لے۔ واللہ الموفق لكل خیر۔

### بحث سے متعلق کچھ عبارات فقہا

لو صلی المكتوبة في البادية على الراحلة، والقافلة تسير، يجوز لأنه يخاف على نفسه و ثيابه لو نزل، لأن القافلة لا ينتظر ونه. (۱)

لو صلی المكتوبة في البادية على الراحلة، والقافلة تسير يجوز، لأنه يخاف على نفسه و ثيابه لو نزل، لأن القافلة لا تنتظره. (۲)

الفرض و الواجب بأنواعه لا تجوز على الدابة من غير عذر لعدم لزوم الحرج في النزول، و من الأعدار أن يخاف اللص أو السبع على نفسه أو ماله أو لم يقف له رفقاًؤه. (۳)

(۱) فتاوی تاتارخانیہ ۲/ص ۴۱

(۲) المحيط البرهاني في المذهب النعماني ۲/ص ۵۶ - و عنه في الهندية

(۳) غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر - ج ۱، ص ۲۵۲



المسافر إذا خاف اللصوص أو قطاع الطريق ولا ينتظره الرفقة  
جاز له تأخير الصلاة؛ لأنه بعذر، ولو صلى بهذا العذر بالإيماء وهو  
يسير جاز. <sup>(۱)</sup>

ما عدا النوافل من الفرض والواجب بأنواعه لا يصح على  
الدابة إلا لضرورة، كخوف لص على نفسه أو دابته أو ثيابه لو نزل، و  
خوف سبع و طين ونحوه... و الصلاة على المحمل الذي على الدابة  
كالصلاة عليها، فيؤمى عليها بشرط إيقافها جهة القبلة إن أمكنه، و  
إلا فبقدر الإمكان، و إذا كانت تسير لا تجوز الصلاة عليها إذا قدر  
على إيقافها، و إلا بأن كان خوفه من عدو، يصلي كيف قدر— كما في  
الإمداد وغيره— و لإعادة عليه إذا قدر، بمنزلة المريض— خانيه— <sup>(۲)</sup>  
امام احمد رضا قدس سره (بأن كان خوفه من عدو) کے تحت جد الممتار  
میں فرماتے ہیں: ”و من الأعدار ذهاب القافلة وانقطاعه عنها، كما مر في  
استقبال القبلة“ <sup>(۳)</sup>.

رد المحتار (مبحث استقبال القبلة) میں ہے:

فكما تجوز له الصلاة على الدابة ولو كانت فرضاً و تسقط عنه  
الأركان كذلك يسقط عنه التوجه إلى القبلة إذا لم يمكنه، و لا إعادة  
عليه إذا قدر. فيشترط في جميع ذلك عدم إمكان الاستقبال، و  
يشترط في الصلاة على الدابة إيقافها إن قدر، و إلا بأن خاف الضرر  
كأن تذهب القافلة و ينقطع فلا يلزمه إيقافها و لا استقبال القبلة كما

<sup>(۱)</sup> رد المحتار ۴۶/۲

<sup>(۲)</sup> رد المحتار ۴۸۸/۲

<sup>(۳)</sup> جد الممتار، ج ۱ / ۳۳۲- اشاعت المجمع الاسلامی مبارک پور

في الخلاصة و أوضحه في شرح المنية الكبير و الحلية .<sup>(۱)</sup>  
 کہا گیا کہ محکمہ ریلوے ٹرینوں کا نظام الاوقات بنانے اور اوقات نماز میں  
 ٹرینوں کو روکنے کے سلسلے میں خود مختار ہے مگر اوقات نماز میں نہ روکنے کے باعث وہ  
 مانع ہے اور یہ منع ”من جهة العباد“ ہے۔ اس لیے اعادہ واجب ہے۔  
 اولاً یہی بات شتربانوں سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ وہ ہر دس، پانچ میل کے  
 بعد یا کم از کم اوقات نماز میں اونٹوں کو روکنے کے سلسلے میں خود مختار ہیں، مگر اوقات نماز  
 میں نہ روکنے کے باعث وہ مانع ہیں اور یہ منع بھی ”من جهة العباد“ ہے اس لیے  
 چلتے اونٹوں کی پشت پر نماز ادا کرنے کے بعد اعادہ واجب ہے۔

اور یہ کہنا کہ ”قافلہ کسی سوار کو اتر کر نماز پڑھنے سے مانع نہیں ہے۔ نمازی اگر  
 چاہے تو اپنی سواری کو روک کر زمین پر اتر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔“ یہ دعویٰ عقل اور  
 عرف و عمل دونوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ قافلہ اونٹوں، ساربانوں اور سواروں  
 کے مجموعہ ہی کا نام ہے۔ الگ سے اس کا کوئی وجود خارجی نہیں۔ جیسے حکومت یا  
 محکمہ ریلوے متعلقہ افراد کی خاص ہیئت اجتماعی ہی کا نام ہے۔ جب قافلہ کے سارے  
 شتربان اپنے اپنے اونٹوں کو چلاتے رہیں تو نمازی کے لیے اتنا کیوں کر میسر ہوگا اور یہ  
 کہنا کہ ”ہر سوار یا خاص کوئی ایک نمازی اپنے اونٹ کو روک کر زمین پر اتر کر نماز پڑھ  
 سکتا ہے۔“ یہ دعویٰ بھی محض دعویٰ ہے۔ جب شتربانوں سے اوقات نماز میں اونٹوں کو  
 روکنے کی شرط نہ ہوئی اور مستاجر یعنی مسافر نے ان کے مقررہ دستور کو قبول کرتے ہوئے  
 معاملہ طے کیا ہے، پھر یہ چلتے اونٹ کو نماز کے لیے رکوانا چاہتا ہے تو مستاجر یعنی شتربان  
 اس کے مطالبے پر روکنے کا پابند نہیں اور مستاجر کا مطالبہ بھی عقد و عہد کی خلاف ورزی  
 ہے۔ اس لیے یہ صورت مسافر کے بس میں اور اس کے لیے میسرمان لینا محض ایک  
 مفروضہ یا امر اتفاقی ہے۔ امر اتفاقی یوں کہ کسی کا شتربان خلاف شرط و عہد محض رعایت

<sup>(۱)</sup> رد المحتار ، مبحث استقبال القبلة ، ۱۱۵ / ۲

اور ہمدردی کے تحت اس بات پر راضی و آمادہ ہو جائے کہ وہ اپنا اونٹ روک دے، سوار اتر جائے پھر شتریان اونٹ چلاتا رہے، سوار آگے بڑھ کر بعجلت نماز ادا کر لے پھر اور آگے بڑھ کر اونٹ کے پاس پہنچ جائے، پھر شتریان اپنے احسان اور رحم دلی کے تحت اونٹ بٹھا کر اس نمازی کو بٹھالے اور اپنے قافلے سے جا ملے۔

یہ ایک نادر اور اتفاقی صورت ہے جس پر فقہانے بنائے حکم نہ رکھی، نہ یہ بنائے حکم بننے کے قابل۔ ایسی نادر صورت تو بعض اوقات، بعض ٹرینوں میں، بعض مسافروں کے لیے بھی فرض کی جاسکتی ہے۔ مثلاً کسی اسٹیشن پر کسی ٹرین کا وقفہ صرف ایک دو منٹ ہے۔ کوئی شخص ایسا ہے جو چلتی ٹرین یا سلو (آہستہ) ٹرین سے اترنے اور اس پر چڑھنے کا مشاق ہے وہ پچیس سکنڈ پہلے اتر گیا اور نماز پڑھ کر جب ٹرین روانہ ہوئی تو پچیس سکنڈ بعد سوار ہو گیا۔ مہارت کی وجہ سے پچاس سکنڈ زیادہ اسے میسر آگئے۔ کیا اس نادر صورت کی بنیاد پر کوئی فقیہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ ایک منٹ وقفہ والی چلتی ٹرین شرط استنقرار سے مانع نہیں۔ ٹرین چلتی رہے تو بھی مسافر اتر سکتا ہے، ٹرین ٹھہر جائے مسافر نہ اترے یہ بھی ہو سکتا ہے، بلکہ اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ درمیان میں ٹرین رکتی ہے اور اکثر مسافرین نہیں اترتے۔ لہذا نماز کے لیے استنقرار کے معاملے میں ٹرین کے وقوف و عدم وقوف کا کوئی دخل نہیں۔ یہ مسافر کا اپنا اختیاری فعل ہے۔ ہر شخص کہے گا کہ ایسی نادر صورتوں سے حکم عام نکالنا کوئی فقہت نہیں۔

بہار شریعت حصہ ششم آداب سفر و مقدمات حج کے بیان میں ہے:

(۵۹) مکہ معظمہ سے جب مدینہ طیبہ کے لیے اونٹ کرایہ کریں تو ایک معلم کے جتنے حجاج ہیں وہ سب متفق ہو کر شرط کر لیں کہ نماز کے اوقات میں قافلہ ٹھہرانا ہوگا۔ اس صورت میں نماز جماعت کے ساتھ آسانی ادا کر سکیں گے۔ جب یہ شرط ہوگی تو اونٹ والوں کو وقت نماز میں قافلہ روکنا پڑے گا۔

اور اگر شرط نہ کی تو صرف مغرب کے لیے قافلہ روکیں گے باقی نمازوں کے لیے

نہیں۔ اور اس صورت میں یہ کرے کہ نماز پڑھنے کے وقت اونٹ سے کچھ آگے نکل جائے اور نماز ادا کر کے پھر شامل ہو جائے۔ اور قافلہ سے دور نہ ہو کہ اکثر خطرہ ہوتا ہے۔ یہ اسی صورت نادرہ کا بیان ہے جو بہ نظر خیر خواہی ذکر ہوئی تاکہ اگر کوئی اس پر عمل کی راہ پیدا کر سکتا ہو تو عمل کر لے۔ یہ مطلب نہیں کہ چلتے اونٹ سے چھلانگ لگا کر اتر جائے پھر آگے جا کر چلتے اونٹ پر جست لگا کر سوار ہو جائے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کے لیے اونٹ رکوا کر اتر لینا پھر اونٹ رکوا کر سوار ہو جانا میسر اور سہل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو عقد اجارہ میں روکنے کی شرط نہ ہونے کے باوجود ہر شخص پر فرض ہوتا کہ اسی آسان صورت پر عمل کرے۔ اس کی دلیل خود بہار شریعت کی یہ عبارت ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ”انور البشارة فی مسائل الحج والزیارة“ (۱۳۲۹ھ) سے منقول ہے:

(۶۰) سفر مدینہ طیبہ میں بعض مرتبہ قافلہ نہ ٹھہرنے کے باعث بہ مجبوری ظہر و عصر ملا کر پڑھنی ہوتی ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ اٹھ۔  
اگر سواری سے اتزنا، پھر زمین پر نماز ادا کر کے سوار ہو جانا ایک آسان عمل ہے تو مجبوری کیسی؟ اور اپنے مذہب کے مطابق آسان عمل کو چھوڑ کر مذہب غیر پر عمل کی اجازت چہ معنی؟

فتاویٰ رضویہ کی فیصلہ کن عبارت دیکھیے۔ فرماتے ہیں:

”جس قافلے میں یہ فقیر ۱۲۹۵ھ میں اپنے رب کے دربار سے اس کے حبیب کی سرکار میں حاضر ہوتا تھا۔ جل جلالہ و سبحانہ تعالیٰ۔ قافلہ بعد زوال ظہر و عصر پڑھ کر رواں ہوتا اور وقت مغرب خفیف قیام کرتا کہ لوگ مغرب و عشا کے فرض و وتر پڑھ لیتے۔ شافعیہ اپنے مذہب پر ایسا کرتے اور حنفیہ بہ ضرورت تقلید غیر پر عامل ہوتے کہ بحال ضرورت۔ ان شرائط پر کہ فقہ میں مفصل ہیں۔ ایسا روا ہے۔

مگر یہ فقیر بجز اللہ اپنے امام رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مذہب ہر نماز خاص اس کے وقت

مقرر رہی میں پڑھتا جس کی تعیین اللہ ورسول (جلّ و علا۔ و یشرفنا علیہم) نے فرمادی ہے۔ مجھے عصر و عشا کے لیے اترا پڑتا، قافلہ دور نکل جاتا، میں جلدی کر کے مل جاتا۔

قضاے حاجت کے لیے بھی لوگ اس خیال سے کہ قافلہ بعید نہ ہو جائے نزد یک ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھے یہ پسند نہ آتا اور دور کسی پیڑیا پہاڑ کی آڑ میں جاتا، اس میں بھی قافلہ دور نکل جاتا۔ دن کی تنہائیوں اور رات کی اندھیروں میں بارہا بدوی ملے، وہ مسلح تھے اور میں نہتّا، مگر کبھی سوا ”السلام علیکم وعلیکم السلام، مساکم اللہ بالخیر والسعادة، صبّحکم اللہ بالرضاء و النعمیم“ کے اصلاً کسی نے کوئی تعرض نہ کیا۔ واللہ الحمد۔<sup>(۱)</sup>

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ نے یہ خاص اپنا معمول ذکر کیا، دوسروں کے لیے اسے واجب یا آسان نہ بتایا، بلکہ ان کے لیے ضرورت اور مجبوری تسلیم کرتے ہوئے مذہب غیر اور تقلید غیر پر عمل روار کھا۔ حقیقت یہی ہے کہ نادر صورتوں کا نہ اعتبار ہوتا ہے نہ ان پر فقہ کے قواعد و احکام عامہ کی بنا ہوتی ہے۔

**ثانیاً** محکمہ ریلوے نے نان اسٹاپ ٹرین کا اعلان کر دیا، جلد منزل تک پہنچنے کے پیش نظر ساٹھ دن پہلے ہی مسلم و غیر مسلم مسافروں نے کرایہ دے کر ٹکٹ حاصل کر لیے، اور بعض نے وقت سفر سے ایک دن پہلے مقررہ زائد کرایہ دے کر ٹکٹ حاصل کیا۔ عقد میں مشروط اور عمل میں معہود یہی ہے کہ ٹرین کو مقررہ مسافت کے درمیان ناگہانی آفت و حاجت کے بغیر کہیں رکنہ نہیں ہے۔ اگر محکمہ اپنے اعلان، اپنے عقد اور عہد کے برخلاف ہر نماز کے وقت ٹرین روکتا چلے تو غیر مسلموں کو سخت اعتراض ہوگا اور نوبت زبردست احتجاج اور فتنہ و فساد تک پہنچ سکتی ہے۔ یوں ہی اگر محکمہ ٹرین تو سارے مسافروں کے لیے چلائے اور کرایہ بھی سب سے یکساں وصول کرے اور وقفات نماز میں خاص مسلمانوں کی رعایت کرے تو غیر مسلموں کو اعتراض ہوگا اور بعض

(۱) جلد چہارم، ص: ۶۷۲، سنی دارالاشاعت مبارک پور

متعصب اور سخت گیر افراد اسے کسی بڑے فتنہ و فساد کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں۔  
 ہاں! اگر مسلمان اپنے لیے کوئی ٹرین خاص کرالیں اور اس میں اوقات نماز میں  
 ٹرین روکنا مشروط و منظور ہو، پھر اگر محکمہ ان اوقات میں ٹرین نہ روکے تو وہ نماز سے  
 مانع، عہد و عقد کی خلاف ورزی اور سخت ظلم و زیادتی کا مرتکب ہے۔ مسلم نے مجبوراً اس  
 پر نماز ادا کر لی تو بعد استنقرار اعادہ ضروری ہے۔ مگر مروجہ صورت میں عقد و عہد کی خلاف  
 ورزی کرتے ہوئے اوقات نماز میں ٹرینوں کو روکنا اجارہ کے فقہی اور ملکی دونوں قانون  
 کے لحاظ سے محکمہ کے اختیار میں نہ رہا۔

اس لیے فتاویٰ رضویہ کی عبارت سے متعلق مانعین کے بیان کردہ مفہوم موافق  
 و مخالف کو مان کر بھی کہا جاسکتا ہے کہ مشروط و معہود اور عاقدین کے لیے منظور و مقبول  
 حالات کے تحت خلاف عقد و عہد ٹرینوں کو روکنا فتنہ و فساد کا باعث اور محکمہ کے اختیار  
 سے باہر ہے۔ اس لیے نہ یہاں منع ”من جهة العبد“ ثابت، نہ اعادہ نماز کا حکم  
 نافذ۔

جیسے زمانہ سابق میں راج شتر بانی دستور کے تحت سفر کرنے والوں پر چلتی سواریوں  
 پر نماز پڑھنے کے بعد اعادہ واجب نہیں اور جب عقد اجارہ میں ہر نماز کے وقت روکنے  
 کی شرط نہ ہوئی تو ان پر روکنا لازم بھی نہیں، نہ وہ اس کے سبب نماز سے مانع۔ ہاں! اگر  
 ان سے معاملہ یوں طے ہو جائے کہ ہر نماز کے وقت قافلہ روکنا ہے، پھر وہ نہ روکیں تو  
 ضرور وہ نماز کی شرط استنقرار سے مانع ہیں۔ اور بہ مجبوری کسی نے چلتی سواری پر نماز ادا کی تو  
 بعد استنقرار اس پر اعادہ بھی واجب ہے۔

خیال رہے کہ بحث یہ نہیں کہ حکومت اور وزارت ریلوے کے اختیار میں کیا ہے،  
 کیا نہیں ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر لمبی گفتگو ہو سکتی ہے۔ بحث صرف یہ  
 ہے کہ حکومت کے اعلان کردہ جس نظام اوقات اور اجرت کو قبول کر کے مسلم و غیر مسلم  
 سبھی مسافرین سفر کر رہے ہیں اس کی خلاف ورزی اب حکومت یا محکمہ کے اختیار میں رہ

گئی یا نہیں؟

ایک عام ہندوستانی بھی اسے اچھی طرح سمجھتا ہے کہ حکومت زور و شور کے ساتھ ایک معاملے کا اعلان کرے اور اس کے مطابق اجرت بھی اپنے خزانے میں ڈال لے مگر جب عمل کی باری آئے تو اس کے خلاف چلے۔ ایسی صورت میں سخت احتجاج اور زبردست فتنہ و فساد یقینی ہے جسے جھیلنے کی قوت کسی بھی امن پسند حکومت کے جسم میں نہیں ہے۔

واضح رہے کہ زیر بحث سفر اونٹوں کا ہو یا ٹرین کا، مسافر اسے اپنے قصد و اختیار سے اپناتا ہے اور ایک خاص عقد کے تحت انجام پاتا ہے۔ اس میں وہ نہ اس قیدی کی طرح ہے جس کا تصرف و اختیار دوسرے نے سلب کر رکھا ہے۔ نہ اس ریل سواری کی طرح ہے جس کے کوچ کا دروازہ کسی دوسرے نے بند کر رکھا ہے اور اس کلاس میں پانی نہیں۔ مسافر نہ کسی طرف سے نکلنے پر قادر، نہ پانی حاصل کرنے پر قادر۔ اس لیے مذکورہ قیدی اور مسافر دونوں کو تیمم سے اداے نماز کے بعد قدرت و اختیار کی حالت میں آنے پر امداد بھی واجب ہے کیوں کہ دونوں صورتوں میں دوسرے کسی بندے کی طرف سے رکاوٹ صاف موجود ہے۔

اسی طرح ٹرین یا اونٹ کا مسافر مذکور اس شخص کی طرح بھی نہیں جو کسی ایسے کوئین کے پاس لائن میں کھڑا ہے جہاں ایک ہی ڈول رسی ہے، لوگ باری باری پانی لے رہے ہیں اور یہ شخص دیکھ رہا ہے کہ میری باری آنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا۔ نہ اس شخص کی طرح ہے جو ایسے برہنہ لوگوں کی جماعت میں ہے جن کے پاس ایک ہی کپڑا ہے اور اسی کو باری باری پہن کر نماز پڑھنا ہے اور یہ شخص جانتا ہے کہ میری باری آنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا۔

نہ اس شخص کی طرح ہے جو ایسی تنگ کشتی یا کوٹھری میں ہے جہاں رکوع یا سجود یا قیام کی گنجائش نہیں، ان تینوں قسم کے افراد کے لیے منع نہیں۔ مگر صورت منع ”من

جہۃ العبد“ ہے اس لیے وقت کے اندر جیسے ہو سکے نماز ادا کر لیں بعد میں اعادہ کریں۔ کما فی الظفر لقول زفر للامام احمد رضا قدس سرہ۔  
ٹرین یا اونٹ کے مسافر کو ایسے مسلوب الاختیار افراد کی صف میں لانا صورت واقعہ سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتا اخلاص، انصاف اور فقہ و فقہانہت کے تقاضوں کو کام میں لانے کی ضرورت ہے۔ واللہ الموفق

مجلس شرعی کے سیمینار میں شریک ستر سے زائد علما و فقہانے جب خود فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں آج کی چلتی ٹرینوں پر فرض و واجب نمازوں کے جواز کا حکم سنا دیا تو بعض کرم فرماؤں کا غضب اس حد تک جوش زن ہوا کہ تمام مجوزین کو ناقابل امامت گمراہوں کے حکم میں داخل کر دیا۔ ایک فرعی مسئلے پر ایسا سخت حکم کسی سنجیدہ و ذی علم سنی کی سمجھ میں آنے والا نہ تھا اس لیے کسی دلیل کی جستجو ہوئی، بعد تلاش بسیار دو دعوے کیے گئے:

(۱) فرض نماز کے لیے "استقرار علی الارض" کی شرط اجماعی ہے۔

(۲) جو حکم کسی امر اجماعی پر متفرع ہو وہ بھی اجماعی ہوتا ہے۔

دوسرے دعوے کے ثبوت میں کوئی عبارت برائے نام بھی نہ دی گئی، پہلے دعوے کے ثبوت میں امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت پیش کی گئی:

فیه دلیل علی أن المكتوبة لا تجوز إلى غیر القبلة ولا علی الدابة، وهذا مجمع علیہ إلا فی شدة الخوف. <sup>(۱)</sup>

”اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ فرض نماز غیر قبلہ کی جانب اور دابہ (سواری کے جانور) پر جائز نہیں۔ یہ امر اجماعی ہے، مگر شدت خوف میں۔“

یہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا ایک ٹکڑا ہے اس سے متصلاً بعد کی پوری عبارت نظر انداز کر دی گئی، مگر راقم پوری عبارت مع ترجمہ آگے ذکر کرے گا۔ پہلے عبارت مسطورہ پر کلام ملاحظہ ہو:

(۱) شرح نووی بر صحیح مسلم، ج: اول، ص: ۲۴۴



اولاً یہ عبارت غیر حالت عذر سے متعلق ہے جس کی دلیل ”إِلَّا فِي شِدَّةِ الْخَوْفِ“ کی صراحت ہے۔ ہماری ساری بحث حالت عذر سے متعلق ہے، اس لیے اصل بحث سے یہ عبارت بالکل بے تعلق ہے۔ اور یہ کسی طرح ہمارے خلاف حجت نہیں۔ ہم نے کب یہ کہا کہ بلا عذر کسی چلتی سواری پر فرض نماز صحیح ہے؟

ثانیاً اگر اس عبارت کو زبردستی حالت عذر پر بھی منطبق کریں تو اجماع مذکور، نص قرآنی ”فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَاتًا“ کے خلاف ہوگا۔ احادیث اور فقہا کی صراحت بھی اس کے خلاف ہے۔ خود فقہائے حنفیہ اور امام احمد رضا قدس سرہ کی عبارتوں سے بحالت عذر چلتے اونٹوں پر نماز فرض کا جواز بے احتیاج اعادہ ثابت ہے۔ خود مانعین بھی اس کے قائل ہیں۔ کیا یہ سب حضرات بشمول جملہ مانعین اجماع کے مخالف اور ناقابل امامت ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پورے زور و شور کے ساتھ اس کا بھی اعلان کر دیں پھر دیکھ لیں کہ انجام کیا ہوتا ہے۔

ثالثاً امام نووی کی عبارت بالامیں ”استقرار علی الارض“ کے شرط ہونے کا کوئی ذکر بھی نہیں۔ شرط اجماعی ہونے کی صراحت تو بہت بعد کی چیز ہے۔

رابعاً امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کریں جس میں تحت رواں پر استقبال قبلہ اور اتمام ارکان کے ساتھ ادا شدہ فرض نماز کے صحیح و درست ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ اور اس سے تحت رواں کے مثل چلتی ٹرین پر ان کے نزدیک صحت نماز کا حکم بالکل واضح اور روشن ہے۔

کیا انھیں اپنا مذہب اور موقف بھی یاد نہ رہا، یا انھوں نے اپنا کلام بھی نہ سمجھا اور شرط اجماعی کے برخلاف تحت رواں پر نماز جائز و صحیح لکھ دی؟ اور کیا وہ بھی مانعین کے بیان کردہ اس قاعدہ کلیہ سے بے خبر تھے کہ ”حکم اجماعی پر متفرع امر بھی اجماعی ہوتا ہے“؟ عبارت یہ ہے:

وتصح الفريضة في السفينة الواقفة والجارية والزورق

المشدد و بطرف الساحل بلا خلاف إذا استقبل القبلة و أتم الأركان، فإن صلى كذلك في سرير يحمله رجال أو أزوجحة مشدودة بالحبال... ففي صحة فريضته وجهان، الأصح: الصحة كالسفينة، وبه قطع القاضي أبو الطيب. فقال في "باب موقف الإمام و المأموم" قال أصحابنا: لو كان يصلي على سرير فحمله رجال و ساروا به صحت صلاته. (۱)

(ترجمہ) ٹھہری ہوئی اور چلتی ہوئی کشتی پر اور ساحل سے بندھی ہوئی چھوٹی کشتی پر فرض نماز بغیر کسی اختلاف کے صحیح ہے بشرطے کہ استقبال قبلہ اور تمام ارکان ہو اگر اس طرح (یعنی بہ استقبال قبلہ و تمام ارکان) کسی ایسے تخت پر نماز ادا کی جسے چند آدمی اٹھائے ہوئے ہیں۔ یا ایسے جھولے پر جو رسیوں سے بندھا ہوا ہے تو اس کے فرض کی صحت سے متعلق دو وجہیں (دو قول) ہیں۔ اصح یہ ہے کہ کشتی کی طرح اس پر بھی فرض نماز صحیح ہے۔ قاضی ابو الطیب نے اسی پر جزم فرمایا۔ انھوں نے "باب موقف الامام و المأموم" میں لکھا: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اگر کسی تخت پر نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے کچھ لوگوں نے اٹھایا اور لے کر چلتے رہے تو اس کی نماز صحیح ہے۔"

مانعین کو اعتراف ہے کہ ٹھہری ہوئی ٹرین تخت کے مثل ہے تو چلتی ہوئی ٹرین تخت رواں کے مثل ضرور ہے۔ اور مذہب شافعیہ میں تخت رواں پر نماز صحیح ہے جب کہ استقبال قبلہ اور قیام و رکوع و سجود کی تکمیل ہو جاتی ہو، تو ان کے نزدیک چلتی ہوئی ٹرین پر بصورت مذکورہ صحت نماز میں کلام نہیں۔ معلوم نہیں وہ بھی اپنے ذکر کردہ اجماع کی مخالفت کے مرتکب ہوئے یا اس سخت جرم کا الزام رکھنے کے لیے صرف آج کے سنیوں حنفیوں کا سر خاص کر لیا گیا ہے؟

(۱) المجموع شرح المہذب، باب استقبال القبلة، ص: ۲۱۴، الجزء الثالث، دار الفکر، بیروت، لبنان

علاوہ ازیں خود شرح مسلم میں امام نووی کی پوری عبارت (جو مانعین کی منقولہ عبارت سے بالکل متصل ہے) پر غور کرتے تو اسی سے واضح ہو جاتا کہ ان کی عبارت ”وہذا مجمع علیہ“ میں ”ہذا“ کا مشارالیه ”استقرار علی الأرض“ نہیں۔ صحیح مسلم ”باب جواز صلاة النافلة علی الدابة فی السفر حیث تو جہت“ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث مروی ہے:

إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يصلّي سبحة حيث ما تو جہت به ناقتہ.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل نماز ادا فرماتے ناقتہ مبارک کا رخ جدھر بھی ہو۔

اس معنی کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ ان کے تحت پہلے امام نووی نے سفر میں چلتی سواری پر بے استقبال قبلہ اداے نفل کا جواز باجماع مسلمین بتایا ہے، پھر اپنے مذہب کے مطابق اس رخصت کی شرطیں لکھی ہیں۔ حدیث سے مستنبط ہوا تو صرف یہ کہ نفل نماز کے لیے ”استقبال قبلہ“ اور ”استقرار علی الارض“ شرط نہیں۔ پھر امام نووی نے اس پر اجماع مسلمین بتایا۔

اس کے بعد امام نووی کی پوری عبارت یہ ہے:

وفیه دلیل علی أن المكتوبة لا تجوز إلى غیر القبلة ولا علی الدابة، وهذا مجمع علیہ إلا فی شدة الخوف، فلو أمکنه استقبال القبلة والقیام والركوع والسجود علی الدابة واقفة علیها هودج أو نحوه، جازت الفریضة علی الصحیح فی مذهبنا، فان كانت سائرة لم تصح علی الصحیح المنصوص للشافعی، وقیل: تصح كالسفینة، فإنها تصح فیها الفریضة بالاجماع۔

ولو كان فی ركب وخاف لونزل للفریضة انقطع عنهم ولحقه

الضرر. قال أصحابنا: يصلي الفريضة على الدابة بحسب الإمكان، وتلزمه إعادتها، لأنه عذر نادر.<sup>(۱)</sup>

(ترجمہ) اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ فرض نماز غیر قبلہ کی جانب اور سواری پر جائز نہیں۔ اس پر اجماع ہو چکا ہے، مگر شدت خوف میں (جواز ہے) تو اگر سواری کا جانور ٹھہرا ہوا ہو اس پر محمل یا اس طرح کا کچھ رکھا ہوا ہو کہ اس پر استقبال قبلہ، قیام، رکوع، سجود سب ہو سکے تو ایسی صورت میں ہمارے مذہب کے قول صحیح پر فرض نماز اس پر جائز ہے۔

اور اگر جانور رواں ہو تو امام شافعی کے نص کردہ قول صحیح پر فرض نماز اس پر جائز نہیں۔

اور اگر سواروں کے قافلے میں ہو اور فرض کے لیے اترنے کی صورت میں اسے قافلے سے جدا ہونے اور ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ فرض نماز جیسے ہو سکے جانور پر ادا کر لے اور اس کا اعادہ اس پر لازم ہے اس لیے کہ یہ ایک نادر عذر ہے۔“

اس عبارت سے مذہب شافعیہ کے کئی جزئیات معلوم ہوئے خصوصاً یہ کہ: اگر جانور ٹھہرا ہوا ہے اور اس پر محمل وغیرہ ایسا رکھا ہے کہ نمازی اس پر کھڑے ہو کر رکوع و سجود استقبال قبلہ کے ساتھ نماز ادا کر لیتا ہے تو یہ نماز مذہب امام شافعی کے قول صحیح پر جائز ہے جب کہ اس صورت میں استقرار علی الدابہ ہوا، ”استقرار علی الارض“ ہرگز نہ ہوا ورنہ حنفیہ عدم جواز کے قائل نہ ہوتے، پھر امام نووی کی عبارت ماقبل سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ ”استقرار علی الارض“ شرط اجماعی ہے؟ کیا وہ خود اپنا مذہب اور اس پر متفرع دوسرا حکم بھی نہ سمجھ سکے اور آج کے حنفیوں کو اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟؟

<sup>(۱)</sup> المنهاج للإمام النووي شرح صحيح مسلم، ج: ۱، ص: ۲۴۴، ۲۴۵

میں یہ بھی صراحت کر دوں کہ ٹرینوں کا نظام اور ان پر نمازوں کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ قرآن و حدیث کا کوئی مخصوص مسئلہ نہیں، ایک نیا اور فرعی مسئلہ ہے جس میں اگر کوئی فریق دلیل کی تطبیق و تفہیم میں خطا کر جائے تو اسے گمراہ یا فاسق ٹھہرانا روا نہیں۔

اسی لیے حضرت محدث سورتی عَلَيْهِ السَّلَامُ یا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس مسئلے کی بنیاد پر اپنے دور کے ان لوگوں کو فاسق یا گمراہ نہ کہا جو چلتی ٹرین پر نماز کے جواز بلا اعادہ کے قائل تھے۔ مگر آج کل اسی فرعی مسئلے کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تفسیق و تضلیل کی مہم جاری کر رکھی ہے۔ فیما للعجب! خیر یہ تو ایک نیا مسئلہ ہے، سجدہ تعظیمی کی حرمت تو ایسا قدیم اور مستحکم مسئلہ ہے کہ امام اہل سنت عَلَيْهِ السَّلَامُ نے ”الزبدۃ الزکیة فی تحریم سجود التوحیة“ میں اس پر آیات و تفاسیر کے علاوہ چالیس حدیثیں اور ڈیڑھ سو فقہی نصوص پیش کیے ہیں، چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اجماع بتایا ہے مگر سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ مخالفین حرمت کی پیروی میں سجدہ تعظیمی کا ارتکاب کرنے والوں پر حکم تفسیق نہیں۔ دیکھیے فتاویٰ مصطفویہ ص ۴۵۶، اور فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت ص ۱۱، ۱۲۔

کیا سرکار مفتی اعظم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے محض اندھیرے میں تیر چلایا ہے؟ اور مرتکبین سجدہ تعظیمی کی ناروا رعایت سے کام لیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ واللہ ان کی یہ شان نہیں۔ یہ شان ہمارے کرم فرماؤں کی ہے جنہوں نے آج کے نوپیدا فرعی مسئلہ چلتی ٹرین پر نماز سے متعلق جواز بلا اعادہ کے قائلین کو فسق و ضلال تک پہنچانے کی جسارت کی ہے اور ان کے پیچھے نماز کی اداگی ناجائز لکھی ہے۔ نہ خدا کا خوف، نہ رسول سے حیا، نہ مرشد سے شرم، نہ مرشد کے مرشد کا پاس و لحاظ۔ فتویٰ نویسی کا نہ کوئی ضابطہ رہانہ اصول، ایک فرعی مسئلے کو حسام الحرمین کا درجہ دے کر ملک بھر سے دستخطوں کا انبار جمع کر کے عصر حاضر کا ”الصوامر الہندیہ“ بنا کر شائع کر دیا۔ اور بزعم خویش نغمہ زن ہیں کہ شادم از

زندگی خویش کہ کارے کردم۔

اپنے ہی بھائی ہیں اس لیے دعا کرتا ہوں کہ رب کریم انہیں فقاہت و بصیرت عطا کرے اور سرکار مفتی اعظم قدس سرہ اور امام اہل سنت قدس سرہ کی پیروی نصیب فرمائے۔

یہ تو ہمارے دور کی بات ہے: مفتی اعظم قدس سرہ اور جمہور علمائے اہل سنت لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اقتدا ناجائز کہتے تھے۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ مفتی سید افضل حسین مونگیری صدر المدرسین جامعہ منظر اسلام بریلی شریف اور مفتی محمد جہانگیر اعظمی استاذ منظر اسلام جواز کے قائل تھے۔ مفتی افضل حسین علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر کتاب بھی لکھ کر شائع کی مگر مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ان حضرات یا ان کے متبعین پر نہ حکم فسق عائد کیا نہ بریلی کے سنی مسلمانوں کو ان کی اقتدا سے روکا، نہ اپنی اجازت و خلافت سے محروم کیا۔ کیا ہمارے کرم فرماؤں کی فقاہت یا دینی حمیت یا پرہیزگاری اور تقویٰ سرکار مفتی اعظم قدس سرہ سے فزوں تر ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔

ان معروضات کے بعد مجھے الجامعۃ الاشرفیہ کے دینی تہذیب، فروغ سنیت میں اس کے نمایاں کردار اور رضویات کے باب میں اس کی روشن خدمات کا ذکر کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ آج بھی اشرفیہ کے قادری، چشتی، نقشبندی، برکاتی، رضوی، اشرفی، رشیدی (وغیرہ) فرزندوں اور غلاموں میں وہی جذبات موج زن ہیں جو کل تھے، مختلف بلاد و ممالک میں آج بھی وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور اکابر اہل سنت کا نام روشن کر رہے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ آج بھی وہ ہر باطل سے نبرد آزما ہیں۔

اس کا ایک نمونہ یہ جامعہ قادر یہ پونہ بھی ہے جس کے زیر اہتمام آج ہم یہاں جمع ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ان کرم فرماؤں کی پیہم یورشیں بھی ان شاء اللہ ارکان اشرفیہ اور ابنائے اشرفیہ کو بد مذہبوں اور بے دینوں کی دسیبہ کاریوں سے اہل سنت کو بچانے اور اشاعت مسلک حق کی راہ میں اپنی ساری توانائیوں کے ساتھ سرگرم سفر

رہنے سے غافل نہیں کر سکتیں، و هو المستعان و علیہ التکلان۔  
 اشرفیہ کی خدمات کا موضوع ایک مستقل مضمون بلکہ ایک ضخیم کتاب کا مقتضی ہے  
 اس لیے یہ کام کسی جوان سال عزیز کے لیے چھوڑتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی فرزند اس  
 موضوع کو اپنے شاداب قلم سے سیراب کر کے دنیا کی نگاہوں کو آسودہ کرے گا۔  
 و التوفیق بید المولیٰ الکریم العزیز - منه البدایة و إلیہ النہایة۔  
 حضرات! یہ عیسوی سال رواں اور ہجری سال ماضی و حال اہل سنت کے لیے  
 ”عام الحزن“ کی شکل اختیار کر گیا۔ ہماری کئی عظیم ہستیاں صرف دو ماہ کے عرصے میں ہم  
 سے پلے پلے روپوش ہو گئیں۔ میں یہاں صرف چار ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔  
 ۱۔ اجمل العلما مفتی محمد اجمل شاہ سنہجلی مراد آبادی کے شاگرد مفتی محمد اشفاق  
 حسین نعیمی سنہجلی مراد آبادی مفتی اعظم راجستھان، سربراہ اعلیٰ دارالعلوم اسحاقیہ جودھ  
 پور۔

تاریخ رحلت: ۹ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۳ء - سہ شنبہ۔  
 ۲۔ امام علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی شاگرد ملک العلما علامہ  
 ظفر الدین رضوی بہاری، شیخ الحدیث دارالعلوم نور الحق پیر احمد پور فیض آباد۔  
 تاریخ رحلت: ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۳ء - یک شنبہ۔  
 ۳۔ شہزادہ سید العلما حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی سجادہ نشین  
 سرکار عالیہ مارہرہ شریف مقیم عروس البلاد ممبئی۔  
 تاریخ رحلت: یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ / ۲۱ نومبر ۲۰۱۳ء - چہار شنبہ۔  
 ۴۔ حضرت مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی۔ میرے عزیز اور ہم وطن۔ استاذ  
 مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔  
 تاریخ رحلت: ۴ محرم ۱۴۳۵ھ / ۹ نومبر ۲۰۱۳ء - شنبہ۔  
 یہ سبھی حضرات جامعہ اشرفیہ اور مجلس شرعی کے ہمدرد اور کرم فرما تھے ان کے

تعارف اور خدمات پر ماہنامہ اشرفیہ میں مضامین آچکے ہیں اور کچھ آنے والے ہیں۔ رب کریم ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبول سے نوازے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔

**حضرات! مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کا وقت زیادہ لے لیا۔ اب آپ کو آج کے موضوع مذاکرہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ میں نے کئی مقالات کا مطالعہ کر لیا ہے اور تلخیصات تو سبھی پڑھ لی ہیں۔ مسائل کی صعوبت اور رایوں میں اختلاف نمایاں ہے مگر میں آپ سبھی حضرات کی خدمات میں ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ نے چھان بین کی، کتابوں کی مراجعت فرمائی اور اپنے اپنے موقف کو حسبِ وسعت دلائل سے آراستہ کیا۔ فیصلہ جو بھی ہو مگر آپ کی کاوشیں رائگاں جانے والی نہیں۔ ان علمی کاوشوں کا اجر ان شاء المولیٰ تعالیٰ ضرور ملے گا۔ فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے اور پوری بالغ نظری، متانت و سنجیدگی، خلوص و للہیت اور قوتِ دلیل کے ساتھ کرنا ہے۔ رب کریم و جلیل سب کے سینے کشادہ فرمائے اور ہم سب کو ہر مسئلے میں روئے حق و صواب سے شاد کام فرمائے۔ و ما ذلک علیہ بعزیز۔**

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ ہمارے بلند ہمت اور باسعادت منتظمین آپ کی راحت و ضیافت اور خاطر داری کی حتی المقدور کوشش کر رہے ہیں اور آپ کے قیام تک مصروف عمل رہیں گے، مگر نئے تجربہ کار ہیں اس لیے اگر کوئی فروگذاشت ہو تو انہیں اور ہمیں اپنی عالی ظرفی سے معاف فرمائیں اور بروقت جو مناسب ہدایت و رہنمائی ہو سکتی ہو اس سے ہماری دستگیری فرمائیں اور جملہ معاونین کو اپنی مخلصانہ دعاؤں سے نوازیں۔ و السلام و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ و مجتہدی شرعہ و مجاہدی دینہ و علماء امتہ و متبعی سنتہ أجمعین۔



## مجلس شرعی کے بانیسویں فقہی سیمینار کا خطبہ، صدارت

منعقدہ بتاریخ: ۱۵/۱۶/۱۷ اصر ۱۴۳۶ھ مطابق ۹/۱۰/۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء

بمقام: شارح بخاری دارالافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا  
 ہماری خوش قسمتی ہے کہ کئی برسوں کے بعد مجلس شرعی کا سیمینار مبارک پور کی سر زمین پر اور جامعہ اشرفیہ کے احاطے میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے آپ کو پونے، علی گڑھ، بھیونڈی، بمبئی وغیرہ کے اسفار کی زحمت دی جا چکی ہے۔ بعونہ تعالیٰ آپ حضرات کی محنتوں سے ہمارا علمی و فقہی کارواں کامیابوں سے ہم کنار ہوتا رہا، جس پر تمام شرکائے سفر بجا طور سے تحسین و مبارک باد کے مستحق ہیں، خواہ وہ آج ہم میں موجود ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر ما یجزی بہ العلماء المخلصین العاملین فی سبیل الدین و العلم۔  
 بڑی مسرت ہے کہ اکیسویں سیمینار کے علاوہ باقی بیس سیمیناروں کے فیصلوں کا مجموعہ چند ماہ پہلے منظر عام پر آچکا ہے۔ بلاشبہ یہ علماء و مفتیان کرام اور طالبان احکام شرعیہ کے لیے ایک بیش بہا ذخیرہ اور مجلس شرعی کے مندوبین کرام کی بیس سالہ کاوشوں کا خوش نما گل دستہ ہے جس سے ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ دین داروں اور علم دوستوں کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوں گی۔ اس اہم علمی و فقہی پیش کش پر حضرت مرتب مفتی محمد نظام الدین رضوی اور ان کے تمام رفقا و معاونین نیز جملہ شرکاء و مندوبین کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ ان سبھی کرم فرماؤں کی کاوشیں مقبول و مشکور فرمائے۔ امید ہے کہ باقی ماندہ سابقہ اور آئندہ فیصلوں کا

مجموعہ بھی اسی طرح یا اس سے زیادہ شان و شوکت کے ساتھ فردوسِ نظر ہوتا رہے گا۔ اور مقالات و تلخیصات پر مشتمل صحیفہ مجلس شرعی کی جلدیں بھی اشاعت پذیر ہوں گی۔ واللہ الموفق و بیدہ الخیر۔

حضرات مندوبین کرام! بانیسویں فقہی سیمینار میں آپ کی شرکت پر میں آپ کا پر جوش خیر مقدم کرتا ہوں۔ تشریف آوری سے قبل آپ نے مجلس کو اپنی علمی و فقہی نگارشات سے نوازا اس پر میں سبھی اہل قلم کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ مقالات کی تلخیصیں ہو چکی ہیں جو پروگرام کے مطابق پیش ہوتی رہیں گی۔ اب آپ کا اہم کام تنقیح طلب امور کو حل کی منزل تک پہنچانا اور واضح فیصلوں کا روپ دینا ہے۔ اس کے لیے آپ کو اپنی علمی و فکری توانائیوں کے ساتھ اخلاص قلب، اثابت الی اللہ، رجوع الی الرسول اور ائمہ دین کے ساتھ ربط باطن کی قوتوں کو بھی بروئے کار لانا ہے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ الرحمن میدان آپ کے ہاتھوں، اور حق و صواب کا روئے روشن آپ کے سامنے ہوگا۔ بعونہ جل جلالہ و بکرم رسولہ علیہ الصلاۃ و السلام و بفیوض الائمة الکرام۔

ہم اور آپ دیکھتے آئے ہیں کہ مقالات میں اختلاف آرا نمایاں رہتا ہے۔ ابتداءً گمان ہوتا ہے کہ کسی ایک حتمی راے پر شاید سب کا اتفاق نہ ہو سکے مگر بیشتر مسائل میں یہی ہوا ہے کہ ایک راے پر بڑی نیک نیتی اور صاف دلی کے ساتھ مندوبین کرام کا اتفاق ہو گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے علمائے کرام کا مطمح نظر یہ نہیں ہوتا کہ ہم نے جو لکھ دیا یا جو کہہ دیا وہی تسلیم کیا جائے بلکہ ان کا نیک مقصد یہ ہوتا ہے کہ دلائل کی روشنی میں جو حق ہو اسے قبول کیا جائے، پہلے سے ہماری فکر اور ہماری راے جو بھی رہی ہو۔ بقول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ انسان سے خطا ہونا عجیب نہیں بلکہ حق واضح ہونے کے بعد خطا پر قائم رہنا یہ عجیب ہے اور سنگین جرم بھی۔ (اُو کہا قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رب کریم ہم سب کا سینہ جستجوے حق اور قبول حق کے لیے کشادہ فرمائے، آمین

یا أكرم الأكرمين، بجاه حبيبك سيد المرسلين، صل عليه و عليه و  
على آله و صحبه اجمعين.

حضرات! میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کے شایان شان خدمت اور انتظام سے ہم  
اور ہمارا عملہ قاصر ہے۔ خصوصاً اس موسم سرما میں آپ کو صعوبت سفر کے ساتھ  
مشکلات حضر بھی دامن گیر ہوں گی لیکن دین حق اور علم و تحقیق کی راہ میں سختیاں جھیلنا  
ہمارے بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔ ان کی تکلیفیں اور آج کی آسائشیں دیکھ کر دل درد مند کبھی  
روتا ہے، کبھی سرراحت طلب، شرم سے جھک جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان آقاؤں  
کے طفیل آپ ہماری کوتاہیوں پر خط عفو و درگزر کھینچنا زیادہ پسند کریں گے۔ و العفو  
عند کرام الناس مأمول.

حضرات! آج کی مناسبت سے میرا ضروری خطبہ تو سطور بالا پر ختم ہو جاتا ہے مگر آج  
کے حالات اور آپ کی چارہ گر شخصیات کو دیکھتے ہوئے دل درد مند چند باتیں عرض کرنے  
کے لیے مضطرب ہے، نہ معلوم آپ سے ملاقات اور گفتگو کی باری پھر کب آئے۔  
امیر جمع ہیں احباب درد دل کہ لے پھر التفاتِ دل دوستان رہے، نہ رہے  
حضرات! مجھے تلخ نوائی سے معاف رکھیں گے۔ ہمارے سروں پر رب العالمین  
الحکم الحاکمین کی جانب سے ایک اہم ذمہ داری یہ رکھی گئی ہے کہ ہم اسلام کا پیغام دوسروں  
تک پہنچائیں اور جو اسلام کا نام لینے کے باوجود راہ حق سے دور ہیں انہیں حق آشنا کر کے  
قریب لائیں اور جو حق سے آگاہ ہیں مگر عمل سے دور ہیں انہیں عمل خیر کی دعوت دیں اور  
شریعت کا پابند بنائیں مگر ہم اس ذمہ داری کو کس حد تک انجام دے رہے ہیں؟ یہ آج کا اہم  
سوال ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ غیروں میں اپنے باطل کو بڑھانے اور پھیلانے کے  
جذبات بڑی طرح موج زن ہیں۔ ان کی نت نئی تدبیروں اور ضلالت خیز حربوں کے  
نتیجے میں ہماری بڑی بڑی آبادیاں اور اچھے اچھے شہر ہمارے ہاتھ سے نکل چکے ہیں اور  
ہمیں بازیافت کی کوئی فکر نہیں۔

ہمارے یہاں نہ خطبا و مقررین کی کمی ہے، نہ گراں بار جلسوں اور لاکھوں لاکھ روپے میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں کی کمی ہے مگر دعوتِ حق کے مخلصانہ جذبات اور بے لوث داعیانِ دین کی بڑی کمی ہے۔ آج کے خطیب اور دردمند داعیِ حق میں بڑا فرق ہے۔

یہ خطیب وہاں جاتا ہے جہاں زمین پہلے سے ہموار ہے۔ اسے چاہنے والے اور زوردار نعرے لگانے والے پہلے سے موجود ہیں۔ اس کے لیے وہ لاکھوں لاکھ خرچ کر چکے ہیں اور مزید نذر و نیاز کے لیے ہمہ تن تیار ہیں۔

داعیِ حق وہاں جاتا ہے جہاں نہ اُس سے کوئی۔ آشنا، نہ اس کے مذہب اور مشن کا کوئی شیدا، وہ اپنے خرچ سے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور اپنی بات سنا کر نا آشناؤں کو آشنا بناتا ہے اور بے راہوں کو راہ پر لاتا ہے۔ مبلغِ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی بندرگاہ پر اتر کر کسی شہر میں جاتے تو انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا، اور ماہ دو ماہ کی تبلیغ کے بعد واپسی کے لیے جب بندرگاہ پر آتے تو ایک جم غفیر ان کے پیچھے ہوتا، آنکھیں جدائی کے غم سے اشک بار اور دل فرقت کے احساس سے بے تاب ہوتے، روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ بندرگاہ اور جہاز کا عملہ محو حیرت بنا ہوتا۔ کیا کسی پیشہ ور خطیب کی آنکھوں نے بھی اپنے لیے یہ منظر کبھی دیکھا ہے؟ دردمند مبلغ و رہنما بھگی پلکوں کے سائے میں واپس آ گیا۔ مگر اس شہر اور اس ملک میں کئی ادارے، انجمنیں اور تنظیمیں چھوڑ آیا جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں برسر کار ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج غیروں کے پھیلنے اور اپنوں کے سمٹنے کی سب سے بڑی وجہ داعیانہ جذبات اور مخلصانہ خدمات کا فقدان ہے۔ ہمارے گرد چند سو یا چند ہزار جو شیلے نعرہ لگانے والے جمع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ ساری دنیا میں ہم ہی ہم ہیں۔ جب کہ روزانہ ہمارے کار آمد اور بیش قیمت افراد ہمارے کیمپ سے نکل کر دوسروں کے کیمپ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان پر ہم نے ضلالت و گمراہی یا کفر و ارتداد کا حکم لگا کر سمجھ لیا کہ

ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی۔ وہ کیوں ہم سے کئے اور دوسروں سے جڑے؟ ہم نے ان کو بچانے یا واپس لانے کے لیے انتھک کوشش کیوں نہیں کی؟ اس بارے میں احکم الحاکمین کے یہاں نہ ہم سے کوئی سوال ہوگا نہ ہمیں کوئی جواب دینا پڑے گا۔

میں نہیں سمجھتا کہ یہ سوچ کبھی درست ہو سکتی ہے اور اتنی آسانی کے ساتھ کوئی اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اگر غفلت کا یہی حال رہا تو خسارے اور زیاں کی وہ شکل بھی دیکھنی پڑے گی جس کے بعد کسی تدارک کی امید نہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ دعوت اور داعیان حق یکسر معدوم ہیں مگر جس طرح غیروں کے یہاں سرگرمیاں ہیں اور ان کے اندر اپنے کو بڑھانے پھیلانے کے لیے جو محنت اور تگ و دو ہے وہ ہمارے یہاں معدوم نہیں تو اس سے قریب ضرور ہے، پھر مقابلہ کیسے ہو؟ اور اپنوں کا تحفظ کیسے ہو؟

دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کی سرگرمیاں یقیناً قابل تحسین اور لائق تائید ہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ان کی بھی ناقدری ہو رہی ہے، نہ خود آگے بڑھ کر کام کرنے کا جذبہ، نہ دوسرے کو کام کرتا ہوا دیکھنا گوارا۔ آخر ملت اور جماعت کافروغ کیسے ہو؟ اور بدنہ ہی بے دینی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند کون باندھے؟

ہمیں خود داعیانہ فکر پیدا کرنی ہوگی اور دوسرے داعیوں کی بھی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی تاکہ ہر محاذ پر کام ہو سکے۔ آج درس گاہوں سے نکتہ رس مدرس اور زبان آور خطیب تو بہت پیدا ہو جاتے ہیں مگر مخلص مبلغین کی پیداوار افسوس ناک حد تک کم ہے۔ حالات کا مقابلہ کرنا ہے تو دانش مندی اور منصوبہ بندی کے ساتھ قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ ہر میدان کے افراد تیار کرنا اور انہیں کام سے لگانا ہوگا۔

حکومتی اور ملکی پیمانے پر بھی ہمیں اپنی شناخت بنانے کی ضرورت ہے۔ صحافت کے میدان میں بھی نمایاں حصہ لینا ہوگا۔ کیا وجہ ہے کہ اس ملک میں اور دوسرے ممالک میں دینی قائدین کے عنوان سے جب نام لیا جاتا ہے تو دوسروں کا۔ ہم نے

سارے میدان غیروں کے لیے خالی چھوڑ دیے، اسی کا انجام مختلف شکلوں میں سامنے آتا رہتا ہے۔

عربی اور انگریزی زبان میں بھی ہمیں قرآن و حدیث، سیرت رسول اور دوسرے دینی عنوانات پر تیزی سے کام کرنے کی ضرورت ہے جس کے لیے اچھے اہل قلم کے کئی گروپ بنا کر کام سپرد کرنا ہوگا۔ بعض تنظیموں اور اداروں کی جانب سے کچھ کام ہوا ہے جو قابل تحسین و آفریں ہے مگر اسے مزید بڑھانے اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عرب دنیا سے ہندوستان کی اسلامی شخصیات کو پوچھے تو غیروں کے درجنوں نام سننے کو مل جائیں گے اور اہل سنت کے دو چار نام بھی شاید ہی سننے میں آئیں۔

یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ ہمارے پاس وسائل نہیں، فلاں کے پاس وسائل ہیں اسے یہ کام کرنا چاہیے، اور فلاں جب کام شروع کر دے تو وہ بھی برداشت نہ ہو، اس کی غیر واقعی خامیوں کی فہرست بڑی باریک بینی اور الگ الگ منطقی ترکیبوں سے تیار کی جائے اور اسے رسوا کرنے کے لیے وسائل کی ساری فراوانی منظر عام پر آجائے۔ وہی فراوانی جو سچے دینی کام کے لیے مفقود تھی، اب موجود ہے۔

میں کہتا ہوں وسائل پیدا کرنا اور انہیں خیر کے لیے استعمال کرنا بھی ذمہ داری میں داخل ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ آدمی کا دل اگر تیار ہو تو وہ بڑے بڑے کام کی راہیں پیدا کر لیتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔

آج کا وقت ایک دوسرے پر الزام اور ذمہ داری ڈالنے کا نہیں متحد ہو کر یا الگ الگ خود آگے بڑھنے اور ہر محاذ پر کام سنبھالنے کا ہے۔

ہاں اگر اپنے فرض کا نہ احساس ہو، نہ قوم کے زیاں کا درد ہو، نہ قیامت میں جواب کی فکر ہو، صرف زبان عوام سے چھٹکارا حاصل کرنا پیش نظر ہو تو ایک نہیں، ہزار بہانے بنائے جاسکتے ہیں۔

آپ ملت کا دل و دماغ ہیں، آپ سے قوم کی امیڈیں وابستہ ہیں، آپ کو خود بھی کام کرنا ہے اور دوسروں کو بھی کام سے لگانا ہے اور جو کسی محاذ پر کسی بیہیمانے پر کام کر رہے ہیں ان کی قدر شناسی اور عزت افزائی بھی کرنی ہے۔ مولائے کریم ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ وهو المستعان و علیہ التکلان، والصلاة والسلام علی حبیبہ سید الانس و الجنان و علی آلہ و صحبہ ما تعاقب الملوان  
 باتیں بہت تھیں مگر میں اتنے ہی پرکتفا کرتا ہوں۔  
 انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے  
 شاید کہ اترجائے ترے دل میں مری بات  
 والسلام و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

## مجلس شرعی کے تیسویں فقہی سیمینار کا خطبہ استقبالیہ

بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸/۲۹/۳۰ نومبر ۲۰۱۵ء شنبہ تا دو شنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا

مجلس شرعی کے تیسویں فقہی سیمینار (منعقدہ ۱۵/۱۶/۱۷ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸/۲۹/۳۰ نومبر ۲۰۱۵ء بمقام: امام احمد رضا لائبریری جامعہ اشرفیہ مبارک پور) میں آپ حضرات کی شرکت پر ہم آپ کا پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں۔ آپ نے حل مسائل میں وقت عزیز اور سعی کثیر صرف کی پھر اپنے اہم مشاغل کو ترک کر کے یہاں تشریف لائے۔ اس نوازش پر ہم آپ کے ممنون ہیں۔ رب کریم آپ کی عنایتوں کو دوام بخشے۔ اور بار بار ایسے مسرت بخش مواقع نصیب فرمائے۔

اس سیمینار کے لیے چار عنوانات پر سوال نامے جاری کیے گئے تھے۔ بعض حضرات نے ہر چہار عنوان پر اپنے جوابات سے مجلس کو نوازا۔ بعض حضرات نے تین یا دو یا صرف ایک عنوان پر لکھا، بعض حضرات نے صرف مذاکرات میں شرکت سے نوازا۔ ہم صمیم قلب سے حسب عنایت و نوازش سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ رب کریم ان مساعی جمیلہ کا صلہ اپنے خزانہ غیب سے عطا فرمائے۔

ان فقہی علمی مذاکرات کا ایک عام فائدہ ہے جو پوری قوم کو ملتا ہے، وہ یہ کہ پیچیدہ مسائل اور معاملات میں صحیح راہ عمل کا علم ہوتا ہے اور غیر مشروع طریقوں سے بچ کر شرعی طریقوں پر کاربند ہونے کی ہدایت ملتی ہے۔ دوسرا خاص فائدہ ہے جو اہل علم اور ارباب تحقیق کو حاصل ہوتا ہے:

جو حضرات مقالات لکھتے ہیں انھیں اپنے موضوع کو سر کرنے کے لیے کافی فکرو



تذبر اور غور و خوض سے کام لینا پڑتا ہے۔ کتابوں کی مراجعت اور تلاش مطلوب کے دوران بہت سے احکام و مسائل نظر سے گزرتے ہیں اور ذخیرہ معلومات میں گراں بہا اضافہ ہوتا ہے۔ اگر تحقیق و نگارش کی یہ تقریب نہ پیدا ہوتی تو ان مسائل کو دیکھنے یا تازہ کرنے کی طرف توجہ شاید مدتوں نہ ہوتی۔

جو حضرات مقالات کا مطالعہ کرتے اور مذاکرات میں حصہ لیتے ہیں ان کا سابقہ بھی کثیر جزئیات اور پیچیدہ مبادی سے پڑتا ہے جنہیں عبور کیے بغیر منزل تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اس طرح انہیں بھی خاصی فکری محنت اور ذہنی ورزش سے گزرنا پڑتا ہے۔ عام ذی علم سامعین کو بھی بہت سے مسائل جاننے اور طریقہ بحث و استدلال اخذ کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

الغرض مجلس شرعی کی فقہی تحریک اور علمائے کرام و مفتیان عظام کی علمی و قلمی کاوشوں سے ہمہ جہت، دور رس اور دیرپا فوائد حاصل ہو رہے ہیں جس پر یہ سبھی حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مولا تعالیٰ ان کی علمی کاوشیں اور ان کے بیش بہا ثمرات ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔

اس سلسلے میں جن شخصیات اور اداروں نے مجلس شرعی کا کسی طرح کا کوئی تعاون کیا ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ رب کریم سب کو اپنی جزائے فراواں سے شاد کام فرمائے۔

انہی میں اپنے معزز مہمانوں سے عرض گزار ہوں کہ آپ کی خدمت و ضیافت میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی ہو تو معاف فرمائیں اور انتظام میں بہتری لانے کے سلسلے میں ہماری بساط کو دیکھتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ آج بہت سے سیمینار حکومتوں کے زیر سایہ یا ان کے خطیر مالی تعاون سے انعقاد پذیر ہوتے ہیں اور مندوبین کی خدمت و ضیافت بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔ یقیناً ظاہری آرائش و زیبائش اور راحت و آسائش میں ان کی برابری مشکل

ہے مگر دینی کاوشوں کی جو عظمت اور مخلصانہ سرگرمیوں کا جو عظیم اجر ہے کوئی دنیاوی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مولا تعالیٰ ہمارے تمام معاونین و مخلصین کو اپنی رضا و خوشنودی کی دولت سے نوازے اور انہیں دارین کی آفتوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

ہمیں رب کریم کے الطافِ بے پایاں سے امید و اثق ہے کہ تنقیح طلب مسائل کے حل میں اس کی عنایت و رحمت دست گیر ہوگی اور اس کے بے کراں فضل و کرم کے سایے میں شاہد مقصود تک رسائی آسان سے آسان ہوگی۔ و ما ذلك عليه بعزیز۔

و صلی اللہ تعالیٰ و باریک و سلم علی حبیبہ سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ ہدایۃ الدین و حماة الشرع المتین و علی الأئمة المرشدين و العلماء الراسخين والأولیاء الکاملین و علی أتباعهم المہتدین إلی یوم الدین۔

## مجلس شرعی کے چوبیسویں فقہی سیمینار کا خطبہ / صدارت

منعقدہ ۱۸/۱۹ صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/۸/۹ نومبر ۲۰۱۷ء سے شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

حضرات! اس چوبیسویں فقہی سیمینار کے لیے ۱۹/۲۰/۲۱ نومبر ۲۰۱۶ء کی تاریخیں متعین تھیں۔ مگر اچانک ۹ نومبر کو نوٹ بندی کے بطن سے پیدا شدہ گوناگوں مشکلات کا اثر اس علمی فقہی سیمینار پر بھی پڑا، اور سیمینار کی تاریخیں بہت قریب آجانے کے باوجود اسے ملتوی کرنا پڑا، شاید آپ حضرات کے لیے یہ بارِ خاطر بھی ہوا ہو مگر ہم معذرت خواہی کے ساتھ امید رکھتے ہیں کہ انتظامی دشواریوں کا اندازہ کرتے ہوئے آپ ارکانِ مجلس شرعی کو معاف فرمائیں گے۔

حضرات مندوبین کرام نے مجلس کے دیے ہوئے عنوانات پر مقدور بھر کوشش کی اور اپنے بیش قیمت مقالات اور آراء سے مجلس کو نوازا پھر سالِ رواں کی مقررہ تاریخوں پر اپنے مشاغل ترک کر کے صعوبتِ سفر برداشت کرتے ہوئے یہاں بحث و مذاکرہ کے لیے اپنی تشریف آوری کو عملی شکل دی، اس پر ہم ان سبھی حضرات کے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ ربِّ کریم انھیں استقامت بخشنے اور حلِ مشکلات کے لیے ان کے سینے کھول دے۔

مقالات اور تلخیصات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات میں رایوں کا اختلاف ہے اور کسی بھی نئے علمی و فکری سفر میں یہ ناگزیر ہے۔ ہر ایشہب

فکر ایک ہی سمت میں رواں ہو اور ہر طائر نظر ایک ہی رخ پر محو پرواز ہو ایسا بہت ہی نادر و نایاب ہے۔

مگر امید ہے کہ جب آپ حضرات پوری فکری توانائی اور اخلاص قلب کے ساتھ غور و خوض کریں گے اور مباحثہ و مذاکرہ میں سرگرم حصہ لیں گے تو ان شاء اللہ الرحمن مشکلات کی گرہیں کھلتی ہوئی اور اختلافِ آرا کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہر باب میں ایک محقق اور منقح فیصلہ سامنے آئے گا جس سے بے تاب دلوں کو قرار اور مشتاق روحوں کو سکون نصیب ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے کے سیمیناروں میں مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ والحمد لله و هو ولی کل نعمۃ و ائہ ذوالفضل العظیم۔

اس سیمینار میں ”بینک گارنٹی لیٹر“ ای کامرس اور آن لائن بین الاقوامی تجارت جیسے نئے موضوعات زیر بحث ہیں اور اس سے قبل بھی تجارتی و اقتصادی میدان کے بہت سے مسائل زیر بحث آچکے ہیں۔ دراصل مغربی تاجرین کو کسی طریقہ تجارت کے جواز و عدم جواز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، صرف عاجلانہ منفعت اور کثیر سے کثیر مالی فوائد پر ان کی نظر ہوتی ہے، اسی بنیاد پر وہ کوئی بھی طریقہ ایجاد کرتے ہیں اور اسے اس قدر عام کرتے ہیں اور اتنا دل کش بناتے ہیں کہ پوری دنیا اس میں گرفتار ہو جاتی ہے پھر جب وہ طریقے علمائے شریعت کے سامنے آتے ہیں تو انہیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جواز کا حکم دیں تو اس کے لیے کوئی واضح اور ٹھوس بنیاد ہونی ضروری ہے اور اگر حکم جواز کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو ایک دل کش اور منفعت بخش معصیت کی دلدل سے اپنی قوم کو باہر نکالنا بڑا زبردست چیلنج ہوتا ہے۔

حضرات! اہل مغرب کی کارستانیوں اتنے ہی پر بس نہیں، ان کا اقتصادی حلقہ اگر ایک طرف تجارتی میدان میں نت نئی منفعتی اختراعات سامنے لاتا ہے تو دوسری طرف ان کا اعتقادی اور سیاسی طبقہ طرح طرح سے مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انہیں نئے نئے حربوں کے ذریعہ اسلام سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حرکت اشتراک اور مستشرقین کا وجود اسی فکر کے تحت عمل میں آیا جس کا تعاقب مسلم اہل قلم نے کیا اور ان کی خیانتوں کا پردہ اچھی طرح چاک کیا، اس سے گھبرا کر مغربی دماغ نے مال و دولت کے ذریعہ اچھے اچھے فتنہ خیز دماغوں کی خریداری کی تدبیر سوچی اور ایسی تنظیموں کو وجود بخشا جن سے وابستہ ہونے والے افراد کو دل کش انعامات سے نوازا جاتا ہے، دنیا بھر میں ان کی عبقریت کا اعلان کیا جاتا ہے، انھیں دلکش منصوبے بنا کر سرگرم عمل کیا جاتا ہے اور ان پر مال و دولت کی برسات کی جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ تنظیم کے سانچے میں ڈھل کر اطاعت و فرماں برداری کو اس کی آخری حد تک پہنچائیں، رب کی بندگی اور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی غلامی سے زیادہ انھیں تنظیم کی غلامی و بندگی عزیز ہو، اس کی کافرانہ دفعات سے ظاہراً باطناً کسی طرح سر مو انحراف گوارا نہ ہو۔

ایسی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں جن کا فارمولہ یہ ہے کہ یہودی، نصرانی، قادیانی، ہندو، سکھ، بدھشٹ وغیرہ سب اہل جنت ہیں، انسانوں کے کسی طبقے کو بھی کافر کہنے کی اجازت نہیں، شاتمان خدا و رسول اور اسلام کے بنیادی اصول و مبادی کو توڑنے والوں کی بھی تکفیر جائز نہیں۔ جو اس فارمولے کا پابند ہے اسی کے لیے تنظیم کے خزانوں کا دہانہ کھلا ہوا ہے اور جو اس سے منحرف ہو وہ کسی طرح کی داد و ہش کا مستحق نہیں۔

یہ تنظیمیں اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتی ہیں اور خود مسلمانوں سے بھی ایسے عقلاً کو خریدتی ہیں جو اپنی علمی یا سیاسی یا سماجی کارکردگی کی وجہ سے شہرت یافتہ ہوں، جن کے پیچھے حامیوں اور معتقدوں کا ایک زبردست حلقہ ہو، جو اپنی دماغی قوت، تنظیمی لیاقت اور تقریری و تحریری صلاحیت کے باعث اچھے اچھے اذہان کو متاثر کر سکتے ہوں اور انھیں اپنے دامِ خوش نما کا پوری طرح اسیر بنا سکتے ہوں۔ مطمح نظر یہ ہے کہ اس طرح جب ایک شخص خرید لیا جائے گا تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑی جماعت تنظیم کے دامن میں آجائے گی اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خود اسلامی اصولوں کو تاراج کرنے کے لیے میدان میں اتر پڑے گا اور قدیم مسلمانوں سے علمی و فکری

جنگ کے لیے وہی کافی ہوگا، ملت اسلامیہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی، اس کی اجتماعی قوت کے پرزے بکھر جائیں گے اور الزام بھی تنظیم کے سر نہ آئے گا بلکہ اس کا ذمہ دار مسلمان کہلانے والا کوئی مشہور قائد یا دانشور قرار پائے گا۔

برصغیر پر انگریز سامراج نے اپنا پرچم نصب کیا تو مسلمانوں کی دفاعی اور اجتماعی قوت کو توڑنے اور انھیں فرقوں میں تقسیم کرنے کے لیے افراد انگریزوں اور یہودیوں سے نہیں بلکہ مسلمان کہلانے والوں کے درمیان سے چُنے جس کا نتیجہ برٹش حکومت کے زوال کے بعد بھی ہمارے سامنے ہے۔

لیکن ہمارا مکار و عیار دشمن ابھی اتنی ساری تفریق پر قانع نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر ملت اسلامیہ کو بالکل ہی بے دست و پا اور ناتواں بنانے کے لیے مزید تدبیروں میں لگا ہوا ہے جن کی تفصیل کی اس مختصر خطبے میں گنجائش نہیں مگر ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ ائمہ دین نے تکفیر کا حکم لگانے میں سخت احتیاط برتی ہے مگر بدلی ہوئی یہودیت، نصرانیت اور دیگر غیر اسلامی مذاہب پر اسلام کا لیبل لگانے یا ان کے ماننے والوں کو جنتی بتانے کی حرکت کبھی نہیں کی ہے۔ اسی طرح کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والے یا ختم نبوت کا انکار کرنے والے یا خدا و رسول اور اسلام کی کھلی گستاخی کرنے والوں کی تکفیر صریح سے کبھی انحراف بھی نہیں کیا ہے مگر اب بڑے دانشورانہ انداز، داعیانہ لباس اور مغالطہ آفریں اسلوب میں عدم تکفیر کے ایک نئے فتنے کو جگانے کی سازش رچی جا رہی ہے جس کا سیرا نہ ائمہ دین سے ملتا ہے نہ صحابہ و تابعین سے بلکہ سراغ لگایا جاتا ہے تو اس کا سرا، سرکش شیاطین اور کھلے دشمنان دین سے ملتا ہے۔

پھر کچھ فروعی عقائد اور مسائل کو چھیڑنے کی بھی کوشش ہو رہی ہے جن میں سے بعض کفر تک نہیں تو ضلال تک ضرور پہنچتے ہیں اور بعض اس سے فروتر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جمہور مسلمین جن فروعی عقائد و مسائل میں متحد نظر آرہے ہیں ان میں بھی رخنہ

اندازی کر کے کسی طرح انتشار و افتراق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا جائے اور اپنی قابلیت کا لوہا بھی منوایا جائے۔ اس طرح اگر چھوٹے فتنے مسلمانوں میں باریاب ہو جاتے ہیں تو کسی دن بڑا فتنہ بھی اپنی جگہ بنالے گا اور دشمن کا خواب کسی طرح شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔

ماضی قریب میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ) نے اصول دین اور حدود تکفیر و عدم تکفیر کو اپنی تحریروں میں اچھی طرح واضح و مبہن کر دیا ہے اور ایک زمانے سے ان کے علم و تحقیق کا سکہ رواں ہے، ان کا اخلاص و تقویٰ، عشق خدا و رسول، محبت اسلام و مسلمین اور علمی و قلمی دیانت و امانت کا سونا بھی جانچا پرکھا ہوا ہے، ان کی امامت و پیشوائی مسلم ہے اس لیے آج ان کے فتوے تکفیر کو بھی خاص طور سے نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کی امامت و دیانت پر بھی ہرزہ سرائی کی جا رہی ہے تاکہ اپنے باطل افکار کو امت میں اعتبار دے سکیں اور کہیں ان کی عبارتوں کی غلط تعبیر و تشریح کیا بے جا استعمال کی بھی کوشش ہو رہی ہے تاکہ ان کا نام لے کر اپنے خود ساختہ فتنوں کو فروغ دے سکیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

حضرات علمائے کرام! آپ کے ہاتھوں میں کشتی ملت کی نگہبانی ہے اس لیے ہر طرح کے فتنوں سے ہمہ دم ہوشیار رہنے اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کی بے دریغ کوشش آپ پر فرض ہے۔

فتنے ہماری اولاد میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں، ہمارے مدارس کی چہار دیواریاں محفوظ نہیں، ہمارے گھروں کے بند کمروں میں لگے ہوئے بستر بلاکت خیز ہتھیاروں کی زد میں ہیں، ذرائع ابلاغ کی فراوانی نے ہر طرح کا حصار توڑ رکھا ہے، اب آپ کو تنہائیوں میں اور ایک جاہو کر مخصوص نشستوں میں سیلاب بلا پر بند باندھنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی ہے اور اپنی سعی محکم سے فتنوں کا سینہ چاک کرنا ہے تاکہ آپ اپنے فرض سے سبک دوش بھی ہوں اور امت کو تحفظ بھی نصیب ہو۔ السعی منّا و الإتمام من اللہ۔

حضرات! فی الحال ہم سیمینار کے مقررہ سوالات حل کرنے کے لیے جمع ہوئے

ہیں اور فوری طور پر ہمیں انہی کی طرف توجہ دینی ہے مگر میں نے مذکورہ فتنوں کا ذکر مؤخر کرنا، مناسب نہ سمجھا تا کہ آپ غور کریں، مؤثر تدابیر کی فکر کریں اور جلد ہی کوئی لائحہ عمل تیار کر کے مقابلے کے لیے مردانہ وار تیار ہوں۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَكَوْكَرَهُ الْكٰفِرُوْنَ  
 قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا ظهرت الفتن — أو  
 قال: البدع — وسب أصحابي فليظهر العالم علمه، فمن لم يفعل فعليه  
 لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله له صرفاً ولا عدلاً<sup>(۱)</sup>  
 وفقنا الله وإياكم لما يُحب ويَرْضَى، وإيدنا وإياكم بالأيد المتين، و  
 هو ذو الفضل العظيم والنصر المبين

<sup>(۱)</sup> الجامع لاخلاق الراوى واداب السامع للخطيب البغدادى ج: ۲ ص ۱۱۸



## مجلس شرعی کے پیچیسویں فقہی سیمینار کا خطبہ برصدا رت

منعقدہ: ۱۸/۱۹/۲۰ ربيع النور ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷/۲۸/۲۹ نومبر ۲۰۱۸ء

سہ شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: امام احمد رضا لاہوری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا

حضرات! مجلس شرعی کے پیچیسویں فقہی سیمینار میں آپ کی تشریف آوری کا پُر جوش استقبال ہے، مَرَّ حَبًا، أَهْلًا وَ سَهْلًا، مَرَّ حَبًا، قَدِ مَثَّمٌ خَيْرٌ مَّقْدَمٌ۔ آج کے عرف میں کسی ادارے یا تنظیم یا کسی خاص کام پر مسلسل ۲۵ سال گزر جائیں تو اسے بڑی کامیابی قرار دیتے ہیں اور اسے جشن سیمینار یا سلور جوبلی کے نام سے یاد کرتے ہیں، غالباً اسی خیال کے تحت ناظم مجلس شرعی نے اہتمام و انتظام میں کچھ اضافہ کر دیا ہے اور میرا خطبہ بھی معمول سے کچھ زیادہ طویل ہونے والا ہے۔

علاوہ ازیں مجھے یاد آیا کہ یہ سیدنا امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے صد سالہ عرس کا موقع ہے، اس لیے ان کا ذکر جمیل بھی ذرا بسط کے ساتھ ہونا چاہیے۔ خصوصاً فتاویٰ رضویہ سے، مجلس شرعی اور اس کے مندوبین کا اکتساب فیض سب سے زیادہ ہے یا بلفظ دیگر بہت زیادہ ہے، اس لیے اس موقع سے ایک ہزار تین سو بانوے (۱۳۹۲) صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ایک مجموعہ مرتب کیا گیا ہے جس کا نام ہے:

”فتاویٰ رضویہ: جہان علوم و معارف“

بعض دشواریوں کی وجہ سے یہ قبل عرس طبع نہ ہو سکا، مگر زیر طبع ہے اور ان شاء المولیٰ تعالیٰ چند ایام میں منظر عام پر ہوگا۔ امید ہے کہ بکرہ تعالیٰ علمی دنیا میں اسے

شرف قبول حاصل ہوگا۔

اب آئیے آج کی محفل کو بھی اپنے عظیم محسن کے افتخار و فتاویٰ کے ذکر جمیل سے  
برکت آشنا اور لذت آشنا کر لیں ﴿ع﴾

ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ) —————  
اپنے زمانے میں ایسے مرجع فتویٰ تھے کہ صرف غیر منقسم ہندوستان کے  
اطراف و اکناف ہی نہیں بلکہ مختلف بیرونی ممالک سے بھی ان کی خدمت میں سوالات  
آتے اور کبھی کبھی چار سو، پانچ سو، استغنا جمع ہو جاتے، کارِ افتا اتنا عظیم ہوتا کہ دس مفتیوں  
کے کام پر بھاری ہوتا، مگر امام احمد رضا قدس سرہ سب کو تنہا انجام دیتے۔

یہ سوالات اور ان کے جوابات مختلف نوعیت کے ہوتے، بعض جوابات بیس،  
پچیس، پچاس صفحات یا سو، یا زیادہ صفحات میں آتے اور ایک تحقیقی رسالے کی شکل  
اختیار کر لیتے اور کثیر جوابات دو چار صفحات یا کچھ زیادہ صفحات پر مشتمل ہوتے، اور قلیل  
تعداد میں ایسے فتاویٰ بھی ہیں جو صرف دو، چار یا دس بارہ سطروں پر مشتمل ہیں۔ رنگ  
تحقیق اور حسن تحریر سب میں نمایاں ہے۔

کچھ سوالات ایسے ہوتے کہ ان سے متعلق ریاست رامپور کی کسی عدالت میں  
مقدمہ جاری ہوتا، سائلین سوال کے ساتھ مقدمے کی پوری مسل کی نقلیں بھیج دیتے،  
جن میں گواہوں کے بیانات، وکیلوں کی جرحیں، ججوں کے فیصلے سبھی درج ہوتے۔ اعلیٰ  
حضرت ان پر نظر ڈالتے تو گواہوں کا نقص، وکیلوں کی زیادتیاں، فیصلوں کی خامیاں سبھی  
واضح کرتے اور مدلل و منقح حکم شرعی لکھ کر ہدایت فرماتے کہ فیصلے میں اس حکم شرعی سے  
عدول کی گنجائش نہیں۔ ان تفصیلی و تحقیقی جوابات میں ایک نکتہ رس قاضی اور بالغ نظر  
جج بلکہ دقات ہیں چیف جسٹس کارنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

وصیت و وراثت کا ایک مقدمہ خان پور کچہری میں پیش ہوا، مدعی و مدعا علیہ کا

بیان لینے کے بعد حج نے سات سوالات قائم کر کے آٹھ مفتیان کرام سے استفتا کیا، ان کے جوابات باہم مختلف اور ناصاف تھے، مقدمہ چیف کورٹ بہاول پور پہنچا، فاضل حج محمد دین نے تمام جوابات اور مقدمے کی مسل دیکھنے کے بعد پانچ سوالات قائم کیے جو ان کی نظر میں ہنوز تصفیہ طلب تھے پھر حکم دیا کہ وصیت نامہ، آٹھوں فتوؤں کی نقلیں اور یہ پانچ سوالات سب مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں بھیجے جائیں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرمائیں اور ان حل طلب سوالات سے متعلق اپنی رائے مع دلیل تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمائیں، ان کے علاوہ کوئی اور امر قابل اصدار فتویٰ ہو تو اطلاع بخشیں۔ حکم کے مطابق ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ کو یہ استفتا مع نقول فتاویٰ وغیرہ ارسال ہوا، یہ سب تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بعد ملاحظہ فتاویٰ تحریر فرمایا: ”بہت افسوس کے ساتھ گزارش ہے کہ آٹھوں فتوؤں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں، اکثر سراپا غلط ہیں، اور بعض مشتمل براغلاط۔“

اس کے بعد فقیر بے مثال نے اولاً کچھ افادات لکھے اور ہر افادہ کے تحت تفریحات کے عنوان سے فوائد متفرعہ تحریر کیے، جن سے احکام بھی واضح ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان مفتیوں نے کہاں کہاں، کیا کیا غلطیاں کیں، اور ان کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں ان کی نظر سے رہ گئیں۔

۲ ججی خان پور کے قائم کردہ ان ساتوں سوالات کے جوابات لکھے جو پہلے ان آٹھ مفتیوں سے ہوئے اور غلط و ناقص جوابات ملے۔

۳ چیف کورٹ بہاول پور کے تازہ پانچ سوالات کے جوابات بھی تحریر فرمائے۔

۴ آخر میں حکم اخیر لکھا کہ اس مقدمہ میں دارالقضا کو کیا کرنا چاہیے۔

یہ جواب بارہ افادات ایک سو چوبیس تفریحات اور ۲۷ ضمنی فوائد پر مشتمل ہے اور رضا اکیڈمی ممبئی کی شائع کردہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے ص ۲۱۳ سے

۲۶۰ تک تقریباً ۲۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اس سے جہاں جواب کی اہمیت نمایاں ہوتی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس وقت کے ججوں اور عدالتوں میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شہرت، مقبولیت اور استنادی حیثیت کتنی زیادہ تھی، جب کہ خان پور اور بہاول پور، بریلی کے مضافات میں نہیں بلکہ بہت دور ہیں اور اب تو دوسرے ملک میں واقع ہیں۔

قدیم نوعیت کے پیچیدہ مسائل کے علاوہ جدید مشکل مسائل بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوتے اور سائلین ان کے شافی جوابات سے شاد کام ہوتے۔

ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۰۳ھ / اگست ۱۸۸۵ء میں نواب گنج، بارہ بنکی سے شیخ عبدالجلیل پنجابی نے سوال بھیجا جس میں شاہ جہاں پور کی روسر چینی مل کی شکر سے متعلق استفتا تھا۔ (بقول مصنف تذکرہ علمائے ہند ”روسر“ (فتح راوسین) انگریز تاجروں کی ایک جماعت تھی جس نے ۱۸۸۵ء میں شاہ جہاں پور میں شکر کا کارخانہ قائم کیا تھا جس میں بکری کی ہڈیوں کو جلا کر راکھ سے شکر صاف کی جاتی تھی۔)

سوال یہ تھا کہ روسر کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک، حلال جانور کی ہوں یا مردار کی، اور سُنا گیا کہ اس میں شراب بھی پڑتی ہے، اسی طرح کل (مشین) کی برف اور کُل وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ سنا جاتا ہے، شرعاً کیا حکم رکھتی ہیں؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کے جواب میں ۲۴ / تا ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ کل تین دن کے اندر دیگر مشاغل کو باقی رکھتے ہوئے ایک رسالہ تحریر کیا: الأَحْلَى مِنَ السُّكَّرِ لَطَبَةُ سُكَّرٍ وَرُوسِرٍ (۱۳۰۳ھ)۔

اس میں پہلے دس مقدمات کی صورت میں اہم اصول و ضوابط بیان کیے ہیں پھر خاص اس باب سے متعلق ایک ضابطہ کلیہ تحریر کیا ہے۔ پھر اصل سوال کا جواب لکھا

ہے۔ پھر خاتمہ رقم کیا ہے۔

رسالے کے شروع میں لکھتے ہیں: اس مسئلہ سے سوال متکرر آیا اور آراے عصر کو مضطرب پایا... لہذا مناسب کہ بحول الواہب اس تازہ فرع کی تحقیق و تنقیح اور حکم شرع کی توضیح و تشریح اس نہج و طرز رجح کے ساتھ عمل میں آئے کہ نہ صرف اسی مسئلہ تازہ بلکہ اس قسم کی تمام جزئیات بے اندازہ کا حکم واضح و آشکار ہو جائے۔

بعد تحریر جواب آخر میں فرماتے ہیں:

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ان ”مقدمات عشرہ“ میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے جس نے انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات (مثلاً بسکٹ، نان پاؤ، رنگت کی پڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابن، مٹھائیوں وغیرہ) کا حکم خود جان سکتا ہے۔

اس ارشاد کی توضیح کے لیے وہ **مقدمات** نہایت اجمال کے ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ اصول و ضوابط اپنے دامن میں کتنے وافر جزئیات کو سمیٹے ہوئے ہیں۔

**مقدمہ (۱)** ہڈیاں ہر جانور۔ یہاں تک کہ غیر ماکول و نامذبوہ۔ کی بھی مطلقاً پاک ہیں، جب تک اُن پر ناپاک دُسومت نہ ہو، سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اس کا ہر جزو بدن ایسا ناپاک کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا۔

**مقدمہ (۲)** شریعتِ مطہرہ میں طہارت و حلت اصل ہیں۔ (سوا بعض اشیاء کے جن میں حرمت اصل ہے۔ الخ حاشیہ)

**مقدمہ (۳)** احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ و ثبوت کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہ کر شریعتِ مطہرہ پر افترا کیجیے، بلکہ احتیاطِ اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن، اور بے حاجت مین خود مین۔

**مقدمہ (۴)** بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکام شرع کی مناظ و مدار نہیں ہو سکتی۔

بہت خبریں بے سرو پا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں۔ یا ہے تو بہزار تفاوت۔

مقدمہ (۵) حلت، حرمت، طہارت، نجاست احکام دینیہ ہیں، ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر، بلکہ مسلمان فاسق، بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں، چہ جائے کہ کافر۔

مقدمہ (۶) کسی شے کا محل احتیاط سے دور، یا کسی قوم کا بے احتیاط و شعور، اور پرواے نجاست و حرمت سے مہجور ہونا، اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے، یا اس قوم کی استعمالی، خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک یا حرام و ممنوع قرار پائیں (آگے مزید تفصیل اور سات نظائر سے اصل قاعدے کی پوری تئویر ہے۔)

مقدمہ (۷) شدت بے احتیاطی، جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست و آلودگی کا غلبہ وقوع و کثرت شیوع ہو، بے شک باعث غلبہ ظن اور ظن غالب شرعاً معتبر، اور فقہ میں بناے احکام مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ دوسری طرف کو نظر سے بالکل ساقط کر دے اور محض ناقابل التفات سمجھے، گویا اس کا عدم وجود یکساں ہو۔ ایسا ظن غالب فقہ میں ملحق یقین کہ ہر جگہ کار یقین دے گا اور اپنے خلاف یقین سابق کا پورا مزاحم و رافع ہوگا۔

دوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضحک نہ سمجھے بلکہ ادھر بھی ذہن جائے، اگرچہ بضعف و قلت۔ یہ صورت نہ یقین کا کام دے نہ یقین خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبہ شک و تردد ہی میں سمجھی جاتی ہے۔  
— کلمات علما میں کبھی اسے بھی ظن غالب کہتے ہیں۔ اگرچہ حقیقتاً یہ مجرد ظن ہے، نہ غلبہ ظن۔

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر و افضل جانتے ہیں، نہ کہ اس پر

عمل واجب و مستحکم ہو جائے۔

مقدمہ (۸) کسی شے کی نوع و صنف میں بوجہ ملاقاتِ نجس یا اختلاطِ حرام نجاست و حرمت کا یقین اس کے ہر فرد سے منع و احتراز کا موجب اسی وقت ہو سکتا ہے جب معلوم و محقق ہو کہ یہ ملاقات بوجہ عموم و شمول ہے۔

اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف اتنا محقق کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ نہ کہ خاص ناپاک و حرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا التزام کرتے ہیں۔ تو اس بنا پر ہرگز ہرگز حکم تحریم و تنجیس علی الاطلاق روا نہیں۔ (آگے شواہد و نظائر سے اس ضابطے کی تنویر و تائید ہے۔)

مقدمہ (۹) جب بازار میں حلال و حرام مطلقاً کسی جنس خاص میں مختلط ہوں اور کوئی ممیز و علامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شے میں احتمال حلت قائم اور رخصت و اباحت کو اسی قدر کافی۔

مقدمہ (۱۰) حضرت حق جلّ و علانے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع و نفس الامر میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطہ قدرت سے ور ہے۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم و یقین کی رو سے طیب و طاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم ہے اور حرج مدفوع بالنص۔ بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال و طیب ہو، اور اسے مانع و نجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو۔ ولہذا جب تک خاص اُس شے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مَظَنَّةٌ قویہ حَظَرٌ و ممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش و تحقیقات کی بھی حاجت نہیں، مسلمان کو روا کہ اصل حل و طہارت پر عمل کرے اور ممکن و یحتمل و شاید و لعل کو جگہ نہ دے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش و سوال بہتر ہے، جب اس پر کوئی فائدہ مُتَرْتَّب ہوتا سمجھے۔ اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط و ورع میں کسی امرِ اہم و آگد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے (آگے نظائر سے تنویر پھر ایک ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ کی تحریر ہے۔)

اس اجمال در اجمال سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسے کیسے جو اہر زواہر اس خزانے میں محفوظ ہیں، اور کتنے کثیر جزئیات ان کلیات میں مستور ہیں۔

پہلے چاندی سونے کے سکے درہم و دینار یا روپے اور اشرفی کے نام سے چلتے تھے پھر کاغذ کے نوٹوں کی ایجاد ہوئی مگر سونے چاندی کے سکوں کا چلن بھی باقی رہا، نوٹوں کی ایجاد غالباً اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اوائل عمر میں ہو چکی تھی، نوٹوں کا رکھنا، لین دین کرنا، لے کر کہیں آنا جانا، اور لمبے سفر کرنا سکوں کی بنسبت بہت آسان ہو گیا مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ نوٹ مال ہے یا نہیں؟ سکوں کے مال ہونے میں تو کوئی شبہہ نہ تھا، اس لیے کہ وہ ثمنِ خلقی سونے یا چاندی کے ہوتے تھے، نوٹ کے معرض وجود میں آنے کے بعد دفعتاً بہت سے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے اور علماء و مفتیان کرام کے لیے تشویش کا باعث بنے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے مفتی اعظم شیخ جمال بن عبداللہ مکی قدس سرہ کی خدمت میں نوٹ سے متعلق سوال آیا تو انھوں نے احتیاط پسندی اور کمالِ دیانت و امانت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا:

”المسألة حدیثہ، و العلم أمانة فی أعناق العلماء.

مسئلہ نیا ہے اور علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔“

۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں جب امام احمد رضا قدس سرہ دوسری بار زیارتِ حریمین شریفین کے لیے گئے تو محرم ۱۳۲۴ھ / مارچ ۱۹۰۶ء میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد حرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدادی علیہما الرحمہ نے نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پر مشتمل استفتاء اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں



پیش کیا، اعلیٰ حضرت نے شنبہ ۲۱ محرم کو جواب شروع کیا اور دو شنبہ ۲۳ محرم کو چاشت کے وقت مکمل کیا۔ درمیان میں بخار کی وجہ سے وقفہ بھی ہوتا رہا۔ یہ جواب رسالے کی صورت اختیار کر گیا، اس لیے اس کا درج ذیل تاریخی نام تجویز فرمایا:

کفل الفقیہ الفاہم فی أحکام قرطاس الدرہم (۱۳۲۴ھ)  
سوالات یہ تھے:

نوٹ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکات واجب ہوگی یا نہیں؟  
کیا اسے مہر مقرر کر سکتے ہیں؟

اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟  
اگر کوئی اسے تلف کر دے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے؟  
کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے؟  
اگر مثلاً کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا متقابلہ؟ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے۔)

کیا اسے قرض دینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے؟

کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر ادھار اس کا بیچنا جائز ہے؟  
کیا اس میں بیع مکلم جائز ہے؟ یوں کہ روپے پیشگی دیے جائیں کہ مثلاً ایک مہینے کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا؟

نوٹ پر لکھی رقم سے کم یا زیادہ روپوں کے عوض اس کی بیع کا حکم؟  
دس کانوٹ مثلاً ۱۲ روپے عوض کی شرط پر قرض دینے کا حکم؟  
**وضاحت:** ان عبارتوں میں روپے سے مراد ہے چاندی کا سکہ، اور نوٹ سے مراد کاغذ کی کرنسی۔

ان بارہ سوالات میں سے بنیادی سوال پہلا تھا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دلائل و شواہد کے ذریعہ اس کی پوری تنقیح فرما کر ثابت کیا کہ یہ تانبے وغیرہ کے رائج فلوس (پیسوں) کی طرح ثمن اصطلاحی ہے اور بعد میں بعض اہل عصر<sup>(۱)</sup> کے رد میں ایک اردو رسالہ ”کاسر السّفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم“ (۱۳۲۹ھ) بھی تصنیف فرمایا۔ بقیہ گیارہ سوالات کے بھی واضح اور مدلل جوابات کفل الفقیہ الفاہم میں مکمل تحریر کیے۔

ایسے لاینحل مسئلے کا ڈیڑھ، دو دن کی مدت میں ایسا مدلل، مفصل اور تشفی بخش جواب حیرت انگیز بھی تھا اور مسرت خیز بھی۔ مکہ مکرمہ کے علمائے کرام نے اسے بہت پسند کیا اور اس کی نقلیں بھی لیں، آج بھی وہ اس باب میں ایک عظیم فقہی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جسے تسلیم کرنے پر مخالفین بھی مجبور ہوئے اور انھیں بھی بہت سارے پیچیدہ مسائل کا حل نوٹ کو ثمن اصطلاحی ماننے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

اس طرح کے اور بھی جدید مسائل پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا قلم رواں ہوا تو کافی و شافی حل سے ہم کنار کر گیا۔

المنی و الدرر لمن عمد منی آردر (۱۳۱۱ھ) الفقه التسجیلی فی عجین  
النار جیلی (۱۳۱۸ھ) الکشف شافیا حکم فونو جرافیا (۱۳۲۸ھ) وغیرہ

(۱) ان سے مراد مولوی رشید احمد گنگوہی ہیں جنہوں نے اپنے فتوے میں نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر، سرے سے مال سے خارج، اور کم و بیش درکنار، برابر کو بھی اس کی خرید و فروخت کو ناجائز کہا۔ دوسرے مولانا عبدالحی فرنگی محلی جنہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے کم یا زیادہ پر اس کی بیع نہیں ہو سکتی۔ نام رسالہ میں سفیہ سے اول، اور واہم سے دوم کی طرف اشارہ ہے۔ اول کے لحاظ سے لفظ ”بدال“ بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہیے کہ ان کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے۔ اور دوم کے اعتبار سے لفتح ہمزہ، صیغہ جمع، کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل۔ یعنی جو رقم کے برابر ہو۔ جائز رکھتے ہیں، اور دربارہ کم و بیش وہم ممانعت ہے۔ (دیباچہ کاسر السّفیہ الواہم ص: ۱۱۳ - ۱۱۴، مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف۔ بار دوم بحیات مصنف باہتمام صدر الشریعہ علیہا الرحمہ)

اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

امام احمد رضا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک پوری جماعت یا اکیڈمی مل کر جو کام نہ کر پاتی وہ تنہا انجام دیتے، قدرت نے انہیں مسلمانوں کی دینی، علمی، فقہی ضروریات کا کفیل بنا کر جلوہ نما فرمایا تھا۔

ماہ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ میں ان کے وصال کے بعد اہم مرجع فتویٰ ان کے خاص تلامذہ و خلفا تھے جن میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اور سرکار مفتی اعظم علیہا الرحمہ سب سے نمایاں تھے۔ پھر ایک دور وہ آیا کہ تنہا حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری ابن امام احمد رضا علیہا الرحمۃ والرضوان کی ذات سب سے عظیم مرجع فتویٰ اور جملہ اہل سنت کی مقتدا تھی۔ علما کے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف ہوتا تو بحث و مباحثہ کے بعد یہی طے ہوتا کہ اسے سرکار مفتی اعظم کی خدمت میں پیش کیا جائے وہ جو فیصلہ فرمائیں گے سب کے لیے قابل قبول ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کے بعد مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا دور حیات پورے ساٹھ سال کو محیط ہے ۱۴/ محرم ۱۴۰۲ھ کی شب میں ان کا وصال ہوا اور خلقت اپنے اس عظیم مرجع و ماویٰ سے بھی محروم ہو گئی۔

خدا کا فضل و احسان ہوا کہ سنہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء تک امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ کی دستیاب جلدوں کی اشاعت مکمل ہو گئی، ان فتاویٰ نے بہت سے نئے پرانے مشکل مسائل کے حل میں علمائے عصر کی بڑی دست گیری، مشکل کشائی اور رہ بری و رہ نمائی کی۔

مگر حوادث اور مسائل کسی حد پر رکنے والے نہیں، دنیا میں پیدا ہونے والے نت نئے معاشی اور تمدنی انقلابات، برقی اور شعاعی توانائیوں کے حیرت انگیز اثرات بہت سے مسائل کو جنم دیتے ہیں، خصوصاً تجارت اور اقتصادیات کے باب میں اہل مغرب ایک سے ایک، دل کش اور نفع آور طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں اور پوری دنیا کو ان کا اسیر

بنانے کی کوشش کرتے ہیں یا حریص طبیعتیں ان کی عاجلانہ منفعت کو دیکھ کر از خود ان کے دام پُر فریب میں گرفتار ہونے لگتی ہیں اور ان میں کسی کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ طریقے شرعاً جائز ہیں یا ناجائز؟ یا کون سی صورت اپنائی جائے تو یہ جائز اور درست ہوں گے اور کس صورت میں ناجائز و حرام ہوں گے۔

اس کی فکر صرف خدا ترس بندوں کو ہوتی ہے، وہ رب کی رضا و خوشنودی کا سودا بڑی سے بڑی مادی منفعت سے کرنا گوارا نہیں کرتے، ان کی صحیح رہ نمائی کے لیے ضروری ہے کہ علمائے دین معاشی و تمدنی حالات اور انقلابات کے بطن سے پیدا ہونے والے مسائل کو شرعی و فقہی پیمانے سے جانچیں اور خیر و شر، جائز و ناجائز کا محکم فیصلہ کر کے امت کو معصیت سے بچانے کی تدبیر کریں۔

لیکن دور ایسا آگیا کہ امام احمد رضا کی طرح کوئی جامع علوم، ماہر فنون اور صاحب قوت قدسیہ نہ رہا، اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی تنظیم یا ادارہ ماہرین علوم و فنون کی ہیئت اجتماعی سے یہ کام لے اور فقہی تحقیق کا سفر آگے بڑھائے۔

مگر ہر طرف سناٹا تھا۔ نہ ضرورت کا احساس، نہ پیش قدمی کا خیال۔ ایک مدت یوں ہی گزر گئی۔ بالآخر جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ، عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ نے ہمت کی اور سربراہ اور وہ علمائے اشرفیہ سے مشاورت کے بعد دسمبر ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی قائم کی، اصول طے ہوئے، علمائے کرام سے رابطے اور فقہی مذاکرات کی راہ ہموار ہوئی اور جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ / اکتوبر ۱۹۹۳ء میں پہلا سیمینار منعقد ہوا جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، اور آج ہم پچیسویں فقہی سیمینار میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔

اس فقہی کارواں کے سفر میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی سرپرستی، دل چسپی اور رہ نمائی، بہت کارگر رہی اور مذاکرات کے انعقاد، سوالات اور مقالات کی تیاری پھر فقہی نشستوں کی نظامت اور مشکل مسائل کو حل کی منزل تک

پہنچانے میں سراج الفقہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام فیضہ کا کلیدی کردار رہا۔ ابتدا میں مقالات بہت کم آتے، بحثوں میں حصہ لینے والے افراد بھی چند ہی ہوتے، زیادہ لوگ سننے، سمجھنے اور کچھ اخذ کرنے کی فکر میں ہوتے، بعض حضرات کا سکوت توڑنے کے لیے ناظم اجلاس کو خصوصی توجہ دینی پڑتی اور نام لے کر راءے و دلیل راءے کے اظہار کی گزارش کی جاتی، اس طرح سکوت ٹوٹتا رہا، ہمتیں بڑھتی گئیں اور پوری جرأت کے ساتھ بحثوں میں حصہ لینے والوں کی تعداد میں مسرت بخش اضافہ ہوا اور مقالات کی تعداد بھی زیادہ ہونے لگی۔

مقالات لکھنے اور سیمینار میں شرکت کرنے کے لیے ابتدا ہی سے کچھ جواں سال اور باصلاحیت نئے فارغین کو بھی دعوت دی جاتی رہی تاکہ وہ فقہی تحقیق، جرأت اظہار اور سنجیدہ مباحثہ و مناقشہ کے عادی بنیں اور آگے چل کر بزرگوں کی نیابت کر سکیں۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور بچھمہ تعالیٰ اس کے نتائج و ثمرات بھی حوصلہ افزا ہیں۔

قدرت نے انسان میں بے شمار صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں لیکن جب ان کا استعمال ہو پھر انہیں صیقل کر کے متحرک و فعال بنایا جائے تو وہ مفید خاص و عام ہوتی ہیں، ورنہ خفتہ رہ کر مردہ ہو جاتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مسائل شرعیہ کے حل میں ہمارے مندوبین اور شرکاءے مذاکرات کا اہم کردار ہے، انہوں نے ہر سیمینار سے متعلق مجلس شرعی کے سوالات کو بغور پڑھا، جوابات کے لیے وقت نکالا، کتب فقہ اور متعلقہ دیگر فنون کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اپنی جمع شدہ معلومات کو سلیقے سے مرتب کر کے مقالات کی صورت میں پیش کیا، تلخیص نگاروں نے اچھی طرح کد و کاوش کر کے مقالات کا جائزہ لیا، خیالات و آرا کو ان کے دلائل و تمسکات کے ساتھ کھنگال کر عمدہ انداز میں پیش کیا، پھر جملہ مندوبین نے بحثوں میں دل چسپی سے حصہ لیا، صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط جاننے اور متعین کرنے کی کوشش کی، خواہ وہ اپنی راءے ہو یا کسی اور کی، پھر انشراح صدر کے ساتھ کسی حکم پر مخلصانہ اتفاق

کر کے اسے فیصلے کی صورت دی — یہ وہ امور ہیں جن میں اُن کی مساعیِ جمیلہ کی کار فرمائی نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا۔

یہ چاہتے تو بہت سے آرام پسند اور راحت طلب لوگوں کی طرح خانہ عافیت میں گوشہ نشین رہتے، اس طرح اپنی خداداد صلاحیتوں کو بھی خفتہ یا مردہ کر دیتے اور ملت کو بھی اپنی افادیت سے محروم رکھتے مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان مردانِ کار کو پست خیالات اور بے عملی کی آفات سے بچایا، کام کرنے کی ہمت دی، امت کی فائدہ رسانی کے لیے انھیں منتخب کیا اور ان کے لیے وہ جزا و عطا خاص فرمائی جو اُس اکرم الاکریمین کی اعلیٰ شانِ کریمٰی کے شایاں ہے۔ *فلہ الحمد و المنة، و للعاملین الشکرو النعمة*.

ان میں کچھ شخصیات وہ ہیں جو ہم سے رخصت ہو چکی ہیں اور زیادہ وہ ہیں جو از ابتدا تاحال شریکِ سفر ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی شرکت دو چار سال قبل سے شروع ہوئی ہے، ہمیں سبھی کی خدمات کا اعتراف ہے، سبھی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے ربِّ کریم سے نیک جزاؤں کے خواست گار ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ۲۵ برسوں میں آپ لوگوں نے کیا کیا اور قوم کو کیا دیا؟  
جواباً عرض ہے: ستر سے زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کا بصیرت افروز حل پیش کیا اور فیصلوں کو شائع کر کے صحیح سمت میں قوم کی رہ نمائی کی۔

ذرا تکلیف کر کے سنہ ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۳ء سے ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۷ء تک کے ماہ نامہ اشرفیہ کے وہ خصوصی شمارے دیکھیں جن میں سیمیناروں کی اجمالی رودادیں شائع ہوئی ہیں، صحیفہ مجلس شرعی جلد اول، دوم دیکھیں۔ ۵ سال قبل ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں ۵۴۴ صفحات پر شائع ہونے والی کتاب ”مجلس شرعی کے فیصلے“ دیکھیں جس میں بہت اختصار کے ساتھ ساٹھ مسائل کے فیصلے درج ہیں، سال رواں میں ڈیڑھ دو ماہ قبل نشر شدہ ایک ہزار چار سو چونسٹھ (۱۴۶۴) صفحات پر مشتمل درج ذیل کتاب کی تین جلدیں دیکھیں:

## ”جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے“

ان شاء اللہ تعالیٰ سال رواں ۱۴۴۰ھ کے اختتام سے پہلے اس سلسلے کی مزید دو جلدیں ملاحظہ کریں گے۔ ان جلدوں میں فیصلوں سے قبل مندوبین کی رائیں اور ان کی دلیلیں بھی اجمالاً مذکور ہیں جن سے ان کی کاوشوں کا اندازہ اہل علم بخوبی کر سکتے ہیں۔ یہ سارا کام ان حضرات نے اپنے درس و تدریس، وعظ و تقریر اور خانگی و عائلی امور جاری رکھتے ہوئے کیا ہے۔ ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں جو ساری مصروفیات سے الگ تھلگ ہو کر سال بھر یا چند ماہ اسی کام کے لیے مختص رہا ہو۔ جب کہ ذمہ داران قوم اگر کچھ لوگوں کو سال بھر مسائل کی تحقیق اور ان پر مناقشہ و مباحثہ اور فیصلہ ہی کے لیے مختص کر دیں تو بے جا اور نہایت مفید ہے۔

اب اگر میں ان مسائل کو ذکر کرتے ہوئے ان کی دقتوں اور فیصلے کی منزل تک لانے کی کاوشوں کی طرف صرف اشارات کروں تو شاید سو صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ اس مجلس میں نہ اس قدر طول کلام کی گنجائش، نہ اتنے صفحات کی تسوید کا مجھے موقع۔ شائقین مذکورہ پانچ جلدوں کا مطالعہ کر کے تشفی کر سکتے ہیں۔ کچھ جاننے اور سیکھنے کے لیے پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے مفر نہیں۔

ہاں اگر یہاں میں ان مسائل کی صرف فہرست پیش کر دوں تو شاید بار خاطر نہ ہو۔ ملاحظہ فرمائیں جو مسائل حل کی منزل سے ہم کنار ہوئے ان کے عنوانات یہ ہیں:

۱-۲۔ الکحل آمیز دواؤں اور رنگین چیزوں کا استعمال

۳۔ بیمہ زندگی

۴۔ بیمہ اموال (جبری) بیمہ اموال (اختیاری)

۵۔ شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچانے کی اجازت

۶۔ مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت کے احکام

۷۔ دوائی اجارہ (پگڑی کے ساتھ معاملہ کرایہ فروخت)

- ۸- دیون اور ان کے منافع کی زکات
- ۹- چک کی خرید و فروخت
- ۱۰- اسباب ستہ اور عموم بلوی کی تنقیح ۱۱- اعضا کی پیوند کاری
- ۱۲- علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال
- ۱۳- تالاب اور باغات کے ٹھیکے کا مسئلہ
- ۱۴- دیہات میں جمعہ
- ۱۵- غیر مسلم حکومتوں میں جمعہ و عیدین
- ۱۶- ہائر پریچر (معاملہ کرایہ فروخت) کا حکم
- ۱۷- چھت سے سعی و طواف
- ۱۸- بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نام زدگی کی شرعی حیثیت
- ۱۹- فقہان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام
- ۲۰- فسخ نکاح بوجہ تعسر نفقہ
- ۲۱- مصنوعی سیارہ (سیٹلائٹ) سے رویت ہلال کا حکم
- ۲۲- فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے اور ان کے احکام
- ۲۳- قضاۃ اور ان کے حدود ولایت
- ۲۴ تا ۲۸- مسائل حج
- ۲۹- دنیا کی حکومتیں اور ان کی شرعی حیثیت
- ۳۰- آنکھ اور کان میں دواؤں کا منفسد صوم ہے یا نہیں
- ۳۱- تقلید غیر کب جائز، کب ناجائز؟
- ۳۲- بیت المال کے نام پر تحصیل زکات
- ۳۳- مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیل زکات
- ۳۴- کریڈٹ کارڈ



- ۳۵- تحصیل صدقات پر کمیشن  
 ۳۶- طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط  
 ۳۷- مساجد میں مدارس کا قیام  
 ۳۸- نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت  
 ۳۹- میوچول فنڈ کے ذریعہ کمپنیوں میں کاروبار  
 ۴۰- پرافٹ پلس کا حکم  
 ۴۱- طویل المیعاد قرض پر زکات کا حکم  
 ۴۲- درآمد، برآمد گوشت کا حکم  
 ۴۳- جدید مسعی میں سعی کا حکم  
 ۴۴- مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام  
 ۴۵- مجوزہ فلیڈوں کی سلسلہ وار بیچ  
 ۴۶- غیر رسم عثمانی میں قرآن حکیم کی کتابت  
 ۴۷- طویلے کے جانوروں اور دودھ پر زکات  
 ۴۸- اینی میشن (Animation) کا شرعی حکم  
 ۴۹- برقی کتابوں کی خرید و فروخت  
 ۵۰- زینت کے لیے قرآنی آیات اور کلمات مقدسہ کا استعمال  
 ۵۱- انٹرنیٹ کے شرعی حدود  
 ۵۲- بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں  
 ۵۳- فلیڈوں کی زکات  
 ۵۴- مسئلہ کفایت عصر حاضر کے تناظر میں  
 ۵۵- ڈی این اے ٹیسٹ اسلامی نقطہ نظر سے  
 ۵۶- انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم

- ۵۷- عذر کے باعث طواف زیارت میں تاخیر کا شرعی حکم
- ۵۸- چلتی ٹرین پر فرض اور واجب نمازوں کا شرعی حکم
- ۵۹- جینٹیک ٹیسٹ کا شرعی حکم
- ۶۰- بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم
- ۶۱- جدید ایجادات میں بطریق قراءت یا کتابت قرآن کریم وغیرہ بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام
- ۶۲- رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت شرعی نقطہ نگاہ سے
- ۶۳- فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع سرمایے کی زکات
- ۶۴- فقہی فروعی اختلافات کی شرعی حیثیت
- ۶۵- ضروریات دین اور ضروریات مذہب اہل سنت کی وضاحت
- ۶۶- دباغت سے پہلے ناپاک کھال کی خرید و فروخت
- ۶۷- روزے کی حالت میں علاج کے کچھ نئے مسائل
- ۶۸- غذائی اشیاء میں نقصان دہ دواؤں اور کیمیکلز کا استعمال
- ۶۹- اردو تراجم قرآن کو دوسری عجمی زبانوں کے رسم الخط میں لکھنے کا حکم
- ۷۰- بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطہ نظر سے
- ۷۱- بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج شرعاً قبضہ ہے یا نہیں؟
- ۷۲- انتقال کی شرط کے ساتھ ڈکان، مکان وغیرہ کارہن
- ۷۳- ای کامرس ٹریڈنگ شرعی نقطہ نظر سے
- مذکورہ مسائل میں سے بیش تر وہ ہیں جن میں تحقیق و جستجو اور محنت و مشقت کی بڑی کارفرمائی ہے، یہ میدان میں قدم رکھنے والوں کو بخوبی معلوم ہے۔
- کنارے سے کبھی اندازہ طوفاں نہیں ہوتا
- موجودہ پچیسویں فقہی سیمینار میں چار پانچ مسائل زیر بحث آنے والے ہیں، ان

شاءالمولیٰ الموفق الکریم ان کی تکمیل کے بعد یہ تعداد ۷۸ تک پہنچ جائے گی۔ فالحمد  
للہ حمداً موافیا لنعمة، و مکافیا لملز یدہ۔

مسائل کی تحقیق کا کام کتنا ہی نفع بخش اور بار آور ہو مگر عوام کو اس کی اہمیت کا اندازہ کم  
ہی ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا، ان حالات میں اگر کوئی اس طرف دست تعاون دراز کرتا  
ہے تو وہ ہمارے لیے بڑے ہی تشکر و امتنان کا باعث ہے۔

میں نے تیرھویں سیمینار کے بعد ”اظہارِ حقیقت اور شکر اہل عزیمت“ کے  
عنوان سے ماہ نامہ اشرفیہ میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں یہ ذکر تھا کہ ایک سیمینار  
کتنے مراحل سے گزر کر اور کتنے حضرات کی محنتوں کا جام پی کر تکمیل آشنا ہوتا ہے، یہ  
مضمون ”جدید مسائل...“ جلد دوم میں بھی شامل ہے میں یہاں اس کا ایک حصہ نقل  
کرتا ہوں اور بعد کے سیمیناروں کے پیش نظر اضافہ بھی کرتا ہوں:

”خوشی کی بات یہ ہے کہ مجلس شرعی کی کاوشوں کی اہمیت محسوس کی جا رہی ہے اور  
اس راہ میں مالی تعاون کا شمار بھی کار خیر کے تحت آگیا ہے، ورنہ اس سے پہلے کار خیر  
کے لیے عوام کی سوچ مسجد، مدرسہ اور جلسہ و جلوس سے آگے یا دائیں بائیں کہیں نہ  
جاتی تھی، اگرچہ ایسے ذی فہم اور بالغ نظر معاونین کی تعداد انگلیوں پر آسانی سے گنی  
جاسکتی ہے پھر بھی رب کریم کا بے پایاں کرم ہے کہ اپنے کچھ بندوں کے سینے اس طرح  
کے گم نام خالص دینی و علمی کام کرنے والے افراد کے لیے کھول دیے اور دین و ملت  
کے بہت سے اہم کام انجام پذیر ہونے لگے۔

(الف) دسویں فقہی سیمینار کے مندوبین کے لیے مجلس برکات جامعہ اشرفیہ  
مبارک پور کی شائع کردہ تقریباً ۴۰ کتب کا ایک ایک سیٹ (جس میں فقہ کی قدوری، شرح  
وقایہ، ہدایہ وغیرہ۔ احادیث کی موطا، مشکاۃ شریف، ترمذی شریف وغیرہ اور دیگر کئی  
فنون کی اہم کتابیں شامل ہیں۔) حضرت امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین برکاتی صاحب  
سجادہ مارہرہ مطہرہ کی عنایت سے ایک باہمت اور قدر شناس معاون نے تمام شرکاء و

مندوبین کی خدمت میں پیش کیا اور تیرہویں فقہی سیمینار میں بھی فتح القدر کی نوجلدوں، بدائع الصنائع کی سات جلدوں اور تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کی سات جلدوں کا سیٹ پیش کیا اور شانِ اخلاص وہی کہ نہ صلے کی پروا، نہ ستائش کی تمنا۔ فجزاہ اللہ خیر ما یجز یہ عبادہ المخلصین۔

(ب) گیارہویں فقہی سیمینار منعقدہ ممبئی کے تمام مصارف مولانا شاکر علی نوری کی سرکردگی میں سنی دعوتِ اسلامی نے برداشت کیے (۱) اور تیرہویں فقہی سیمینار منعقدہ مبارک پور میں بھی ایک ایک عمدہ قیمتی بیگ کا تحفہ ہر مندوب کے لیے بھیج دیا۔ جامعہ اشرفیہ کے دور افتادہ قدیم فاضل بڑے مخلص و ہمدرد اور دینی و علمی کاموں کے لیے پرجوش عالم مولانا محمد اقبال مصباحی گجراتی نے بھی اپنے تعاون سے نوازا۔ (ج) تیرہویں فقہی سیمینار کے دیگر مصارف کی اداگی کے لیے جمعیت اہل سنت گراممبئی نے دستِ تعاون بڑھایا اور جناب فیضان احمد ابن جناب عبدالعلی عزیزی، جناب جاوید بھائی، جناب شاہد بھائی اور مولانا حافظ شرافت حسین نے مبارکپور آکر خود سیمینار کے انتظامات اور مجالسِ مذاکرہ کا مشاہدہ بھی کیا۔ رب کریم تمام معاونین کو اپنی بے پایاں رحمتوں، برکتوں اور بے کراں فضل و احسان سے نوازے۔“

(د) پندرہویں فقہی سیمینار منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ تا ۲۸ فروری ۲۰۰۸ء بمقام جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے جملہ مصارف کا انتظام حضرت مولانا شاکر علی نوری امیر سنی دعوتِ اسلامی کی عنایت سے ہوا، یہ دوسرا موقع تھا جب کہ انھوں نے جملہ مصارف کا بار اپنے سر لیا اور مجلسِ کومالی مشکل سے بے فکر کر دیا۔

(ه) سترہواں فقہی سیمینار ۱۴ تا ۱۷ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰ جنوری تا ۲

(۱) یہ پہلا اتفاق تھا کہ کسی تنظیم نے سیمینار کے جملہ مصارف برداشت کیے اور سیمینار مبارک پور سے باہر عروسِ البلاد کی سرزمین پر منعقد ہوا، تاریخ انعقاد ۱۸ تا ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۹ تا ۳۱ جولائی ۲۰۰۵ء۔ جمعہ تا یک شنبہ۔

فروری ۲۰۱۰ء دارالعلوم نوری اندور ایم پی میں ہوا، مصارف کا انتظام مولانا حبیب یار خان اور الحاج عبدالغفار نوری کی سرکردگی میں ہوا، ان حضرات، ان کے رفقا اور دارالعلوم نوری کے ارکان اور طلباء و اساتذہ نے مندوبین کی خدمت و ضیافت اور دیگر امور میں بڑی دل چسپی اور مسرت و سرخوشی سے حصہ لیا۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(و) اٹھارہواں فقہی سیمینار ۱۷ تا ۱۹ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲ تا ۲۴ جنوری ۲۰۱۱ء شنبہ تا دو شنبہ حرا پبلک اسکول مہاپولی، ضلع تھانے، مہاراشٹر میں ہوا، اس کا سہرا بھی مولانا شاکر علی نوری اور سنی دعوت اسلامی کے احباب کے سر ہے، یہ دو سرا موقع تھا کہ ان حضرات کے زیر انتظام مجلس شرعی کا سیمینار مہاراشٹر کی سرزمین پر منعقد ہوا۔ اور تیسرا موقع تھا جب انھوں نے سیمینار کے جملہ مصارف بخوشی برداشت کیے اور اس اہم جماعتی کار کے لیے سب سے زیادہ حساس اور فعال ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا۔

(ز) انیسواں فقہی سیمینار ۱۹ تا ۲۱ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۴ تا ۱۶ جنوری ۲۰۱۲ء شنبہ تا دو شنبہ دارالعلوم امجدیہ بھینڈی، مہاراشٹر میں ہوا، اس کا سارا انتظام الحاج وقار احمد عزیز اور ان کے احباب و رفقا کی ہمت و خلوص کار بہین منت ہے۔

(ح) بیسواں فقہی سیمینار ۱۶ تا ۱۸ رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷ تا ۱۹ مئی ۲۰۱۳ء، جمعہ تا یک شنبہ جامعہ البرکات، علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر احقر نے عرض کیا تھا:

”ہم سراپا سپاس و امتنان ہیں کہ مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ نے بیسویں سیمینار کے لیے جامعہ البرکات کی فضا پسند فرمائی اور ایک ڈیڑھ سال قبل دارالعلوم امجدیہ بھینڈی میں منعقدہ انیسویں سیمینار کے آخری اجلاس میں بذات خود جملہ مندوبین کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی جس کی تکمیل آج عملی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔“

الحمد لله! اس خاندان اور اس خانقاہ میں بذل و سخا اور جو دو عطا کی شان آج بھی نمایاں ہے، یہاں اس سیمینار کا انعقاد بھی اسی کا ایک جلوہٴ دل نواز ہے۔“

(ط) ۲۱واں فقہی سیمینار ۱۵ تا ۱۷ صفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۲۰۱۳ء پنج شنبہ تا شنبہ پونے، مہاراشٹر میں ہوا۔ یہ حضرت مولانا ایاز احمد مصباحی مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم قادریہ پونے، مہاراشٹر، مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری، صدر دارالعلوم اور ان کے رفقا کے اہتمام و انتظام اور نامساعد حالات میں ان کی ہمت و استقامت کا مظہر جمیل تھا۔

مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و غفران اور کریمانہ عطاؤں سے نوازے اور ان کے صدور و رفقا و معاونین کو دارین میں بہتر صلہ مرحمت فرمائے۔

(ی) ۲۳واں فقہی سیمینار ۱۶ تا ۱۸ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۸ تا ۳۰ نومبر ۲۰۱۵ء شنبہ تا دو شنبہ منعقدہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مصارف دعوت اسلامی کی قریبی شاخ نے ادا کیے اور کچھ احباب یہاں آکر انتظام میں بھی معاونت کرتے رہے۔ فجز اہم اللہ خیر الجزاء۔

(یا) کچھ اور کرم فرماؤں نے بھی موقع بموقع اپنے تعاون سے نوازا، خانقاہ حبیبیہ پُرخاص ضلع کوشامبی کے صاحبِ سجادہ، محترم سید اصحاب صنفی مرحوم نے بھی ایک سیمینار میں اپنے گراں قدر تعاون سے ہمت افزائی کی، ایک بار جامعہ کے چند اہلکارے قدیم یعنی مصباحی فاضلین نے مل کر سیمینار کے تمام مصارف ادا کیے۔ مرحوم مولانا بشیر القادری نے ایک بار اپنے ادارہ واقع اسری بازار ضلع گریڈیہ کی جانب سے مندوبین کو سوٹ کیس پیش کیا۔ اور بھی بعض حضرات ہوں گے جن کے نام اور کام کی تفصیل، ہو سکتا ہے میرے ذہن سے نکل گئی ہو۔ جن حضرات نے بھی اخلاص کے ساتھ کوئی تعاون کیا یا کوئی بھی دینی خدمت انجام دی وہ شکر و اجر کے مستحق ہیں۔

میں مجلس شرعی کی جانب سے قلمی، لسانی، بدنی، مالی کسی بھی طرح کا تعاون کرنے

والے ہر کرم فرما کا شکریہ ادا کرتا ہوں، دعا ہے کہ رب کریم ان کے مخلصانہ حوصلوں کو قوت و استحکام بخشنے، ان سے دین متین کی بیش بہا خدمات انجام دلائے، دارین میں انہیں سعادت و سرفرازی سے نوازے بلکہ ہم سب کو اپنی بے کراں نعمتوں سے بہرہ وافر عطا فرمائے۔ اور شکرِ نعم کی توفیقِ جمیل بھی ارزاں فرمائے۔ و ما ذلک علیہ بعض یز۔

رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ یہ کاروانِ تحقیق مزید ہمت و شوق کے ساتھ سرگرم سفر رہے گا۔ اور مسائل جدیدہ و مشکلہ کی عقدہ کشائی کر کے امت کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

کچھ اور باتیں بھی تھیں مگر اب زیادہ وقت لینا مناسب نہیں، اجمالاً عرض ہے کہ اس دور میں فتنوں کو منظم اور منصوبہ بند طور پر ہوا دی جا رہی ہے، داخلی اور خارجی سبھی باطل فرقے اور جماعتیں اپنے بال و پر مضبوط کرنے میں لگی ہوئی ہیں اور ہم شاید اپنے بال و پر کترنے ہی کو بڑا ہنر سمجھتے ہیں جب کہ خارجی و داخلی فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اپنی جماعت کو عزت و شوکت دینے کے لیے بڑی زبردست قوتِ اجتماعی اور قوتِ عملی کی ضرورت ہے۔ مولا تعالیٰ فراستِ ایمانی، حکمتِ عملی اور مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ محکم، مفید تر اور وسیع تر کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور جماعتِ حقہ کو افتراق و انتشار اور ضعفِ عمل سے بچائے۔

و هو المستعان و علیہ التکلان، و إلیہ الإیابة و منه الإعانة. و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سید المرسلین، خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ و حز بہ أجمعین.

## باب دوم

ص ۱۶۸ تا ۳۵۲

دیگر مجالس و سیمینار میں  
پیش کیے گئے خطبات



## ”غیر مقلدیت“ و رسم اجرا ”نصر المقلدین“

بموقع ”یوم مفتی اعظم ہند“

بتاریخ: ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۵/ اپریل ۲۰۲۲ء

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

یہ جشن یوم مفتی اعظم ہند جو غالباً ۱۹۸۸ء سے طلبہ سابعہ کے ذریعہ پابندی سے انعقاد پذیر ہو رہا ہے، اس پر ہم ہمیشہ ان طلبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی یاد منانا اور ان کے ذکر کی محفل قائم کرنا تاکہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے اسوہ حیات سے درس حاصل کریں، یہ ہمارا دینی اور ملی فریضہ ہوتا ہے اور ہمارا ادارہ جن شخصیات سے وابستہ ہے اور جس مرکز علمی و فکری کی ترجمانی کرتا ہے اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ، ان کے جانشینوں اور ان سے وابستہ شخصیتوں کا ہم ذکر کرتے رہیں، تاکہ ہم اپنے مرکز سے جدا نہ ہوں اور اسی طرز حیات اور اسی طرز فکر پر ہم قائم رہیں اس روایت کو طلبہ نے قائم رکھا ہے، اس پر ہم تمام اہل ادارہ کی طرف سے ان کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اب ان کی جانب سے اس موقع پر کسی کتاب کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، ویسے جامعہ کے طلبہ کی طرف سے برابر کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں، لیکن اب خاص یوم مفتی اعظم ہند کے موقع پر بھی کوئی کتاب شائع ہونے لگی ہے، گذشتہ سال ”انوار آفتاب صداقت“ (مصنفہ: قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ) کی اشاعت ہوئی تھی اور اس سال ”نصر المقلدین“ کی اشاعت ہوئی ہے

اور اس کی ضرورت تھی اس لیے کہ ہمارے ہندوستان میں اور باہر بھی جو فتنہ پیدا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ دین سے امت کا رشتہ منقطع کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کو بہت خوبصورت طریقے سے لوگوں کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کتاب و سنت کا نام لے کر اور اس کے اتباع کی دعوت دے کر لوگوں کو بلا یا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ”کسی امام کے پیچھے چلنا گویا کہ اربابا من دون اللہ کی پیروی کرنا ہے اور اسلام سے منحرف ہونا ہے“ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امت جو رسول اللہ ﷺ تک راستہ پاتی ہے تو انھیں ائمہ کرام کے ذریعہ، اگر یہ محدثین کرام اور ائمہ کرام اور علمائے دین کی کڑیاں نکال دی جائیں تو ہمارا رسول کریم ﷺ کی ذات سے رابطہ باقی نہیں رہے گا، ان حضرات (ائمہ و محدثین) نے نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا اور کتاب اللہ کا مطالعہ کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کیا، اس میں وہ اپنے نفس کی پیروی میں نہ رہے کبھی انھوں نے یہ تلاش نہ کیا کہ جو چیز ہمارے لیے آسان ہو بس اسی کا انتخاب کر لو اور جو چیز مشکل ہو اس کو ترک کر دو، بلکہ انھوں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ قرآن کا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کیا ہے؟ جو ارشاد ہے اس کی بجا آوری ہونا ضروری ہے چاہے ہمارے لیے کتنی ہی گراں (اور) کتنی ہی مشکل ہو بلکہ عبادات کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد ہے ”افضل العبادات أحمرها“<sup>(۱)</sup> سب سے بہتر عبادت وہ ہے جس میں مشقت اور محنت زیادہ ہو۔ اس کو ہمارے ائمہ نے ملحوظ رکھا ہے خاص طور سے مذہب حنفی میں عبادات کے معاملے میں مشقت ہی کی رعایت کی گئی ہے اور بات بات پر آسانیاں نہیں تلاش کی گئیں۔ جو لوگ ائمہ کی پیروی ترک کرنے کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہمیشہ

(۱) المحیط البرہانی، الفصل العشرون فی صلاة التطوع، ج ۱، ص ۳۳۶۔

آسان چیز کی تلاش کرتے ہیں ان کے پاس کوئی اجتہادی قوت نہیں ہے۔ اجتہاد ہونے کے لیے تمام محدثین کے حالات کا، ان کی ولادت کا، وفات کا، زندگی کے طور طریقے کا، ان کے اساتذہ و شیوخ کا، ان کے معاصرین کا اور جن لوگوں سے انھوں نے حدیثیں اخذ کی ہیں ہر ایک کا کامل علم ہونا چاہیے۔

اس وقت میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ روئے زمین پر یہ ایک فرد بھی ایسا نہیں دکھاسکتے جس کے پاس ان تمام لوگوں کے حالات کا علم ہو، یہ سارا انحصار انھیں حضرات پر کرتے ہیں جنھوں نے ائمہ کے حالات میں، محدثین کے حالات میں کتابیں لکھیں، وہ خواہ شمس الدین ذہبی ہوں، یا ان کے شیخ جمال الدین مڑی ہوں یا اور ان کے بعد کے علما میں ابن حجر عسقلانی ہوں، ان کے علاوہ ان کے پاس کوئی معیار اور کوئی پیمانہ نہیں، جس کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ ”ضعیف ہے“ تو یہ ان کو ضعیف کہیں گے، جن کو انھوں نے ثقہ لکھا ان کو ثقہ کہیں گے بلکہ اپنے مطلب کے لیے اس سے بھی انحراف کر جاتے ہیں (مثلاً ایک راوی کے بارے میں چند اقوال ذکر کیے گئے لیکن جس کی روایت کو انھیں ترک کرنا ہے تو اس کے بارے میں جرح والا قول لیں گے اور توثیق والا قول چھوڑ دیں گے، یہ ان کی خاص علامت ہے۔)

اور اب تو سب کچھ چھوڑ کر محض شخص واحد ناصر الدین البانی نے جو کچھ لکھ دیا جمع کر دیا اور اس کو ان لوگوں نے انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کر دیا اس کو دیکھ لینا ہی کافی سمجھتے ہیں یہ کسی مجتہد کی شان نہیں ہے اور نہ ہی یہ لوگ (وہابیہ غیر مقلدین) اس پر عمل کر کے تقلید سے بچ سکتے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے یا بارہ سو سال پہلے کے ائمہ کی تقلید اور ان پر اعتماد ترک کر کے تیرہویں اور چودہویں صدی کے ایک شخص پر اعتماد کر لیا تو تقلید سے بری کہاں ہوئے؟ رجال کا باب آیا تو بھی کسی کی تقلید کی، رجال کے بارے میں توثیق و تضعیف

کاباب آیا تو بھی کسی کی تقلید کی اور احادیث کے سلسلے میں تو سرے سے ان کے پاس وہ روایت ہی نہیں ہے جو سینے والی ہوتی ہے اور امام اعظم کے یہاں تو یہاں تک شرط تھی کہ اس وقت تک کسی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جب تک سننے سے لے کر، ادا کرنے تک اس کے سینے میں محفوظ نہ ہو، جب کہ دیگر ائمہ کے یہاں سہولت تھی کہ اگر کتاب کے ذریعہ بھی اس نے محفوظ کر رکھا ہے، لکھ رکھا ہے، پھر اس کی روایت کتاب کو دیکھ کر کر رہا ہے تو اس کی روایت بھی مقبول ہے اور امام اعظم کے یہاں یہ شدت تھی کہ راوی کی روایت اسی وقت قابل قبول ہوگی جب کہ وہ شخص روایت سننے سے لے کر اس کے پہنچانے تک اس کا حافظ ہو، تو اس طریقہ کا سلسلہ روایت ہے ہی نہیں یہ ختم ہو چکا ہے اور جن حضرات کی روایت پر اعتماد کر رہے ہیں یہ سب کے سب مقلد ہیں، چاہے امام ترمذی ہوں یا امام نسائی، امام ابو داؤد ہوں یا امام ابن ماجہ سب کے سب مقلد ہیں، امام مسلم اور امام بخاری بھی مقلد ہیں، امام بخاری کے بارے میں تو خیر دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مقلد تھے تو ان کے طور پر تو یہ ائمہ تقلید کر کے مشرک ہو چکے اور یہ ان مشرکوں کی روایتوں کو قبول کر رہے ہیں اور ان کو مان رہے ہیں! ضعیف اور کمزور، کذاب اور مستہم بالکذب یہ سب تو درکنار رہا یہ لوگ اسلام سے ہی خارج ہو گئے یہ سب مشرک ہو گئے، تو غیر مقلدین کی ساری دعوت ان مشرکوں کی روایت کی طرف ہے، ان کے پاس کوئی اپنا سلسلہ روایت ہو تو لائیں یہ دنیا بھر میں ائمہ سے چھڑا کر دراصل اپنا متبع اور مقلد بنانا چاہتے ہیں، اس لیے کہ آپ ہندوستان میں، پاکستان میں، بنگلہ دیش میں، نجد میں اور سعودی عرب میں دیکھ لیں کہ جو مسئلہ ایک شخص نے لکھ دیا اور ایک شخص نے بیان کر دیا سب اسی پر کار بند ہیں کوئی اس سے انحراف نہیں کر رہا ہے، غیر مقلد ہیں لیکن سب کے نزدیک تراویح آٹھ

رکعت ہے (جب کہ) بیس رکعت کا ثبوت ہے چھتیس رکعت کا بھی قول ہے، چالیس رکعت کی بھی ایک روایت ہے، لیکن وہ سختی والا قول نہیں لیں گے ہمیشہ آسانی والا۔ تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی، یہ کسی امام کا قول نہیں ہے، لیکن وہی ان کے نزدیک پسندیدہ ہے یہاں تک کہ شوکانی نے ”ذیل الاوطار“ میں یہ لکھ دیا اور یہ بتا دیا کہ ”بالغ کو بھی اگر عورت دودھ پلا دے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا ہو جائے گا“ اس پر بھی ان لوگوں نے عمل شروع کر دیا، سعودیہ عربیہ میں اس پر بھی عمل (ان لوگوں نے) شروع کر دیا ہے، تو اگر یہ اجتہاد کریں تو ان کا اجتہاد یہاں تک پہنچتا ہے ورنہ تو ائمہ ہی سے یہ روایتیں لیتے رہے، یہ کیا بات ہے کہ اگر آپ مجتہد ہیں تو ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے ہر دور میں اختلاف رہا ہے لیکن یہاں سب کا ایک ہی اجتہاد، ایک ہی فتویٰ، ایک ہی حکم، ایک ہی عمل؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پانچواں مذہب تیار کر لیا ہے اور اس کی پیروی کی دعوت دی جا رہی ہے اور نام لیا جا رہا ہے، کتاب و سنت کی پیروی کا! تو یہ ہے ان کا مذہب جو ان (تمام مذاہب) سے الگ تھلک ایک مذہب ہے، نہ ان کے پاس قوت اجتہاد ہے، نہ علم رجال ہے، نہ علم حدیث ہے، نہ علم قرآن، استخراج کی جو صلاحیت ایک مجتہد کو ہونی چاہیے وہ ان میں سے کسی کے پاس بھی موجود نہیں ہے، مختلف مذاہب سے خوشہ چینی کر کے ایک معجون مرکب تیار کیا ہے اور وہ پانچواں مذہب بن گیا ہے، اور اس کی دعوت دے رہے ہیں اور نام کتاب و سنت کا لیتے ہیں! اور جہاں جہاں انھوں نے ائمہ کا دامن چھوڑا ہے تو وہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ (مثلاً ڈرائیور کو اگر دودھ پلا دیا ہے عورت نے تو وہ اس کا بیٹا ہو گیا اب اس کے ساتھ کتنی ہی خلوت صحیحہ ہو، کتنا ہی لمبا سفر ہو کوئی حرج نہیں۔ یہ اجتہاد ہے یا بڑے بڑے فتنوں کا پھانک؟) اپنے اجتہاد سے جہاں ائمہ سے ہٹ کر کوئی مسئلہ لیا ہے وہاں یہی حال ہے،

اور سب آسان آسان باتیں اپنے مذہب میں رکھ لی ہیں، ان کا یہ فتنہ بڑھ رہا ہے۔ اور بھی ان کے سلسلے میں بہت سی چیزیں ہیں جو آپ حضرات کو معلوم بھی ہوں گی اور بیان بھی کی جاسکتی ہیں۔ میں اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

بہر حال یہ کتاب ”نصر المقلدین“ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ جو شخص بھی قوت اجتہاد سے خالی ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی امام مجتہد پر اعتماد کرے اور اس نے اپنے اخلاص و دیانت اور علم کی روشنی میں جو بھی حکم بیان کیا ہے اور کتاب و سنت سے استخراج کر کے لوگوں کے لیے جو راہ متعین کی ہے اسی پر عمل کرے، ایسے لوگ اگر اس سے ہٹیں گے تو یقیناً منحرف ہوں گے اور کبھی صحیح راستے پر گامزن نہیں ہو سکتے، نہ منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں درجہ سابعہ کے طلبہ نے جو اقدام کیا ہے اور ”نصر المقلدین“ نامی کتاب شائع کی ہے اس پر بھی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ اس سے آپ کو، ہم کو اور دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ حاصل ہو اور دین حق کی راہ لوگوں کے لیے واضح اور روشن ہو اور باطل سے لوگ اجتناب کریں، اس سے دور رہیں اور باطل کے بطلان کو پوری طرح سمجھیں۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## اولیاء اللہ کی شان

بمقام: موربی، راج کوٹ، گجرات --- بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۱۲ء

ہر ایک اجلاس میں نقابت کا جو دور چلا ہے اس میں نقیب اپنا فرض سمجھتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے آنے والوں کی مدح و ستائش میں مبالغہ سے کام لے اور مبالغہ اگر مبالغہ ہی کے انداز کا ہو تو قبول کیا جاسکتا ہے۔

محدث اعظم قدس سرہ کا ایک شعر یاد آ رہا ہے کہ آپ نے فرمایا:

شرط یہ ہے کہ روا حد رواہی میں رہے

کون کہتا ہے نہ لو کام رواداری سے

مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کو بھی انہیں نقیبوں کا صدقہ ملا ہے اور اب بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچا دیا کہ ”سب علما ایک پلے میں رکھے جائیں اور ایک عالم ایک پلے میں تو اس کا پلا بھاری ہو جائے گا، مبالغہ کو کذب تک پہنچا دیتے ہیں اور سامعین کو بھی ہم نوا بنا کر گناہ میں شریک کر لیتے ہیں اور جس کے بارے میں کہتے ہیں اسے تو سب سے بڑا گنہ گار بنا دیتے ہیں۔ میں کہاں اور علمائے دین کہاں ان کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اگر اپنی صف میں بٹھالیں تو میں سمجھوں گا کہ زمین کو آسمان پر پہنچا دیا۔

مدنی میاں باپو سے میرا تعارف جامعہ اشرفیہ میں اس وقت ہوا کہ جب اپنے صاحبزادے سید عبدالرشید کو جامعہ اشرفیہ میں بھیجنے کے بعد وہ کئی بار تشریف لائے اور یہاں آنے کے بعد میں نے دیکھا کہ موربی کے مسلمانوں کے دلوں پر ان کی حکومت ہے اور یہ بلا وجہ نہیں ان کے اخلاق کریمانہ ایسے تھے، ان کی

دادود ہش ایسی تھی کہ لوگ ان کے گرویدہ ہوتے چلے گئے اور صرف ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے، ایک آل رسول ہونے کی حیثیت سے انھوں نے یہاں زندگی نہیں گزاری بلکہ سماج کے ایک خادم کی حیثیت سے اور لوگوں کے ایک دردمند کی حیثیت سے اور لوگوں کے غم و خوشی میں شریک کار کی حیثیت سے زندگی گزاری اور یہ وہ کمالات ہیں جو کسی کے بھی گرویدہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

رب تبارک و تعالیٰ ان کے فیضان کو جاری و ساری رکھے اور ان کے صاحبزادگان کے ذریعہ ان کے اخلاق کریمانہ کا ان کی دادود ہش کا حصہ ملتا رہے۔

ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے انھوں نے پوری کوشش اس بات کے لیے کی کہ آپ دین کی راہ پر قائم رہیں سنیت پر آپ کو استقامت حاصل ہو اور بد مذہبوں کا شکار نہ ہونے پائیں ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کی کوششوں کی بنا پر یہاں پر مسلمانوں کو فروغ حاصل ہوا، ان کے ذریعہ یہاں سنیت کو فروغ حاصل ہوا اور جیسا کہ ابھی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب سے سنا کہ بد مذہبوں سے یہ شہر محفوظ رہا تو اس میں مدنی میاں کی استقامت کو ضرور دخل ہے اگر وہ لوگوں کو قریب نہ رکھتے، لوگوں کے حالات میں ان کے شریک نہ ہوتے اور لوگوں کو دین سے قریب نہ رکھتے تو اور جگہوں کی طرح ان کا بھی حال یہ ہوتا کہ جو چاہتا ان کو اپنا شکار بنا لیتا۔

انسان کے لیے یہ عظیم نعمت ہے کہ دنیا سے وہ ایمان کے ساتھ جائے اگر ہمارا آدمی غیروں کا شکار ہو گیا تو اس کے مفلس و محتاج ہونے اور گداگر ہونے سے بھی زیادہ المناک بات ہے کہ اس کا دین لٹ گیا، اس کا ایمان لٹ گیا دولت اگر لٹ جائے تو واپس مل سکتی ہے انسان کی کوشش سے



حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ایمان چلا گیا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو گیا تو اب وہ ملنے والی چیز نہیں، واپس آنے والی چیز نہیں، دائمی طور پر وہ ہلاکت کا شکار ہو گیا اس لیے آپ سب حضرات کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے، ان کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ انہوں نے آپ کو دین سے وابستہ رکھا اور راہ حق پر گامزن رکھا اور ان کی راہ نمائی کی وجہ سے ان کی غم گساری کی وجہ سے اور ان کی دردمندی کی وجہ سے آپ حضرات بہک نہ سکے اور صراط مستقیم پر رہے۔ رب تبارک و تعالیٰ ہمیشہ آپ کو آپ کی نسل کو راہ حق پر، صراط مستقیم پر قائم و دائم رکھے۔

یقیناً اللہ کے نیک بندوں کے صدمے میں دوسروں سے بھی بلائیں ٹلتی ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

ان الله ليدفع بالرجل الصالح عن مائة اهل بيت من جيرانه  
البلاء. (۱)

اللہ ایک مرد صالح کی وجہ سے اس کے پڑوس کے سو گھر کے لوگوں سے بلائیں دور کرتا ہے۔

ایسے افراد کا ہم سے جدا ہونا یقیناً ہمارے لیے محرومی کا سبب بنتا ہے لیکن ہم اس کے قائل ہیں کہ اللہ والے برزخ کی دنیا میں پہنچنے کے بعد بھی فیض عطا کرتے رہتے ہیں، ہاں اس زمانے میں ہم کو بھی کوشش کرنی ہے ہم کو بھی راہ حق پر رہنے کا جتن کرنا ہے تاکہ کوئی دوسرا ہمیں شکار نہ کر سکے۔ لیکن اولیائے کرام کی بدولت یہ دنیا قائم ہے انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے شام میں جو ابدال رہتے ہیں ان کے متعلق سرکار نے فرمایا کہ: بہم تنصرون و بہم ترزقون

ایک اور حدیث میں سناتا ہوں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معجم طبرانی میں روایت ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، ج ۴، ص ۲۳۶

ان لله عبادةً اختصاصهم بحوائج الناس يفزع الناس اليهم في حوائجهم اولئك الامنون من عذاب الله. (۱)

اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو رب تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کر دیا ہے کہ لوگ اپنی ضروریات میں ان کی پناہ لیتے ہیں، ان سے مدد مانگتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے لیکن رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے کچھ بندوں کو اسی لیے پیدا ہی فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجت روائی کرتے رہیں، لوگوں کی ضروریات میں کام آتے رہیں، لوگ ان سے مدد مانگتے رہیں اور ان کی پناہ لیتے رہیں۔ آپ حضور ﷺ کا ارشاد مانیں گے یا ان کا قول مانیں گے؟

سرکار کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ نے کچھ بندوں کو اسی لیے خاص کر رکھا ہے کہ وہ لوگوں کی ضروریات میں ان کے کام آتے رہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں؟ اس کی بھی نشان دہی فرمادی ”اولئک الامنون من عذاب اللہ“ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔ اب اللہ کے عذاب سے کون لوگ بے خوف ہیں یہ قرآن سے آپ دریافت کریں۔ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲)

بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

تو اللہ کے عذاب سے بے خوف رہنے والے یہی اولیاء کرام ہیں اور وہی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کر رکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو اولیاء کرام کے دامن سے وابستہ رہنا چاہیے لیکن صرف وابستگی ہی ضروری نہیں بلکہ ان کے طریقے کو اپنانا اور ان کے

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، ج ۱۲، ص ۳۵۸

(۲) ﴿یونس آیت ۶۲ پارہ ۱۱﴾

ارشادات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

آدمی نماز، روزہ، حج، زکات جو بھی فرائض ہیں ان سے غافل ہو جائے اپنے حقوق سے غافل ہو جائے اور نہ بیٹا باپ کا حق ادا کرے نہ باپ بیٹے کا اور نہ پڑوسی پڑوسی کا حق ادا کرے اور سمجھیں کہ صرف اولیائے کرام کے دامن سے وابستگی کافی ہے، ظاہر ہے کہ اولیائے کرام بھی تو دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص کس قدر نافرمانی کر رہا ہے کس قدر معصیت کر رہا ہے اور کس قدر اللہ کے احکام کے خلاف چل رہا ہے تو وہ دست گیری کرنے کے لیے بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے لہذا انسان کو کبھی خدا کے احکام کے بارے میں جبری اور بے باک نہیں ہونا چاہیے اور کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ہم جو بھی گناہ کریں سب بخش دیا جائے گا، فلاں ولی کے طفیل --- اولیائے کرام سے وابستگی کے ساتھ ساتھ ان کے طریقے کو اپنانا اور ان کے ارشادات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ آپ کسی ولی کے بارے میں نہیں بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے آزاد روی کو پسند کیا ہو یہاں تک کہ سرکارِ غوثِ اعظم نے جو زندگی گزاری وہ اس طور سے گزاری کہ مسلمانوں کو پابند بنایا۔ لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہو کہ جو چاہو کرو حرام و حلال، سب میں بخشو اور گناہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوا ایک ایک مجلس میں ہزار ہا ہزار آدمی تائب ہوتے تھے کس بنیاد پر تائب ہوتے تھے اس لیے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور آدمی دیکھتا تھا کہ میں تو گناہ گار ہوں، عصیاں شعار ہوں ان کے یہاں آکر کے تائب ہوتا تھا اور نیک راہوں کا راہی ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اولیائے دین میں سے ہو جاتا تھا تو سرکارِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی ضمانت نہیں لی ہے کہ تم غلط راستے پر چلتے رہو میں تمہارا بیڑا پار کر دوں گا۔ انھوں نے بھی ہمیشہ صحیح راستے پر چلنے کی تلقین فرمائی ہے اور ہمیشہ دین اسلام دین حق کی رہ نمائی فرمائی ہے اس لیے بہت سے بے دین بھی ان کے

ہاتھوں پر تائب ہوتے تھے اور مذہب اسلام میں داخل ہوتے تھے، تو عمل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کو اولیاء کے فیوض و برکات حاصل کرنا ہے اور وقت ضرورت ان سے مدد لینا ہے نہ یہ کہ آپ ان کے راستے سے پہلے ہوئے رہیں اور ان کی نافرمانی کریں ان کے ارشادات کو ٹھکراتے رہیں اور سمجھیں کہ وہ ہمارا کام بنادیں گے ایسا نہیں ہے۔ دونوں باتوں کا خیال رکھنا آپ کے لیے ضروری ہے یہ سمجھنا کہ اولیاء کرام سے استمداد و استعانت شرک ہے یہ بالکل ان کے خلاف ہے حدیث کے خلاف ہے سرکار کی ہدایت کے خلاف ہے ارشاد ربانی کے خلاف ہے اور یہ سمجھنا کہ ہم گناہ پر گناہ کرتے رہیں ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ یہ بات ہوتی تو انبیاء کرام کو بھیجنے کی حاجت کیا تھی؟ اولیاء کرام کو بھیجنے کی حاجت کیا تھی؟ ہر زمانے میں علمائے کرام کو بھیجنے کی حاجت کیا تھی؟ اور ہمارے بزرگوں نے جو راتیں صرف کی ہیں، مجالس بٹھائی ہیں، مجاہدے کرائے ہیں، چلے کرائے ہیں، ان سب کی کیا ضرورت تھی؟ ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ اپنے کوراہ راست پر رکھا بلکہ دوسروں کا بھی بیڑا پار لگایا یہاں تک کہ ہادی و رہنما بنا دیا، تو اس بات کو بھی اپنے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو بھی فرمان ہے اور حکم ہے اس کی بجا آوری ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہماری آخرت بہتر ہو سکتی ہے، ہمارا خاتمہ بہتر ہو سکتا ہے اولیاء کرام کے فیوض و برکات زیادہ سے زیادہ فراوانی کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں اگر ہم ان کے طریقے پر چلتے رہے اور عمل کرتے رہے۔ رب تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

مدرسہ نثارالعلوم اکبرپور کے زیر اہتمام دعوت و تبلیغ کے موضوع پر منعقد سیمینار بعنوان

فارغین مدارس میں داعیانہ کردار کی ضرورت اور اس

کے تقاضے

منعقدہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹ اپریل ۲۰۱۴ء کا خطبہٴ صدارت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أما بعد فاعوذ باللہ من  
الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم أَدْعُو إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَ  
الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ<sup>(۱)</sup>

میں سب سے پہلے مدرسہ نثارالعلوم (اکبرپور) کے ذمہ داران کو مبارک  
باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے دعوت کے موضوع پر سیمینار رکھا اور اس پر اہل  
علم کو سوچنے سمجھنے اور لکھنے بولنے کی ترغیب اور دعوت دیکھیں کہ اس موضوع  
پر بہت کم غور و خوض کیا جاتا ہے۔

ابھی آپ نے ہمارے محترم ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی سے ایک قبیح  
مقالہ سماعت فرمایا چونکہ دعوت کے موضوع کو نصاب میں شامل کرنے کی  
بھی سفارش کی گئی اس لیے آپ نے نصاب کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور یہ  
بتایا کہ اسلامی تعلیم کا نصاب کن اجزاء سے مرکب ہونا چاہیے اس کی عمدہ تفصیل  
کی، خاص طور سے اخلاق اور تصوف کی شمولیت پر زور دیا اور کئی بار انھوں نے اس  
نصاب کا ذکر کیا جو انھوں نے اتر پردیش مدرسہ بورڈ کے لیے تیار کیا تھا۔

(۱) سورہ نحل، ۱۵، آیت ۱۲۵

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۳۴ء سے لے کر آج تک اترپردیش مدرسہ بورڈ کا جو نصاب تھا وہ کبھی جاری نہیں ہوا اور کبھی بھی اس کو عملاً نافذ نہیں کیا گیا۔ کبھی اس کی تدریس باضابطہ اور مکمل طور پر نہیں ہوئی، آج تو امتحان کھیل بن کر رہ گیا ہے پہلے جب امتحان باضابطہ ہوتا تھا اس وقت بھی کچھ کتابیں اور کچھ مضامین امتحان سے پہلے پڑھادیے جاتے تھے اور باقی یوں ہی کام چلا دیا جاتا تھا، بحیثیت مجموعی بیش تر کتابوں کے دونوں نصابوں میں اشتراک کی وجہ سے کام چل بھی جاتا تھا۔

کیا نصاب ہے کیا ہونا چاہیے اور کیا پڑھانا چاہیے اور کس طور سے پڑھنا پڑھانا چاہیے؟ یہ بات ہماری سوچ سے بہت دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔

عموماً مدرس یہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مدرسہ نے مقرر کر رکھا ہے وہ وقت ہم کو پورا کر دینا ہے اور پھر ہم فارغ ہو گئے، طالب علم کے اندر کوئی صلاحیت پیدا ہو یا نہ ہو۔ مزید بگڑتا ہوا جو ماحول ہے وہ یہ ہے کہ پانچ گھنٹے یا چھ گھنٹے ڈیوٹی بھی ضروری نہیں ہے، مدرسہ کے رجسٹر میں دستخط ہو جانا کافی ہے ان سارے اصحاب کی تطہیر سب سے زیادہ ضروری ہے کم سے کم اپنے ایمان اور اسلام کے واسطے سے یہ سوچیں کہ ہمارا دین کسی بھی امانت میں خیانت کرنے کی اجازت نہیں دیتا، ہم خود کسی کو اجیر کر لیں اور وہ ہم سے آنکھ مچولی کر کے چلا جائے تو ایک پیسہ کا ہم اسے حق دار نہیں کہیں گے۔

لیکن آج مدرسے کا فارغ التحصیل عالم اس طرح کے عمل کو کوئی جرم نہیں سمجھتا اور کوئی گناہ نہیں شمار کرتا۔ جب ایمانی و فکری پستی اس حد تک پہنچ چکی ہو تو اس ماحول کی اصلاح کیسے کی جاسکتی ہے اور اس ماحول کو کارآمد کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ ہمارے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔

کوئی بھی نصاب ہو، کوئی بھی نظام ہو جس کو ہم نافذ کرنا چاہتے ہیں آج کا

مدرس اور ماحول اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو ہماری ساری فکر ہمارے دماغوں میں، ہماری کتابوں میں بند ہو کر رہ جاتی ہے اور عملی دنیا کا رنگ نہیں دیکھ پاتی۔ اس لیے آج جب خود ان فارغین کی تطہیر ہو اور ان کے اندر اپنے دین کے تحت، اپنے ایمان کے تحت یہ احساس پیدا ہو کہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض عائد کیے گئے ہیں ان میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ جس کام کو ہم بطور اجارہ عمل میں لارہے ہیں اس کام میں کسی بھی طرح کی خیانت کے ارتکاب سے بچیں اور یہ بھی دیکھیں کہ جس ذمہ داری کو ہم لے رہے ہیں اس کے ہم اہل ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو اہلیت پیدا کریں اور اس کام کو جس طرح سے انجام دینا چاہیے اس طرح سے انجام دینے کی کوشش کریں۔ میں یہ سب کے بارے میں نہیں کہتا۔ مجھ تعالیٰ بہت سے اساتذہ

ایسے ہیں جو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں اور انھیں کی بدولت آج طلبہ کے اندر کچھ علمی، کچھ فکری شعور پیدا ہوتا ہے لیکن ایک عام بیماری اور ایک عام خرابی جو پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے اس کو ذکر کرنا اور اس پر بند باندھنا بہت ضروری ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ایسے افراد کی تعداد گھٹ نہیں رہی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور ہم کسی بھی مجبوری کے تحت ایسے لوگوں کو قبول کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنا رویہ نرم رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں یا مجبور بن جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ماحول جب تک ختم نہ ہو تب تک ہمارا کوئی بھی منصوبہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارا دینی شرعی کوئی بھی منصوبہ جیسے ہم چاہتے ہیں ویسے بروے عمل نہیں آسکتا۔

جہاں تک بات ہے دینی دعوت کی تو یقیناً انبیاء کرام کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ خلق خدا کو خدا کی دعوت دی جائے، اس کی راہ پر لگایا جائے اور اسکے دین پر چلایا جائے اور تمام انبیاء کرام نے اپنی ظاہری زندگی تک تا حد امکان اس

کام کو انجام دیا۔ یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے تیسیس سالہ زندگی کے اندر سارے حقوق کو انجام دینے کے بعد بھی حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

ألا هل بلغت کیا میں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا؟ اور اس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کو گواہ بنایا۔

یقیناً علمائے کرام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ امت کو حق کی اور نیکی کی دعوت اور ترغیب دیں۔

جہاں تک نصاب کی بات ہے تو اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارا جو قدیم نصاب رہا ہے اور جو نصاب آج ہے دونوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم داخل ہے۔ جب ہم نے قرآن اور حدیث کی تعلیم دے دی تو قرآن و دعوت کی تعلیم بھی دے رہا ہے۔ حدیث بھی دعوت کی تعلیم دے رہی ہے۔ اسی طریقے سے اخلاق کی تعلیم، یہ بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دعوت کو ایک الگ عنوان اور موضوع کے طور پر نصاب میں جگہ نہیں دی گئی اسی طریقہ سے تصوف کو ایک الگ موضوع کے طور پر نصاب میں جگہ نہیں دی گئی۔

لیکن ہمارے اسلاف جو نصاب پڑھاتے تھے اس پر عمل کی ترغیب بھی دیتے تھے کم از کم حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک کے ہم شاہد ہیں کہ انھوں نے بھی جو نصاب پڑھا ہے اس میں بھی تصوف کو ایک مضمون کی حیثیت سے الگ نہیں کیا گیا اسی طریقہ سے دعوت کو، موعظت کو، تبلیغ کو ایک مضمون کی حیثیت سے الگ نہیں کیا گیا لیکن ان حضرات کی تعلیم اس طریقے سے ہوتی تھی اور اس نیت سے پڑھتے پڑھاتے تھے کہ ان کو اس پر عمل بھی کرنا کرانا ہے اس لیے وہ شروع سے ہی اخلاق کے پابند اور تہذیب و شائستگی کے حامل ہوا کرتے



تھے خوف خدا ان کے اندر موج زن ہو کر تھتا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے تھے اور جو کچھ بھی پڑھتے تھے اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ آج چوں کہ پڑھنا صرف پڑھنے کے لیے رہ گیا ہے یا پڑھنا ذریعہ معاش بن چکا ہے اس لیے وہ عملی زندگی میں بہت کم جگہ پاتا ہے پھر قواعد و کلیات کے بعد جزئیات اور فروع پر توجہ اور یہ کہ ایک کلیہ سے بہت سے احکام مستخرج ہوتے ہیں ان تک لوگوں کے ذہن کی رسائی نہیں ہو پاتی ہے اسی لیے پہلے جو کتابیں ہوتی تھیں ان کے اندر تمرینات نہیں ہوتی تھیں اساتذہ و طلبہ از خود قواعد کا اجرا کرتے کراتے تھے اور آج ہر کتاب کے اندر تمرینات ہوتی ہیں مشق کے لیے سوالات ہوتے ہیں اس سے ذہن کو بیدار کیا جاتا ہے اور متوجہ کیا جاتا ہے۔ تو جس طریقہ سے نحو و صرف منطق و فلسفہ وغیرہ علوم و فنون میں نصاب کے اندر ہم نے ترمیم کی ہے، آج کے حالات اور ضرورت کے پیش نظر ہم دعوت کو بھی ایک الگ موضوع کی حیثیت دے سکتے ہیں۔

تصوف کو ایک موضوع کے طور پر ہم نے شامل نصاب کر لیا ہے اور ہمارے نصاب میں حدیث کا ایک بڑا حصہ جو اخلاق سے متعلق ہے شامل ہے، ریاض الصالحین شامل ہے اور منہاج العابدین شامل ہے۔ دعوت کو بھی ایک موضوع کے طور پر شامل کیا جاسکتا ہے۔

دعوت کا تعلق زیادہ تر پریکٹیکل یعنی عمل سے ہے ہم کتنے ہی اصول و ضوابط، قوانین و قواعد پڑھ لیں پڑھالیں اگر عملی دنیا میں قدم نہیں رکھا تو مقصد ہی حاصل نہیں ہوگا۔ دعوت کا مقصد یہ ہے اسلام کی تعلیمات ہم دوسروں تک کیسے پہنچائیں، ان کو اسلام سے کیسے روشناس کرائیں، اسلام کا گرویدہ کیسے بنائیں؟ اس کے لیے ظاہر ہے کہ غیروں سے ملنا ہوگا ان کو قریب لانا ہوگا یا کوئی شریعت سے برگشتہ ہو رہا ہے تو اس کو اس کے قریب لانا ہوگا۔ ہم نے اس پر تو بڑی سختی

سے عمل کر لیا کہ اگر کوئی آدمی ذرا سا برگشتہ ہوا تو اس کو اپنے ماحول سے نکال باہر پھینک دیتے ہیں، اس سے ملنا جلنا ترک کر دیتے ہیں لیکن اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ اگر ایک آدمی کچھ بگڑ رہا ہے تو کیسے اس کو سدھارا جائے، کیسے اس کو راہ راست پر لایا جائے، دین سے یا اسلام سے وہ دور ہو رہا ہے تو کیسے اس کو واپس لایا جائے اور اس کے ذہن کی خرابی کیسے دور کی جائے؟ یہ کام ہم انجام دیتے رہتے تو ہماری تعداد گھٹتی نہیں، بڑھتی رہتی۔

دوسرے لوگ تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کس کے اندر ۱۰ فیصد ۵ فیصد یا ۲ فیصد ہماری طرف میلان ہے کہ ہم اس کو اپنی گود میں لے لیں اور اس کو اپنے ماحول میں ڈھال لیں اور اپنے جیسا بنالیں۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی ۲ فیصد بھی منحرف ہو رہا ہے یا اس کا ذہن بگڑ رہا ہے تو اس کو پہلے ہی مرحلے میں ہم اپنے درمیان سے نکال دیتے ہیں اور دوسرے بہت خوشی سے اس کو اپنے اندر ضم کر لیتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے افراد گھٹتے جا رہے ہیں اور ان کے افراد بڑھ رہے ہیں۔ جب کہ ہمارا فرض ہوتا ہے کہ جس کا ذہن بگڑ رہا ہے یا ذرا بھی خراب ہو رہا ہے تو اس کی اصلاح کی جائے، اس کے اعتراضات کو دفع کیا جائے، اس کو جوشبہہ ہے، جو شک ہے اس کو دور کیا جائے اور پھر اسے حق سے قریب کیا جائے، یہ فریضہ ہم انجام نہیں دے رہے ہیں اور دانستہ ہم اس کو عمل میں نہیں لارہے ہیں اس سے ہمارا، ہماری ملت کا اور ہماری جماعت کا بہت ہی عظیم نقصان ہو رہا ہے۔

نصاب بنانا پھر نصاب کے مطابق علما و فضلا تیار کرنا یہ تو بعد کا کام ہے ہمارے گرد و پیش کے جو رہنے والے ہیں ان کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں ہم آسانی سے ان سے مل کر ان کا ازالہ کر سکتے ہیں، ان کو اپنے قریب لاسکتے ہیں یہ کام تو ہمیں ابھی انجام دینا چاہیے۔۔۔۔۔ دوسری طرف حال

یہ ہے کہ ہمارا ماحول روز بروز بگڑتا جا رہا ہے اور ابتر ہوتا جا رہا ہے۔ جلسہ ہماری دعوت کا ایک واحد راستہ رہ گیا تھا، یہ آج کے جلسے کیسے ہو رہے ہیں، ان جلسوں میں بڑا اہتمام ہوتا ہے، بڑا انتظام ہوتا ہے، لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، ہر طرف سے مجمع اکٹھا کیا جاتا ہے لیکن ان جلسوں میں لوگوں کو کیا دیا جا رہا ہے اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اب ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ نعرے لگانا رہ گیا ہے۔

یہاں آپ کے سیمینار میں بھی نعرہ لگ گیا جب کہ ہم نے سیمینار میں نعرہ لگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ ماحول کی دین ہے۔ ایک گھنٹے کی تقریر میں کم از کم سو مرتبہ نعرے لگیں تو تقریر بہت کامیاب ہے، مقرر کیا کہ رہا ہے، کیا بیان کر رہا ہے اس سے کوئی غرض نہیں۔ جذباتی کچھ باتیں کہ دیں تو اس پر نعرہ لگانا آج کا آدمی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ یہ ماحول بن چکا ہے اور اس کی وجہ سے جو بھی دعوتی کام ہمارے اسٹیجوں سے ہو سکتا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ جب کہ ان جلسوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ ہم جو جلسہ منعقد کریں اس کے لیے افراد پہلے سے متعین کریں کہ کن لوگوں کو دعوت دینا ہے اور ان کے لیے موضوع بھی متعین کریں کہ کس موضوع پر آپ کو خطاب کرنا ہے اور ایسے لوگوں کو متعین کریں جو اپنے موضوع کی پوری تیاری کر کے آئیں اور سامعین کو کچھ دے کر جائیں۔ جو بھی آپ کے ماحول کی ضرورت کا موضوع ہو اس کو منتخب کیجیے اور اس کے مطابق افراد کو بلائیے چاہے نعرہ لگانے والے کم ہی رہیں یا نعرہ لگانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔

لیکن آج خود ہمارے علما کا، ہمارے فارغین کا مزاج بگڑ چکا ہے جب تک کوئی جذباتی تقریر کرنے والا جس کی تقریر میں بار بار نعرہ لگے (ایسا کوئی) نہیں آئے گا تو جلسہ ہی نہ ہوگا۔ یہ سب مزاج بن چکا ہے۔ آدھی رات تک تو مشاعرہ ہوتا

ہے اور مشاعرہ میں بھی شاعر کیا پڑھ رہا ہے اس کے اشعار میں کون سی بات اچھی ہے، کون سی بری اس پر کوئی غور کرنے والا نہیں، واہ واہ کرنا، انعام دینا، پیسے لٹانا یہ آج کا ماحول بن چکا ہے اور علماء اس پر توجہ نہیں دیتے۔

جو جلسے خاص علمائے نگرانی میں، ان کی سرپرستی میں، ان کی تنگ و دو سے منعقد ہوتے ہیں ان جلسوں میں بھی یہ حال ہے کہ دیر تک نظمیں پڑھائی جاتی ہیں، نذرانے دیے جاتے ہیں، انعام دیے جاتے ہیں اور پھر مقرر کی باری اُس وقت آتی ہے جب کہ کوئی سننے کے لیے تیار نہیں ہے، اگر کوئی مقرر شعلہ بار قسم کا آگیا تو وہ اپنی تقریر کر لے گیا اور اگر سنجیدہ بولنے والا آیات تو اس کی ناکامی رکھی ہوئی ہے۔ اگر ہم آج جلسوں کی اصلاح کریں تو ان کے ذریعہ ہمارا جو دعوتی کام ہو سکتا ہے وہ کم از کم انجام پائے۔

اور جو دعوتی کام دعوت اسلامی، سنی دعوت اسلامی کے ذریعہ ہو رہا ہے یہ بھی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے کیوں کہ جو افراد اہل سنت سے دور ہیں یا وہ پورے طور سے واقف نہیں ہیں یہ انہیں عقیدے سے بھی واقف کراتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نماز اور خیر سے بھی قریب کرتے ہیں، اخلاق اور شائستگی سے بھی آراستہ کرتے ہیں تو ان کو بھی کام پر لگانا اور اگراں کے اندر کوئی خامی پائی جا رہی ہے تو اس کو دور کرنا آج کے علمائے ذمہ داری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خواہ مخواہ خامی نکالی ہی جائے اور جو چیز جائز کے دائرے میں آتی ہے اسے ناجائز بنانے کی کوشش کی جائے لیکن جو ایک عظیم کام سنیت کی تبلیغ کا، عمل کی تبلیغ کا ان کے ذریعہ ہو رہا ہے اس پر قدغن لگانا یا اس کو روکنا اور ان کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنا یہ کسی طرح دانش مندی اور عقل مندی نہیں ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تبلیغی جماعت بہت سوچ سمجھ کر میدان میں اتاری گئی کہ نماز اور کلمہ کے نام میں ایسی کشش ہے کہ ان کے نام پر ہر کلمہ

پڑھنے والا اس کی طرف مائل ہو جائے گا اور اس نام پر ہماری دعوت کو قبول کر لے گا، ہمارے پاس آنا جانا شروع کر دے گا اور جب ہمارے ماحول میں آئے گا تو ہم جیسا چاہیں گے اس کو ڈھال لیں گے۔ اس کا جواب ہمارے پاس تقریباً پچاس سال تک نہیں تھا جس کی وجہ سے ہماری آبادیوں کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ میں چلا گیا۔

پھر اس کے بعد ہمارے یہاں دعوت اسلامی پیدا ہوئی اور اس نے اپنے طرز پر کام کرنا شروع کیا اور بہت سے لوگ جو محض عمل کی رغبت کی وجہ سے تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو گئے تھے انھوں نے ان کے ساتھ جانا چھوڑ دیا اور دعوت اسلامی کے ساتھ ہو گئے، کم از کم وہ تو گمراہی سے بچے۔

جب تبلیغی جماعت والوں نے کام کرنا شروع کیا تو ان کے جاہلوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ تبلیغی جماعت کے پیچھے چلنے میں ہمیں وہ باتیں معلوم ہوئیں جو ہمیں بڑے بڑے علمائی درس گاہوں میں نہیں ملیں، ہم تو وہ باتیں جانتے ہیں جو علمی درس گاہ والے بھی نہیں جانتے لیکن ان کے علمائے اس طعنہ کو برداشت کیا اور برملا کہا کہ اگرچہ وہ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو کام کر رہے ہیں وہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔

وہ گھر گھر پہنچ کر ہماری دعوت پہنچا رہے ہیں ہماری جماعت سے جوڑ رہے ہیں ہم تو درس گاہوں میں بیٹھے ہیں ہم سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اس لیے انھوں نے ان کی تائید کی اور آج وہ بڑی بڑی آبادیوں میں اپنا کام کر رہے ہیں۔

پھر ہمارے اندر آپسی اختلافات اور ایک دوسرے سے حسد اور منافرت کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اچھے کام کو بھی برا بنانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں، چاہیے یہ کہ جہاں تک ہو سکے جو کام اچھا ہو رہا ہے اسے ہونے دیں اور جو خرابی ہمارے جلسوں میں پیدا ہو چکی اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

موضوع دعوت باقاعدہ نصاب میں ایک سبجیکٹ کے طور پر شامل ہو سکتا ہے مگر اس کے شامل ہونے میں دیر لگے گی توفی الحال کم از کم ہم ترغیب تو دے سکتے ہیں، اپنے طلبہ کو تو بتا سکتے ہیں کہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ مدرسہ کے اس پاس اور قرب و جوار کی بستیوں میں جا کر کچھ بتانے سمجھانے کا کام کرو، طلبہ کو اس طرح کے مضامین بتائے جائیں، سکھائے جائیں، کتابوں کی رہ نمائی کر دی جائے یا تقریر کے ذریعہ ہی بتا دیا جائے۔ خود مدرسین اس کے لیے تیار ہوں اور جیسا کہ آج یہ رائیں آئی ہیں کہ درس قرآن، درس حدیث کا سلسلہ جاری کیا جائے تو مدرسین اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ الغرض فوری طور پر کوئی کام بغیر بڑے اقدام کے ہو سکتا ہے تو ہمیں یہ کر لینا چاہیے اور اسے بڑھانے، پھیلانے کی کوشش بھی کرنی چاہیے، ہمہ گیر ماحول بننے میں ذرا دیر لگے گی۔

آپ حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس راہ میں پیش قدمی کی اور کم از کم اس طور پر سوچنے سمجھنے کی دعوت دی ان شاء اللہ عزوجل اس کا ثمرہ اور نتیجہ حاصل ہوگا اور فائدہ سب کو ملے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو مقالات آئے ہیں اور جو خلاصہ تیار ہوا وہ شائع ہوگا اور آپ تک پہنچے گا بھی لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تطہیر کریں، اپنے دل و دماغ کو صالح و نیک بنائیں، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور اپنے احباب اور دوستوں میں جو بھی تدریس کی لائن سے وابستہ ہیں انہیں بھی احساس دلائیں، ان کو ایمان کا واسطہ دیں کہ آپ سے جو ذمہ داری وابستہ ہے اسے آپ ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ تدریس کی لائن سے وابستہ ہیں تو اس کو ایک فریضہ کے طور پر دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ انجام دیں تو اگلی نسل اچھی اور بہتر پیدا ہو سکتی ہے اور آج آپ کی لاپرواہی دوسروں کے اندر بھی لاپرواہی منتقل کرتی رہے گی اور یہ نسل بعد نسل بڑھتی رہے گی اس لیے اپنی اصلاح کرنا،

اپنے ماحول کی اصلاح کرنا، اپنے طلبہ کی اصلاح کرنا فوری طور پر ہم سب کی ذمہ داری ہے اور جو بھی مزید خوبی ہمارے نصاب میں، ہمارے ماحول میں ہو سکتی ہے یقیناً ہم اس کے اوپر سنجیدگی سے غور کرتے رہیں اور اس کے لیے دل سے آمادہ ہوں تو بہت کچھ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ ربِّ قدیر ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

## خطبہ برصدا رت

بموقع امام اعظم ابوحنیفہ سیمینارو کانفرنس، بمقام بارہ دری، قیصر باغ، کھنؤ  
منعقدہ: ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء، روزیک شنبہ  
زیر اہتمام: اراکین دارالعلوم امام احمد رضا، رنگ روڈ، کلیان پور، پچھم کھنؤ

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته! الحمد لله ونصلی علی رسولہ  
الکریم قال رسول الله ﷺ: فقیه واحد أشد علی الشیطان من ألف  
عابد. صدق رسول الله ﷺ

جن حضرات نے اس کانفرنس اور سیمینار کا انعقاد کیا ہے انھوں نے اپنی محسن  
شناسی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ دارالعلوم حنفیہ امام احمد رضا کے ارکان اور جملہ معاونین  
ہماری طرف سے شکرِ یے کے بھی مستحق ہیں اور مبارک باد کے بھی حق دار ہیں،  
کہ انھوں نے ہم تمام افراد کے اوپر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اپنے عظیم محسن  
سے لوگوں کو روشناس کرائیں، ان کی خدمات کو پہچنوائیں اور ان کے مرتبہ و مقام  
سے آشنا کرائیں، اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی ان حضرات نے سبیل پیدا کی۔ فجزا  
ہم الله خیر الجزاء۔

امام اعظم کا احسان ایک تو ان لوگوں پر ہے جو ان کے مذہب کی، ان کے  
مسلك کی تقلید کرتے ہیں، اپنی نمازیں، اپنے روزے، اپنی زکات، اپنے حج اور  
دیگر معاملات، عبادات سبھی کاموں کو ان کے بیان کردہ اور استخراج کردہ احکام کی  
روشنی میں ادا کرتے ہیں۔

یہ تمام حضرات تو بدیہی طور پر، واضح طور پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احسان



تلے دبے ہوئے ہیں کہ ان کی زندگی کا ہر فعل ان ہی کے استخراج کردہ قوانین اور ان کے بیان کردہ احکام و مسائل کی روشنی میں ہوا کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ آج چوں کہ مسائل اور کتابیں ہمارے سامنے کھلی ہوئی رکھی ہیں، ان کو دریافت کر کے، ان کا مطالعہ کر کے ہم آسانی سے مسائل جان لیتے ہیں اور ان پر عمل کرنے لگتے ہیں، لیکن ابتدا میں یہ حال نہ تھا، بڑے بڑے محدثین کو مسائل بتانے میں سخت دشواری ہوتی تھی۔ یہ بہت ہی عظیم علم ہے اور جنہوں نے ان احکام کا استخراج کیا ہے ان کے لیے بہت ہی عظیم اجر ہے، پہلے آپ علم شرعی ہی کو جانیں کہ کسی دینی شرعی مسئلہ کا دریافت کر لینا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

میں نے اپنے بچپن میں حضرت مخدوم سمنانی سلطان سید اشرف جہاں گیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پڑھا تھا ان کے ملفوظات میں کہ ”ایک دینی مسئلہ کا معلوم کر لینا ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے“۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ”اگر کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ میری زندگی کا صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا ہے تو اس کو دینی مسائل سیکھنے میں صرف کرنا چاہیے۔“ میں ان کے اس ارشاد کو بہت ہی اہم سمجھتا تھا اور اس پر یقین رکھتا تھا، بعد میں جب شعور کا زمانہ آگیا تو میں نے اس پر مزید غور کیا کہ حضرت مخدوم سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا ماخذ کوئی حدیث ہونی چاہیے، اس لیے کہ کسی ولی کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ کسی عمل کے بارے میں یہ بتادے کہ اس عمل پر اتنا مقررہ ثواب ملے گا۔

کسی کار خیر کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ اجر دے گا، یہ کام نفع بخش ہے، تمہارے لیے مفید ہے، ہمارے لیے مفید ہے، اتنا کہا جاسکتا ہے، لیکن مقرر کر کے بتا دینا کہ ”ایک دینی مسئلہ کو جان لینا ہزار

رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے“ یہ بغیر حدیث نبوی کے نہیں ہو سکتا ہے، بالآخر میں نے اس کی تلاش کی تو حدیث کی ایک کتاب جامع الاحادیث ہے ”کنز العمال“ جو اصل میں امام سیوطی کی ہے اور امام علی متقی برہان پوری نے اس کو ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا، اس میں یہ حدیث ملی کہ سرکار کا ارشاد ہے ”ایک دینی شرعی مسئلہ کا معلوم کرنا ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے“۔ اور یہ حدیث تو بہت ہی معروف و مشہور ہے کہ فقیہ و احد اشد علی الشیطان من ألف عابد۔<sup>(۱)</sup> شیطان کے اوپر ایک فقیہ ہزار عبادت گزاروں سے بڑھ کر سخت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ میری زندگی کا صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے، تو ایک ہفتہ اگر چوبیس گھنٹے عبادت ہی میں گزار دے تو کتنے نوافل پڑھ سکے گا، کتنی رکعتیں پڑھ سکے گا، لیکن ایک ہفتہ کے اندر سیکڑوں مسائل تو سیکھ ہی سکتا ہے اور زیادہ کوشش کرے تو ہزاروں تک سیکھ سکتا ہے اور ایک مسئلہ کا سیکھنا اس کے لیے ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہوگا، اگر کسی نے دن رات میں دس مسائل سیکھے تو اسے دس ہزار رکعت کا ثواب ملے گا، لیکن اگر ۲۴ گھنٹے نفل پڑھے تو دس ہزار رکعت نہیں پڑھ سکتا، اس لحاظ سے انھوں نے یہ تلقین فرمائی کہ اگر ایک شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس کی زندگی کا صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے تو اسے دینی مسائل کے سیکھنے میں صرف کرنا چاہیے۔

آج ہمارے بوڑھوں کا کیا حال ہے، اب وہ سیکھنا کچھ نہیں چاہتے، سوچتے ہیں: بس اب تو قبر میں جانا ہے، صرف نوافل ہی میں لگے رہیں تو زیادہ فائدہ ہے، مزید مسائل سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت نہیں، لیکن حضرت مخدوم سمنانی کے

(۱) سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء، ج ۱، ص ۸۱

ارشاد کی روشنی میں جو احادیث کریمہ سے ماخوذ ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دینی مسائل کا سیکھنا اس وقت بھی اہم ہے اور جن مسائل کا استخراج ان ائمہ کرام نے کیا ہے، ان پر ائمہ کا اجر کتنا عظیم ہوگا، اس کے لیے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ ایک بار حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ جو امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کے شیخ اور استاذ بھی تھے، امام شافعی کے یہاں مہمان ہوئے تو رات کا کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے بعد امام محمد رضی اللہ عنہ بستر پر لیٹ گئے، امام شافعی رضی اللہ عنہ کچھ دیر لیٹنے کے بعد اٹھے اور نوافل شروع کر دیے اور تقریباً صبح تک نفل نمازیں پڑھتے رہے۔ امام محمد رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کے دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھی اور جب فجر کی اذان ہوئی تو سیدھے نماز پڑھنے کے لیے مصلیٰ پر پہنچ گئے۔ امام شافعی کو غصہ آیا، امام محمد سے کہا: ایک تو آپ رات بھر سوتے رہے، کچھ بھی نوافل نہیں ادا کیے اور دوسرے یہ کہ صبح اٹھنے کے بعد وضو بھی نہیں کیا اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، تو امام محمد نے فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میں رات بھر سوتا رہا، میں نے آج کی رات سو مسائل قرآن و حدیث سے اخذ کیے ہیں اور جان لو کہ تم جو رات بھر نمازیں پڑھتے رہے اس کا ثواب اور فائدہ صرف تمہاری ذات کو پہنچے گا اور میں نے جو سو مسائل کا استخراج کیا ہے اس کا فائدہ پوری امت مسلمہ کو قیامت تک ملتا رہے گا۔

رہ گیا کہ میں لیٹا ہوا کیوں تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لیٹ کر غور کرنے، سمجھنے اور اخذ کرنے میں مجھ کو آسانی ہوتی ہے، اس لیے میں لیٹ کر غور کرتا رہا اور مسائل کا استخراج کرتا رہا، تو یہ ان ائمہ کرام کے استخراج مسائل کا فائدہ اور اس کا ثمرہ ہے۔

اسی سے اجر کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رہتی دنیا تک کے لوگوں کو دینی علم و عمل کا جو فائدہ ہوا اس کا صلہ کتنا عظیم ہوگا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جو مسائل استخراج کیے ان کے دور کے بڑے بڑے عابد اور زاہد علمائے کرام اس کا اعتراف کرتے تھے۔

حضرت شہادین حکیم جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں، ان کی عبادت کا حال یہ تھا کہ ساٹھ سال تک وہ رات کو سوئے نہیں، ظہر کے وقت وضو کرتے اور پھر اس کے بعد دوسری ظہر کے وقت دوسرا وضو کرتے تھے، لیکن وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرماتے ہیں:

"لولا ما من الله علينا بأبي حنيفة وأصحابه حيث شيعوا العلم وشر حواله لم نكن ندرى ما نختار منه وما نأخذ به" <sup>(۱)</sup>

یعنی اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ ہم پر احسان نہ فرمایا ہو تا تو ہم کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کون سا مسئلہ اخذ کریں، کس پر عمل کریں اور کس پر عمل نہ کریں، لیکن انھوں نے مسائل کو نکال کر ہمارے سامنے واضح کر دیا ہے اور ہمارے لیے علم کا حاصل کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔

حضرت ابن سیرج ایک بزرگ عالم ہیں ان کے زمانے میں کسی نے ان کے سامنے امام اعظم پر کچھ کلام کیا، کچھ تنقید کی، انھوں نے فرمایا: اے شخص! خاموش رہ، تم کو معلوم نہیں ہے کہ تین بڑے چار مسائل وہ ہیں جو امام اعظم اور ان کے اصحاب کے لیے مسلم ہیں یعنی پچھتر فی صد مسائل وہ ہیں جن میں وہ منفرد ہیں اور اس کا علم ان ہی کے پاس ہے، باقی ایک بڑے چار (پچیس فی صد) جو بچتا ہے وہ بھی تم لوگوں کے لیے مسلم نہیں ہے، اس میں وہ بھی تمہارے شریک ہیں۔

کہا: کیسے؟ انھوں نے بیان کیا کہ دیکھو، سوال نصف علم ہے، امام اعظم ابو حنیفہ نے اور ان کے شاگردوں نے سوالات وضع کیے، یہ صورت درپیش ہو تو کیا حکم

(۱) مناقب الامام الاعظم أبي حنيفة للامام الموفق بن احمد المكي ت ۵۶۸ھ ص ۳۳۶ طبع سوم  
۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء۔ طلبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہوگا، یہ صورت درپیش ہو تو کیا حکم ہوگا، یہ صورت درپیش ہو تو کیا حکم ہوگا؟  
یہ سارے سوالات ان لوگوں نے بنائے، وضع کیے اور سوال نصف علم کی  
حیثیت رکھتا ہے، اس لیے آدھا علم تو ان کے لیے مسلم ہو گیا۔ اب رہ گیا جواب،  
تو جواب جو انھوں نے دیے ہیں بعض کو کہتے ہو کہ خطا ہے اور بعض کو کہتے ہو کہ  
صواب ہے۔ اب مان لو کہ دونوں برابر برابر ہیں تو نصف جو بچا یہ بھی ان کے لیے  
مسلم ہو گیا، کہ انھوں نے جو جوابات دیے ان کے نصف کے بارے میں تم لوگ  
بھی تصدیق کرتے ہو کہ وہ برحق ہیں، اس وجہ سے تین بٹے چار علم تو ان کے لیے  
مسلم ہو گیا۔

باقی ایک بٹے چار جو کہتے ہو کہ اس میں وہ خطا پر ہیں تو اس میں وہ بحث  
کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس میں بہت سی چیزوں کو وہ ثابت کر دیں گے کہ  
وہی حق پر ہیں، تم حق پر نہیں ہو، تو کم از کم تین بٹے چار علم تو ان کے لیے مسلم  
ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی انھوں نے بتایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے کتاب الفرائض  
کو وضع کیا اور اس کو لکھا، اور اس کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ

"تعلّموا الفرائض و علموا فانها نصف العلم" <sup>(۱)</sup>

یعنی فرائض سیکھو اور سیکھاؤ، اس لیے کہ وہ تمہارے دین سے ہے اور  
نصف علم ہے۔ یعنی ترکہ وغیرہ کے مسائل جو بعد موت سے تعلق رکھتے  
ہیں اس کو حدیث میں نصف علم فرمایا گیا ہے اور بھی وجہیں بیان فرمائیں جن کی  
روسے امام اعظم کا تفرّد، ان کی انفرادیت اور پوری امت پر ان کا احسان ثابت  
ہوتا ہے۔ <sup>(۲)</sup> اور خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جو علم فقہ میں تبحر حاصل  
کرنا چاہتا ہو وہ امام اعظم کے تلامذہ کی کتابیں دیکھے“۔ اور انھوں نے فرمایا: ”الناس

(۱) سنن ابن ماجہ باب الحث علی تعلیم الفرائض ج، ۲، ص ۹۰۸

(۲) مناقب الامام للموفق ص ۲۱۲ طبع سوم ۱۴۳۶ھ۔ اشاعت طلبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

كلهم في الفقه عيال أبي حنيفة“<sup>(۱)</sup> کہ تمام کے تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ یعنی اس فن میں انہی کے سہارے زندگی گزارنے والے ہیں اور جیسا کہ ابھی محب گرامی مولانا فروغ احمد اعظمی نے امام اعظم کے تلامذہ کی شان بیان کی کہ بیشتر تلامذہ یہاں تک کہ امام بخاری کے شیوخ اور ان کے شیوخ ایسے ہیں جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ تلمذ سے وابستہ ہیں۔

ان میں سے حضرت عبدالرحمن بن مہدی بھی ہیں جن کے بارے میں حضرت علی بن المدینی جن کی شان یہ ہے کہ امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "ما استصغرت نفسي عند أحد إلا عند علي بن المديني". کہ میں نے کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھا سوائے علی بن المدینی کے، یہ امام بخاری کے شیخ اور استاذ ہیں۔ امام بخاری کے شیخ اور استاذ (امام علی بن المدینی) عبدالرحمن بن مہدی کو ثقہ، ثبت، امام بیان کرتے ہیں۔

وہ (حضرت عبدالرحمن بن مہدی) فرماتے ہیں کہ میں حدیثیں نقل کیا کرتا تھا، لکھا کرتا تھا تو میں نے دیکھا کہ حضرت سفیان ثوری امیر المؤمنین فی العلماء ہیں اور حضرت سفیان بن عیینہ (یہ ان کے بعد کے تھے) یہ امین العلماء ہیں اور حضرت شعبہ ابن الحجاج حدیث کی کسوٹی ہیں یعنی وہ حدیثوں کو پرکھ کر کے بیان کر دیتے ہیں کہ کس میں کیا سقم ہے اور کس میں سقم نہیں ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک یہ صراف الحدیث یعنی حدیث کے پرکھنے والے اس کے صیرفی ہیں اور یحییٰ بن سعد کو بیان کیا کہ یہ علما کے قاضی ہیں اور ابوحنیفہ یہ علما کے قاضی القضاة ہیں اور اس کے بعد فرمایا: "من قال لك سوى ذلك فارمه في كناسة بنی سلیم". اس کے علاوہ اگر کوئی کچھ تم سے بیان کرتا ہے تو تم بنی سلیم کے گھورے پر لے جا کر اس کو ڈال دو۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مناقب الامام للموفق ص ۲۰۲ طبع سوم ۱۴۳۶ھ۔ اشاعت طلبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲) مناقب الامام الاعظم للموفق ص ۳۱۸۔ اشاعت طلبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تو یہ شان انھوں نے امام اعظم کی بیان کی کہ یہ علما کے قاضی القضاة ہیں، حضرت شعبہ بن الحجاج کو (جن کی وفات ۱۶۰ھ میں ہے، امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی) خبر دی گئی کہ حضرت امام اعظم کا وصال ہو گیا تو انھوں نے **إِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** پڑھا اور اس کے بعد یہ فرمایا: "لَقَدْ طَفِئَ عَنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ ضَوْءُ نُورِ الْعِلْمِ". کہ کوفہ سے نور علم کی روشنی جاتی رہی۔ **أَمَّا إِنْهُمْ لَا يَرُونَ مِثْلَهُ أَبَدًا**۔ یہ کبھی بھی ان کی نظیر اور ان کی مثال نہ دیکھ سکیں گے۔<sup>(۱)</sup>

یہ حضرت شعبہ بن الحجاج امام بخاری کے شیوخ الشیوخ میں سے ہیں۔ اگر امام اعظم ہی کی حیثیت اور ان کی شخصیت مجروح ہے تو بخاری شریف کا کوئی اعتبار نہیں رہ جائے گا، اس لیے کہ ایسے لوگوں سے روایات اس میں بھری ہوئی ہیں جنہوں نے امام اعظم کو اپنا امام تسلیم کیا، اپنا امیر تسلیم کیا، اپنا قاضی اور قاضی القضاة تسلیم کیا، ائمہ تسلیم کیا اور دین کے بارے میں ان کا عظیم احسان تسلیم کیا۔

امام اعظم کی شخصیت اگر مجروح ہوتی ہے تو ان کو امام و پیشوا ماننے والے، قاضی القضاة کی حیثیت دینے والے معتبر نہیں رہ جائیں گے، اس لیے آج جو لوگ امام اعظم کی شخصیت کو نشانہِ طعن بناتے ہیں ان کو اس بات پر نظر رکھنا چاہیے کہ پھر حدیث کا پورا سرمایہ قابل اعتبار نہیں رہ جائے گا اور جس حدیث حدیث کی رٹ لگاتے ہیں اور جس کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس میں سب سے صحیح کتاب کو ماننے ہیں وہ ہے صحیح بخاری، اس کی بھی حیثیت مجروح ہو جائے گی، کہ ایسے لوگوں سے یہ بھری پڑی ہے جنہوں نے ایک ایسے شخص کو جو مجروح تھا امام و پیشوا اور نہ معلوم کیا کیا القاب دیے ہیں۔

امام اعظم کا احسان عقائد کے باب میں آپ دیکھیں تو امام اعظم نے اس وقت

(۱) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۸۰

کے تمام فتنوں کو سر کیا ہے اور بڑے بڑے بد مذہب جوان کے سامنے آجاتے تھے وہ چند منٹوں میں ان کو خاموش کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ خوارج گروہ لے کر کے آئے، وہ امام اعظم سے بحث کرنا چاہتے تھے۔ مسئلہ یہ رکھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیسے حق پر مانتے ہیں جب کہ انھوں نے حکم کو قبول کیا اور إن الحکم إلا للہ حکم تو صرف اللہ کا ہے اور حضرت علی تو غیر اللہ کو حکم مان کر مشرک ہو گئے۔

یہ لوگ (وہابیہ) بھی استدلال اسی قسم کی آیتوں سے کرتے ہیں مثلاً جن میں یہ آیا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کے لیے ہے تو کہتے ہیں: غیر اللہ کے لیے کوئی علم غیب مانتا ہے تو وہ مشرک ہے، بالکل خوارج کے طرز پر ان کا بھی استدلال ہے۔

خوارج نے امام اعظم سے کہا کہ حضرت علی تو غیر اللہ کو حکم مان کر مشرک ہو گئے، آپ کیسے ان کو امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں؟ تو امام اعظم نے فرمایا کہ تم لوگ اگر مجھے قتل کرنے کے لیے آئے ہو تو تم لوگ زیادہ ہو میں تنہا کیا کروں گا، اور اگر بحث کرنا چاہتے ہو تو میں بحث کر سکتا ہوں۔ وہ بولے: ہم بھی بحث ہی کرنا چاہتے ہیں، قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ تو امام اعظم نے فرمایا کہ بحث اگر لمبی ہوئی، معاملہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچا تو کیسے فیصلہ ہوگا، کوئی درمیان میں فیصلہ ہونا چاہیے، تم اپنے اندر سے کسی کو فیصلہ بناؤ، کہ اگر ہماری تمھاری بحث لمبی ہوگئی تو اس کا قول فیصلہ ہوگا۔

انھوں نے کہا: بہت ٹھیک ہے، یہ شخص جو ہے، ہمارا حکم اور فیصلہ ہوگا، اس کی بات ہماری بات ہوگی۔ امام اعظم نے کہا: اس کو مانتے ہو؟ اس کا انکار تمھارا انکار ہوگا اور اس کا اقرار تمھارا اقرار ہوگا؟ کہا: ہاں ہم بالکل اس کو مانتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی کام تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا جو آج



تم نے کیا ہے۔ اس پر خوارج سب اٹھ کر چلے گئے۔ امام اعظم کو ایسے واقعات بہت پیش آتے تھے۔ اس طریقے سے فتنوں کو انھوں نے سر کر دیا۔ ایک شخص (شاہ روم) نے جس کو علمائے کرام ”کلب روم“ لکھتے ہیں، اپنا اپنی بھیجا اور یہ کہا کہ تم مسلمانوں کے علماء سے تین مسئلے دریافت کرنا، اگر ان کا جواب دست یاب ہو جائے تو یہ سارا مال تم ان کے اوپر صرف کر دینا اور جواب نہ دریافت ہو تو مسلمانوں سے خراج وصول کرنا۔

وہ شخص آیا اور اس نے علماء سے تین مسائل کے بارے میں پوچھا، ایک یہ کہ اللہ سے پہلے کیا تھا؟ دوسرا یہ کہ اللہ کس جہت میں ہے، کس سمت میں ہے؟ اور تیسرا یہ کہ اللہ کیا کر رہا ہے؟۔۔۔۔۔ علمائے اپنے طور پر جواب دیا لیکن وہ خاموش نہیں ہوا، بحث کرتا رہا تو امام اعظم جو اس وقت کم سن تھے انھوں نے اپنے والد سے اجازت طلب کی کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس عیسائی کو جواب دوں تو انھوں نے اجازت نہیں دی، پھر انھوں نے خلیفۃ المسلمین سے اجازت طلب کی کہ آپ اجازت دیجیے کہ میں اس سے بحث کروں، خلیفہ نے اجازت دے دی۔ امیر المؤمنین کی اجازت کے بعد وہ سامنے آئے اور عیسائی سے کہا: تو مسائل ہے یا معلم ہے؟

اس نے کہا: میں سائل ہوں۔

انھوں نے کہا: نیچے آؤ، میں جواب دینے والا ہوں، میں منبر پر رہوں گا، تم کو منبر سے نیچے آنا ہے۔ (اس وقت وہ کم سن تھے، نہ ابو حنیفہ تھے، نہ امام اعظم تھے، نعمان بن ثابت تھے۔)

انھوں نے فرمایا: کہ سوال تیرا کیا ہے؟

اس نے کہا کہ، اللہ سے پہلے کیا تھا؟

تو انھوں نے فرمایا: گنتی جانتے ہو؟

ہاں! جانتا ہوں، ایک، دو، تین، چار، پانچ۔

تو فرمایا: ایک سے پہلے کیا ہے؟

اس نے کہا: ایک سے پہلے کچھ بھی نہیں۔

تو انھوں نے کہا: جب اس واحد مجازی عددی سے پہلے کچھ بھی نہیں ہے تو اس واحد حقیقی سے پہلے کیا ہوگا، یہ گنتی والا ”ایک“ اس سے پہلے کچھ نہیں تو واحد حقیقی سے پہلے کیا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ وہ لاجواب ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا: اللہ کس جہت میں ہے؟

نعمان بن ثابت: شمع جلاتے ہو تو کس جہت میں اس کی روشنی ہوتی ہے؟

اس نے کہا: کسی جہت میں نہیں ہوتی ہے، ہر سمت اس کی روشنی نظر آتی ہے۔

نعمان بن ثابت: یہ نور مجازی، جب اس کے لیے کوئی جہت نہیں ہے تو

اس نور حقیقی کے لیے کوئی جہت کیسے ہو سکتی ہے؟۔۔۔۔۔ وہ خاموش ہو گیا۔

اس نے کہا: اچھا! اللہ تعالیٰ معطل ہے یا کچھ کرتا بھی ہے؟

حضرت نے فرمایا: کرتا ہے کل یوم ہوفی شان ہر وقت کسی کام میں

ہے۔ اور اس وقت یہ کر رہا ہے کہ تجھ جیسے ملحد کو منبر سے اتارا اور مجھ جیسے مومن

موحد کو منبر پر چڑھایا، تجھ کو ذلت دی، مجھ کو عزت دی، اس کا ہر وقت ایک کام

ہوتا ہے۔۔۔۔۔ وہ لاجواب ہو گیا اور جتنا مال لے کر کے آیا تھا سب مسلمانوں

میں تقسیم کر دیا اور دے کر چلا گیا۔

یہ واقعہ امام اعظم کے بچپن کا ہے۔ بعد میں تو انھوں نے بڑے بڑے ملحدوں

اور بد مذہبوں کو لاجواب کر کے تمام مسلمانوں کو استحکام بخشا۔

یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ احسان ہے جو صرف حنیفوں پر نہیں ہے، تمام

لوگوں پر ہے، تمام ائمہ کے ماننے والوں پر ہے۔ اور مقلدین ائمہ پر یوں بھی

ان کا احسان ہے کہ امام اعظم کے شاگرد تھے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ اور امام مالک

کے شاگرد خاص تھے امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی کے شاگرد تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبِ مذہب ہیں۔ یہ تینوں مذہب کے ائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ تلمذ میں ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد حضرت امام محمد بخاری ہیں اور حضرت امام محمد بخاری کے شاگرد حضرت امام مسلم بن حجاج ہیں اور نیچے بھی آپ جوڑتے چلے جائیے تو سلسلہ ملتا چلا جائے گا، اس طریقے سے جتنے ائمہ حدیث ہیں یہ بالواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے سب کے سب امام اعظم کے ممنون ہیں۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شان تو یہ تھی کہ کوفہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور کے پاس پہنچے تو فجر میں قنوت نہ پڑھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا جائے گا، دوسری رکعت میں رکوع کے بعد ان کے یہاں قنوت ہے، لیکن جب امام اعظم کی مسجد میں جو ان کی قبر سے متصل ہے اس میں نماز پڑھی تو قنوت نہیں پڑھا اور یہ فرمایا کہ ”اس قبر والے سے مجھے حیا آتی ہے کہ میں ان کے سامنے ان کے مذہب کی مخالفت کروں۔“

یہ امام شافعی کی شان کب تھی؟ امام اعظم کے وصال کے بعد، امام اعظم کے وصال کے بعد بھی وہ یہ یقین کرتے تھے کہ یہ زندہ ہیں اور جس طریقے سے میرا عمل زندگی میں میرے ساتھ دیکھتے، آج بھی دیکھ رہے ہیں، ورنہ ان کا عقیدہ اگر یہ ہوتا کہ یہ تو خاک ہو گئے تو ان کو شرم نہیں آتی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

یہ ان اسلاف کا عقیدہ تھا جن کا نام لیتے لیتے آج لوگوں کی زبانیں تھک جاتی ہیں اور قلم گھس جاتے ہیں، لیکن ان کے برخلاف وہ اسلاف اعتقاد یہی رکھتے تھے کہ یہ صالحین امت، یہ اولیائے کاملین جس طرح اپنی حیات میں ادراک و بصیرت رکھتے تھے اسی طرح سے بعد وصال بھی ادراک و بصیرت

رکھتے ہیں۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بارے میں تو یہاں تک ہے کہ جب کسی کو حاجت پیش آتی تھی ان کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتا تھا، ایصال ثواب کرتا تھا، پھر رب سے حاجت طلب کرتا تھا اور حاجت پوری ہوتی تھی، اس طرح کا عمل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ تو ان ائمہ کا یہ معمول رہا ہے، اس لحاظ سے بھی تمام امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے۔

اس کے علاوہ جس زمانے میں ان حضرات نے مسائل کی تدوین کی ہے تو آپ یقین کیجئے کہ اسلامی سلطنت کا رقبہ بہت بڑھ چکا تھا، پھیل چکا تھا، اس کے اندر مسلمین کے ساتھ کفار بھی تھے، سب کے لیے حقوق کیا ہوں گے، مسائل کیا ہوں گے اس کی تدوین کرنے والے امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔ اس لحاظ سے معاشرتی، تمدنی ہر طرح کے مسائل جمع ہوئے، مسلمانوں کی عبادات و معاملات کے ساتھ اسلامی سلطنت میں رہنے والے غیر مسلموں کے حقوق و معاملات بھی واضح کیے گئے اور سلاطین و حکام کو ان احکام کا پابند رہنے کی ہدایت کی گئی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الخراج“ میں ایسے بعض احکام و معاملات کا ذکر ہے۔ اُس وقت سے اب تک اسلامی حکومتوں میں غیر مسلموں کو جو حقوق ملے یقیناً وہ امام اعظم اور ان کے تلامذہ کی اجتہادی محنتوں کا ثمرہ ہیں، ورنہ سلاطین اور امرا کے وہاں تو کچھ بھی ہو سکتا تھا، لیکن جب سلاطین اور امرا کے لیے حدیں مقرر کر دی گئیں کہ یہ کرو گے تو جائز ہوگا اور یہ کرو گے تو ناجائز ہوگا تو اس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مسلموں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے اوپر بھی ہے کہ ہر ایک کے لیے انھوں نے حدیں مقرر کیں اور ہر ایک کو اس کا حق اور انصاف دلایا۔

اور آج تک تمام ممالک میں جو دستور بنے ہیں ان میں امام اعظم کی فقہ

سے استفادہ کیا گیا ہے اور ہر ایک میں اس سے اخذ کیا گیا ہے، اس طرح آج کی جو بے راہ دنیا ہے اس کے سامنے بھی امام اعظم کے وضع کردہ اصول و قوانین ہیں اور آج کی دنیا نے ان سے جہاں تک اخذ کیا اس میں وہ فائدے میں ہے۔ اس لحاظ سے آج کے لوگوں پر بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا احسان عظیم ہے مسلمانوں پر بھی اور غیر مسلموں پر بھی۔

اور آج آپ ان کی یاد منکر یقیناً تمام لوگوں کی طرف سے ایک عظیم فرض کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

## اصلاح معاشرہ

۲۷ رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۲ مئی ۲۰۱۶ء (شب معراج) مقام: شہید نگر، مبارک پور

مجھے تو صرف بیٹھنے کی ہی دعوت تھی ---- آنے کے بعد حکم ہو گیا کچھ کہنے کا۔ جلسے ہوتے رہتے ہیں اور میلاد شریف کی محفلیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہ محفلیں خیر و برکت کے لیے ہوتی ہیں یقیناً رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کا ذکر اور اولیاء صالحین کا ذکر باعث خیر و برکت ہے اور یہ جاری رہنا چاہیے اور مسلمانوں کا حضور سرور کائنات ﷺ سے ایمانی رشتہ وابستہ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ذکر کی محفلیں منعقد کرتے رہیں۔

اس کے علاوہ بڑے اہتمام سے اجلاس منعقد ہوتے ہیں لیکن ان جلسوں سے ضرور ہم کو کچھ سبق ملنا چاہیے اور جلسے میں شریک ہونے والوں کو کچھ سبق دینا چاہیے لیکن جو فائدہ ان جلسوں کا ہونا چاہیے وہ فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا۔ رات بھر جلسے یوں ہی ختم ہو جاتے ہیں اور سامعین کو دینی، علمی اور عقیدے کے لحاظ سے جو پیغام ملنا چاہیے وہ نہیں ملتا اور سننے والے بھی یہ فکر لے کر نہیں آتے کہ اس جلسے میں ہم کو اپنی زندگی کی، اپنے اعمال کی اور اپنے عقائد کی اصلاح کرنی ہے اور ہم کو اپنی زندگی کے اندر کوئی انقلاب پیدا کرنا ہے، بس ایک تفریح کے طور پر آگئے اور شرکت کر کے چلے گئے اور زیادہ تر تو نغمہ و ترنم کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ کس کا نغمہ و ترنم اچھا ہے اس کے شیدارہتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی شیدائیت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان جلسوں کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کچھ دیر ہم نے یہاں وقت گزارا، آئے اور چلے گئے بلکہ ان جلسوں کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے اعمال کو اپنے عقائد کو سنواریں ترقی

دیں اور بہتر بنائیں۔

انسان کو سب سے پہلے تو یہی جاننا چاہیے کہ وہ دنیا میں کیوں آیا ہے اور اس کو یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس جہان کے بعد بھی ایک جہان ہے اور اسی جہان کی تیاری کے لیے انسان اس جہان میں بھیجا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"الدنيا مزرعة الاخرة"<sup>(۱)</sup>

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

یعنی یہ موقع انسان کو اس لیے فراہم کیا گیا ہے کہ یہاں اپنے اعمال اور اپنے عقائد کی اصلاح کر کے اپنی آخرت کو سنوارے۔

دنیا میں آنے کے بعد انسان کے عقائد اگر درست ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر، اس کے رسول پر، فرشتوں پر، تقدیر پر اور قیامت کے دن پر جیسا ایمان ہونا چاہیے ویسا ایمان رکھتا ہے تو اس کا ایک حصہ درست ہوا کہ اس کا ایمان صحیح ہے کہ ایمان ہی پر اعمال کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ ایمان اگر صحیح نہیں تو عمل کار آمد نہیں ہے، ایمان کی درستی کے بعد عمل پر توجہ دینا ضروری ہے۔

انسان کو اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا، رسول کو جاننا اور جو چیزیں ایمان سے تعلق رکھتی ہیں ان سب کو جاننا سمجھنا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا بھی ضروری ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ جن باتوں کو عمل میں لانے کا رب تبارک و تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے ان کو عمل میں لانا بھی ہمارے لیے ضروری ہے، کم از کم پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنا یہ ہمارے لیے روزانہ کا فرض ہے، سال میں ایک

(۱) حضرت ملا علی قاری نے اسے "موضوعات کبریٰ" میں ذکر کیا ہے اور علامہ سخاوی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے: میں اس سے واقف نہیں۔ علامہ علی قاری نے مزید فرمایا ہے کہ اس کا معنی صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مقتبس ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ﴿الشوریٰ آیت ۲۰﴾

مہینے کا روزہ رکھنا یہ ہمارے اوپر فرض ہے، صاحب نصاب ہو تو اس پر زکاۃ دینا فرض ہے، استطاعت رکھتا ہو تو حج کرنا اس کے اوپر فرض ہے، اس کے علاوہ اپنے حقوق کی ادائیگی اپنے والدین کے حقوق، اپنے بچوں کے حقوق اپنے پڑوس کے حقوق اور متعلقین کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہوتی ہے اور انسان کے لیے ضروری ہے کہ ہر جگہ عدل اور انصاف سے کام لے کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے کسی پر ظلم نہ ہو ان سب باتوں پر جب آدمی کاربند ہوگا تبھی اس کی آخرت کامیاب ہو سکتی ہے اور سنور سکتی ہے۔ لیکن انسان دنیا میں آنے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ بس یہیں رہنا ہے اور جتنی بھی زندگی ہے بس یہی ہے، اس کے بعد بھی کوئی زندگی ہے جو اس سے اہم ہے اور اس سے لمبی ہے، اس کا تصور نہیں کرتا ہے اور اپنے ذہن میں اس کو حاضر نہیں رکھتا ہے جب کہ کم از کم مسلمان کو اپنے ذہن میں یہ مستحضر رکھنا چاہیے کہ یہ دنیا تو سو سال، پچاس سال کی ہے زیادہ سے زیادہ سو سال کی کہ عام طور سے لوگ سو سال سے آگے شاذ و نادر ہی گذرتے ہیں اور ساٹھ ستر کے درمیان چلے بھی جاتے ہیں۔

حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"اعمار امتی ما بین ستین الی سبعین" (۱)

میری امت کے لوگوں کی عمریں ساٹھ، ستر کے درمیان ہوں گی۔  
انسان مشاہدہ کرتا ہے کہ لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی اُس جہان کے لیے وہ تیار نہیں ہوتا ہے جس جہان میں اس کو جانا ہے اس دنیا کی زندگی اگر اس نے اپنے رب کے احکام کے مطابق گزاری ہے تو اس کی آخرت بلاشبہ اچھی اور بہتر ہوگی لیکن اگر یہاں اپنے رب کی نافرمانیاں کرتا رہا ہے، اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں پر ظلم و زیادتی کرتا رہا ہے دوسروں کے حقوق غصب کرتا رہا ہے اور اللہ کے فرائض کی بجا آوری نہیں کرتا رہا ہے تو وہاں

(۱) ترمذی شریف، ج ۵، ص ۵۵۳



کی دنیا اس کے لیے سخت تاریک ہے اور وہاں اس کو سخت مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا تو انسان ان سب چیزوں کو بھول کر کے یہاں زندگی گزارتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا ہے کہ یہاں کی زندگی زیادہ سے زیادہ سو سال کی ہے اور وہاں کی زندگی کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوتا ہے باقی ایام کی درازی کتنی ہے انسان اس کا حساب نہیں کر سکتا ہے شمار نہیں کر سکتا ہے تو جس جہان کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اس جہان کی آباد کاری کے لیے ایک مسلمان کو خیال نہیں جو آخرت پر یقین ہی نہیں کرتا ہے اس کا تو ہم ذکر ہی نہیں کرتے ہیں لیکن جو اس دن پر یقین رکھتا ہے اس کو تو اس دن کی تیاری کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے اپنے عقائد اور اعمال کو درست کرنا ضروری ہے۔

آج عقائد پر بھی حملہ کرنے کے لیے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے طرح طرح کی کوششیں ہو رہی ہیں، ان لوگوں کی طرف سے بھی جو اسلام کے نام سے وابستہ نہیں ہیں، وہ بھی مسلمانوں کے ایمان کو بگاڑنے کی طرح طرح سے کوششیں کر رہے ہیں اور جو لوگ مسلمان کا نام اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ بھی لوگوں کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے جڑے ہوئے ہیں اور شب و روز اس کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، آپ یاد رکھیے کہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، پاک، بے عیب ہے، وہ ازلی ابدی ہے اور اس کے لیے جھوٹ اور کوئی بھی برائی، ممکن نہیں ہے۔ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جس کے اوپر ہمارے سلف قائم رہے۔

اسی طریقے سے اس نے اپنے انبیا اور رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کریں اور ان کو اختیارات بھی عطا فرمائے ہیں، ان سے معجزات بھی صادر ہوتے رہے ہیں ان کے تصرفات بھی رہے ہیں اور انبیاء کرام کے صدقہ و طفیل اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو بھی طاقت و قوت بخشی ہے یہ اہل سنت کا اعتقاد

ہے۔

رب تبارک و تعالیٰ کی توحید اور اس کے لیے جیسا ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے ویسا عقیدہ رکھنے کے بعد رسول کی عظمت کو بھی جانے اور پہچانے اس کو خود قرآن کریم میں بار بار پہنچنوا یا ہے اور رسول کی تعظیم کا ہمیں حکم دیا ہے، اگر رسول کی ذات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو قرآن میں یہ ارشاد نہ ہوتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ  
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. (۱)

”اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔“  
یعنی رسول اللہ ﷺ کے حضور بے ادبی نہ کریں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُغْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ  
اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ - لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ. (۲)

”بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔“

اس سے معلوم یہ ہوا کہ رسول کی اہمیت قرآن نے خود جتائی ہے اور ظاہر کی ہے بلکہ جس وقت انسان کی تخلیق ہوئی اس وقت بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مقرب بندے حضرت آدم ﷺ کی عظمت ظاہر کی ہے اس طرح کہ حضرت آدم ﷺ کے لیے سجدہ کرنے کا تمام فرشتوں کو حکم دیا اور فرشتوں نے اس کی بجا آوری کی، صرف قیام تعظیمی کا حکم نہیں دیا کہ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے

(۱) الحجرات، آیت ۲

(۲) الحجرات، آیت ۳

ہو جاؤ اور صرف رکوع کا حکم نہیں دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ بلکہ ”اسْجُدْ وَا  
لَا دَمْرَ“ آدم کے لیے سجدے کا حکم دیا اور تمام فرشتوں نے سجدہ کیا صرف ابلیس  
نے اس کا انکار کیا اور وہ مردود بارگاہ ہو گیا، اگر انبیاء کی تعظیم شرک ہوتی تو نہ اللہ  
تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم ہوتا اور نہ فرشتوں کی طرف سے اس کی  
بجا آوری ہوتی۔ اس لیے اس بات کو ذہن نشین رکھیں جہاں رب تبارک و تعالیٰ  
نے اپنی توحید و تعظیم کا حکم دیا ہے وہیں اپنے مقرب بندے اپنے انبیاء و رسل کی  
تعظیم و تکریم کا بھی حکم دیا ہے اس لیے کوئی اس سے ہٹ کر کے آج حق پر  
قائم نہیں ہو سکتا ہے۔ جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کو ماننا اس کی عبادت کرنا ہمارے  
اوپر فرض ہے وہیں اس کے مقرب بندوں کی تعظیم کرنا بھی ہمارے اوپر فرض  
ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی ایمان درست نہیں ہو سکتا تو اس بات کو بھی  
ہمیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے  
جتنے بھی ہیں وہ با عظمت ہیں اور جو ان سے جتنا ہی زیادہ قریب ہے اتنا ہی وہ ہمارے  
نزدیک عظیم ہے اس لیے ہم صحابہ کرام اور اہل بیت کی تعظیم اور توقیر بھی لازم  
سمجھتے ہیں اور ان کی بارگاہ میں گستاخی کو کسی بھی قیمت پر روا نہیں سمجھتے اور اولیا  
کرام جو ان صحابہ، اہل بیت اور رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں  
ان کی تعظیم و توقیر بھی ہمارے لیے لازم و ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ  
ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب بندوں کو مجبوراً اور بے اختیار نہیں رکھا  
ہے بلکہ ان کو طاقت و قوت بھی عطا فرمائی ہے اور اس طاقت کے ذریعہ وہ  
دوسروں کو مدد پہنچاتے ہیں اور ان کی دستگیری کا اختیار رکھتے ہیں۔

آپ نے سیرت کی کتابوں میں پڑھا ہو گا کہ صحابہ کرام کو جب کبھی کوئی  
مصیبت درپیش ہوتی تو سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اپنی مصیبت  
بیان کرتے تھے اور سرکار ان کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ اس طرح کے

بے شمار واقعات ہیں۔ اگر بندے سے اپنی مصیبت بیان کرنا اور مدد طلب کرنا یہ شرک ہوتا تو حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس شرک کا ارتکاب نہ ہوتا بلکہ حدیث شریف میں خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے معجم طبرانی کی یہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند حسن مروی ہے۔

ان لله عبادةً اختصاصهم بحوائج الناس، يفرغ الناس اليهم في حوائجهم، اولئك الامنون من عذاب الله. (۱)

”بے شک اللہ کے کچھ خاص بندے ہیں جن کو اللہ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کر رکھا ہے کہ لوگ اپنی ضروریات میں اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیں یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔“

خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو خاص کر لیا ہے کہ وہ لوگوں کی ضروریات میں کام آئیں ان کی حاجت روائی کریں اور لوگ اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیں۔ اگر لوگوں کا اپنی حاجتوں میں اللہ کے کسی مقرب کسی ولی کی طرف پناہ لینا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا ہی نہ کرتا اور نہ رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں کی نشان دہی فرماتے۔ خود حضور ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جن کو لوگوں کی حاجت روائی پر مامور کر رکھا ہے اور لوگ اپنی حاجتوں میں اپنی ضروریات میں ان کی پناہ لیتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں جو اللہ کے ایسے خاص بندے ہیں ان کے بارے میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "اولئك الامنون من عذاب الله" یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں اللہ کے عذاب سے بے خوف کون ہیں، اس کو قرآن مجید نے ارشاد فرمایا ہے:

”أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (۲)

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، ج ۱۲، ص ۳۵۸

(۲) یونس، آیت ۶۲

”بیشک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم زدہ ہونے والے ہیں۔“  
تو یہ اللہ کے دوست اور اس کے اولیاء ہی ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی مغفرت کا اور اجر عظیم کا مژدہ مل چکا ہے انہیں یہ بشارت ہو چکی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی جو معرفت رکھتے ہیں اس معرفت کی بنیاد پر اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ہم عذاب سے مامون ہیں۔  
تو یہ اولیاء اللہ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں اور انہیں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جن کو اس نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کر رکھا ہے اور لوگ اپنی ضرورتوں میں اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیتے ہیں تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ آج اہل سنت اولیاء کرام کی بارگاہ کا جو راستہ بتاتے ہیں اور ان کو جو حاجت روا اور ثابت الاختیار مانتے ہیں یہ حدیث شریف کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہے کسی طریقے سے شرک سے کفر سے اس کا تعلق نہیں ہے اسی طریقے سے کوئی بھی کسی نبی کو، ولی کو، بزرگ کو خدا نہیں مانتا، عام سے عام مسلمان بھی ان سب کو خدا کا بندہ مانتا ہے اور ان کے اندر ذاتی اختیار نہیں مانتا ہے کہ اللہ کے دیے بغیر ان کے اندر کچھ کرنے کی اور کچھ دینے کی قوت ہے، بلکہ جو کچھ بھی طاقت و قوت ان کے اندر مانتے ہیں وہ اللہ کے دینے سے مانتے ہیں اسی وجہ سے اس میں شرک کا کچھ شائبہ بھی نہیں ہے اور جب خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے اپنے کچھ بندوں کو اسی کے لیے خاص کر رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ان کے یہاں حاضر ہوتے رہیں گے اور اپنی حاجتوں کو پیش کرتے رہیں گے اور وہ ان کی حاجت روائی فرماتے رہیں گے۔ یہ اولیاء اللہ کی جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ طاقت ملی ہے اور اللہ نے انہیں کاموں کے لیے ان کو خاص کر رکھا ہے۔

لہذا عقائد کی درستی کا اولین فریضہ ہمارے اوپر ہے۔ ساتھ ساتھ اعمال کی درستی یہ بھی ضروری ہے بلکہ جن کا عقیدہ درست ہے، انہیں کو عمل کرنے کی ضرورت ہے اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے عقیدہ درست کر لیا ہے یہی کافی ہے اور عمل کی ہم کو ضرورت کیا ہے؟ تو عمل کون کرے گا، مسلمان ہی کو عمل کرنے کا حکم ہے غیر مسلموں کو عمل کرنے کا حکم نہیں ہے، ان کو پہلے ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ایمان لانے کے بعد وہ عمل کے مکلف ہوتے ہیں اس لیے جو عقائد درست رکھنے والے ہیں انہیں کو عمل کی طرف توجہ دینی ہے وہ اپنے ایمان کی روشنی میں یہ مانتے ہیں کہ آخرت ہی کے لیے ہم پیدا کیے ہیں اور دنیا اسی کی بھیتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا ہے تو اس کی تیاری کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے تو جو بھی اعمال ہمارے اوپر فرض کیے ہیں ان کو فرض کے طور پر ادا کریں جو واجب کیے ہیں ان کو واجب کے طور پر ادا کریں اس کے بعد جو آداب و نوافل اور سنن ہیں ان کی بجا آوری بھی ہماری آخرت کے لیے بہتر ہے اور اس میں سچے خوش عقیدہ مسلمانوں کو کوشاں ہونا چاہیے اور یہی راہ حق ہے اس سے دوری میں سراسر خسارہ ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا“<sup>(۱)</sup>  
 ”بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عن قریب ان کے لیے رحمن  
 محبت کر دے گا۔“

رب کی مقبولیت و محبت جسے حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اسے بندوں کی محبت و مقبولیت بھی حاصل ہو جاتی ہے اس بارے میں حدیث شریف بھی ہے۔  
 اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے، ہمارے جلسوں، ہماری محفلوں کو ہماری دنیا و آخرت کے لیے کارآمد بنائے۔

<sup>(۱)</sup> مریم، آیت ۹۶

## توسل کی حقیقت

خطاب بتاریخ ۲۰ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۵ جنوری ۲۰۱۱ء شنبہ  
بمقام جھولامیدان، ممبئی۔ زیر اہتمام سنی دعوت اسلامی۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ما بعد، فأعوذ بالله من الشیطن  
الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم یٰأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ  
الْوَسِیْلَةَ<sup>(۱)</sup> صدق الله العظیم.

آپ حضرات ایک بار بار گاہ رسالت مآب میں درود پاک کا نذرانہ پیش کر لیں۔

اللهم صلی علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم.  
میری تقریر کا موضوع رکھا گیا ہے ”توسل کی حقیقت“ اسی کے تحت میں  
آپ کو کچھ ضروری باتیں بتاؤں گا۔

یہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلم امر ہے کہ اس دنیا کا خالق اور مالک اللہ  
جل جلالہ ہے رب تعالیٰ نے اس جہان کو وجود بخشا اور اسی کا نظام اسی کا حکم  
اس کائنات کے اندر جاری و ساری ہے اور اس کی مشیت کے بغیر پوری دنیا میں کچھ  
نہیں ہوتا قرآن مقدس کا ارشاد ہے ”یُدَبِّرُ الْأَمْرَ“<sup>(۲)</sup> وہی کاموں کی تدبیر  
کرتا ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ پر ہمارا جو ایمان ہے وہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک  
وتعالیٰ تمام کمالات کا جامع اور تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے کسی طرح کا  
عیب جھوٹ، چوری، برائی کوئی بھی عیب ہو کسی قسم کا بھی ہو یہ نہ اللہ تبارک

(۱) المائدہ، آیت ۳۵

(۲) السجدة، آیت ۵ (رب تعالیٰ قیامت تک ہونے والے امور کی اپنے حکم، امر اور اپنے قضا و قدر  
سے تدبیر فرماتا ہے ۱۲ ناشر

و تعالیٰ کے لیے ہے اور نہ ہو سکتا ہے وہ کسی بھی عیب سے نہ موصوف ہے اور نہ موصوف ہو سکتا ہے اور جو کچھ بھی اختیار، قدرت، علم، کمال ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے حاصل ہے اور وہ تمام کمالات کا جامع ہے، اس پر قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ<sup>(۱)</sup>

وہی ہے سنے والا، وہی ہے دیکھنے والا۔

قرآن نے یہ بھی فرمایا:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ<sup>(۲)</sup>

کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی اللہ وہی حیات والا ہے وہی خود قائم ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

رب تبارک و تعالیٰ کے بارے میں یہ امر مسلم ہے کہ جو بھی قدرت ہے، اختیار ہے، تصرف ہے، کمال ہے، علم ہے، وہ سب رب تبارک و تعالیٰ کو حاصل ہے اور جہاں تک بھی ہماری عقل کی رسائی ہو سکتی ہے اور جس کو بھی ہم سوچ سکتے ہیں اور کمالات کی انتہا جو ہمارے ذہن و دماغ میں آسکتی ہے وہ رب تبارک و تعالیٰ کے لیے حاصل ہے۔

اب اس کے بعد یہ مرحلہ پیش آتا ہے کہ کیا بندوں کو بھی کوئی کمال حاصل ہے یا نہیں؟ بندوں کو بھی کوئی اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ بندوں کو بھی کچھ قدرت حاصل ہے یا نہیں؟ بندوں کے اندر بھی کوئی طاقت حاصل ہے یا نہیں؟ ہم اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ بندے بھی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں ایک فرقہ تھا ”جبریہ“ جو اس بات کا قائل تھا کہ بندے کے اندر کوئی طاقت اور کمال نہیں ہے لیکن آج کی دنیا مومنین تو مومنین، ملحدین و کفار کی بھی دنیا اس کو

(۱) اشوری، آیت ۱۱

(۲) البقرہ ۲۵۵/ آل عمران ۲



تسلیم کرتی ہے کہ انسانوں کے اندر، بندوں کے اندر طاقت اور قوت ہے اور شریعت مطہرہ سے بھی، قرآن و حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو خصوصاً انسانوں کو مجبور محض نہیں بنایا ہے اگر بندوں کو پتھر کی طرح مجبور بنایا ہوتا، انسانوں کو اس نے جمادات کی طرح رکھا ہوتا تو انسانوں کو اعمال کا مکلف نہیں بناتا جس طرح سے پتھروں کو نماز اور روزہ کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے اسی طرح انسان کو بھی مکلف نہیں بنایا جاتا لیکن انسان کے اوپر بہت سے فرائض عائد کیے گئے اور بہت سے واجبات انسان کے ذمہ عائد ہوتے ہیں وہ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ ان کو طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے اور وہ اپنے بے شمار کاموں کو انجام دے سکتے ہیں اور انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اب اس طاقت و قوت کو آپ دیکھیں تو مختلف افراد کے اندر مختلف قسم کی طاقتیں اور قوتیں ملیں گی یہ طے شدہ ہے کہ ہر انسان یکساں قوت نہیں رکھتا ہے جو ان اور بالغ کے اندر جو طاقت اور توانائی ہوتی ہے وہ کم سن بچے کے اندر نہیں ہوتی۔ اسی طریقے سے بعض بوڑھوں کے اندر بھی وہ طاقت اور توانائی نہیں ہوتی جو عام جوانوں کے اندر ہو کرتی ہے تو طاقت اور قوت کافر بھی رکھا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سب برابر طاقت اور قوت رکھنے والے ہیں اور انسانوں سے آگے جب آپ دیکھیں گے تو اور زیادہ قوت والے ملیں گے۔ انسان، اپنی طاقت اور قوت سے زمین کے اوپر چل سکتا ہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے اور بہت سی چیزوں کو اٹھا سکتا ہے رکھ سکتا ہے اور بہت سارے کام انجام دے سکتا ہے۔ لیکن جنوں کو جب آپ دیکھیں گے تو جنوں کو انسانوں سے زیادہ طاقت عطا کی گئی ہے اسی لیے حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام نے جب اپنے دربار میں یہ فرمایا تھا کہ کون ہے جو تخت بلقیس کو ملک سب سے یہاں تک لادے تو قرآن کریم میں مذکور ہے:

قَالَ عَفْرِيْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ<sup>(۱)</sup>  
 ”ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس  
 کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں۔“

یہ عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے ملک سب سے ملک شام تک  
 دربار برخاست ہونے سے پہلے پہلے لاسکیں، ملک سب سے ملک شام تک  
 دربار برخاست ہونے سے پہلے پہلے یعنی چند گھنٹے کے اندر اتنا بڑا تخت جو کہ  
 طرح طرح کے عجائب سے مرصع تھا اور وہ بھی کہیں باہر میدان میں نہیں رکھا  
 ہوا تھا بلکہ جب ملکہ بلقیس اپنے ملک سے چلی ہے تو اس کو سات قفل کے اندر  
 سات دروازوں کے اندر سات کمروں کے اندر بند کر کے رکھا تھا اور اس تخت کو  
 ایک آدمی اٹھا بھی نہیں سکتا تھا لیکن جن نے یہ کہا کہ میں اس تخت کو مجلس  
 برخاست ہونے سے پہلے پہلے لا سکتا ہوں اور دوسرے صاحب نے عرض کیا  
 جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے:

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ<sup>(۲)</sup>

”میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے اس کو یہاں حاضر کر سکتا ہوں“  
 اور حضرت سلیمان عَلَیْهِ السَّلَامُ نے دیکھا کہ تخت بلقیس یہاں حاضر ہے تو سب کے سب  
 طاقت اور قوت میں برابر نہیں ہوتے۔ عام انسان اس تخت کو ہلا بھی نہیں سکتا ہے  
 اٹھا بھی نہیں سکتا ہے لیکن ایک جن کو یہ طاقت عطا کی گئی ہے کہ وہ ایک ملک  
 سے دوسرے ملک مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے یعنی چند گھنٹے کے اندر  
 حاضر کر سکتا ہے اور خود انسانوں ہی میں سے ایک صاحب روحانیت کو جو حضرت  
 سلیمان عَلَیْهِ السَّلَامُ کے صحابی تھے ان کے فیض یافتہ تھے آصف ابن برخیا ان کو یہ  
 طاقت اور قوت عطا کی گئی تھی کہ وہ چشم زدن میں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے

(۱) انمل، آیت، ۳۹

(۲) انمل، آیت، ۴۰

ملک سب سے بلیقیں کا تخت شام تک لاسکتے تھے اور نہ یہ کہ صرف لاسکتے تھے بلکہ انھوں نے وہ تخت لاکر کے حاضر کر دیا اور جب حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام نے اس تخت کو سامنے دیکھا تو اس پر خدا کا شکر ادا کیا یہ قرآن کا صرف ایک واقعہ ہے ادھر ادھر کی کتابوں سے پیش نہیں کیا گیا ہے نہ حدیث کی کتاب سے لیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں آپ کہیں کہ رجال اس کے قوی نہیں ہیں اور فلاں راوی کے اوپر فلاں نے جرح کی ہے اور فلاں کے اندر ضعف پایا جاتا ہے اور ایسا ہے ویسا ہے۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ رب تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، بندوں کو وجود بخشا ہے، مخلوقات کو اس جہاں میں نمودار فرمایا ہے لیکن سب کی طاقت و قوت یکساں نہیں رکھی ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کو بے طاقت و بے قوت اور مجبور محض بنایا ہو کہ یہ کچھ کرنے کی قوت اور صلاحیت ہی نہ رکھتے ہوں اگر ایسا ہوتا تو انسانوں کو مکلف ہی نہ بنایا جاتا اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کا اور اعمال کی ادائیگی کا ان کو مکلف ہی نہ بنایا جاتا تو انسانوں کی ہی طاقت پر گفتگو کرتے ہوئے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ایک انسان کے اندر تو اتنی طاقت نہیں ہوتی ہے کہ اتنا بڑا تخت ہلا سکے لیکن دوسرا صاحب روحانیت انسان ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت و قوت عطا کی گئی ہے کہ وہ اتنا بڑا تخت جو بہت سارے کمروں اور قفلوں کے اندر بند ہے وہ چشم زدن میں حاضر کر دیتا ہے اور حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام اور ان کے دربار والے یہ دیکھ لیتے ہیں کہ اللہ کے اس بندے کو کتنی عظیم قوت حاصل ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ قرآن مقدس نے ذکر کیا ہے تو اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ سب کے سب طاقت اور قوت میں برابر نہیں ہیں اللہ کے خاص بندوں کو اور اس کی بعض خاص مخلوقات کو انسانوں سے یعنی عام انسانوں سے بہت زیادہ طاقت اور قوت حاصل ہے اور وہ اپنی طاقت اور قوت سے بہت سے کام انجام دے سکتے ہیں اس کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے

جب اپنے خاص بندوں کو یہ طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے تو ان سے اپنی مشکلات میں مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

جس طریقے سے ایک بچہ اپنے ماں باپ سے مدد حاصل کرتا ہے ماں باپ اپنے بیٹوں سے مدد حاصل کرتے ہیں اور ایک شخص اپنے پڑوسی سے مدد حاصل کرتا ہے جب بیمار پڑتا ہے تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتا ہے اور جب اس کے اوپر کوئی آفت آتی ہے تو کسی بھی طاقت اور قوت والے سے مدد لیتا ہے کوئی پولس سے مدد لیتا ہے کوئی حکومت سے مدد لیتا ہے طرح طرح کی مدد لینے اور استعانت کرنے اور اپنی ضروریات کے برلانے میں دوسروں کو وسیلہ بنانا یہ دنیا بھر کا معمول ہو چکا ہے اور کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس طرح سے جو ضروریات پیش آتی ہیں ان میں انسان مدد بھی کرتا ہے اور دوسروں کی مدد لیتا بھی ہے، تو یہ مدد کرنا اور مدد لینا جس طریقے سے کہ عام حاجات، عام طرح کی ضروریات میں ہوتا رہتا ہے اور پوری دنیا کا عمل اس پر ہے اسی طریقے سے خاص مشکلات میں خاص ضروریات میں اور خاص کاموں میں مدد لینا ان لوگوں سے جو بڑی طاقت اور قوت والے ہیں جائز اور درست ہے۔ اس کو اگر شرک کہتے ہیں تو شرک کہنے کے لیے دلیل چاہیے اگر وہ یہ دلیل پیش کریں کہ قرآن مقدس میں آیا ہے سورہ فاتحہ کے اندر:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ<sup>(۱)</sup>

کہ ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں، تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔ بس اتنا ہی قرآن مقدس میں ہے کہ "إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کہ ہم صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں لہذا اس سے نتیجہ اخذ کر لیا کہ اگر کسی غیر اللہ سے مدد مانگ لی اور کسی کو وسیلہ بنا لیا اس سے استعانت کر لی اس سے استمداد کی تو شرک ہو گیا جس طریقے سے غیر اللہ کی عبادت کر لی تو فوراً مشرک ہو جاتا ہے اسی طریقے سے غیر اللہ سے اگر استعانت کی تو فوراً مشرک ہو جائے گا،

(۱) الفاتحہ، آیت ۴

ایمان سے نکل جائے گا، کافر ہو جائے گا اگر اس آیت کا یہی معنی ہے تو روے زمین کے اوپر کوئی بھی مسلم نہیں ہے سب کے سب مشرک ہو چکے ہیں اس لیے کہ قرآن یہ نہیں فرماتا ہے کہ صرف مشکل کام میں مدد لو بلکہ قرآن تو یہ فرما رہا ہے کہ «إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ» کہ ہم سارے ہی امور میں تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں تو اگر اس آیت کے ذریعہ استدلال کرتے ہیں کہ جہاں غیر خدا سے مدد مانگی تو فوراً ہی مشرک ہو گیا، تو کسی سے آپ نے ایک گلاس پانی مانگا تو فوراً مشرک ہو گئے۔۔۔ کسی ڈاکٹر کو نبض دکھائی دو حاصل کی تو مشرک ہو گئے کسی جگہ چوٹ لگ گئی کسی سے پٹی بندھوائی، مشرک ہو گئے۔ کسی سے کھانا مانگا، مشرک ہو گئے اس لیے کہ یہ سب غیر اللہ سے مدد ہے اور غیر اللہ سے استعانت ہے۔ اگر قرآن فہمی کا یہی حال رہا تو روے زمین پر کوئی انسان مسلمان نہیں بچے گا جو کافر ہیں وہ رہیں گے ہی جو مسلم ہیں وہ بھی مسلم نہیں رہ جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی «إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ» کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قوت عطا فرمائی ہے جب اس قوت کو مانتے ہوئے کہ اللہ نے بندوں کو قوت دی ہے اور اللہ ہی کے قوت دینے سے وہ مدد کرنے کی قوت و صلاحیت رکھتا ہے اس بنا پر اگر کسی غیر سے مدد مانگی تو یہ غیر سے مدد مانگنا نہیں بلکہ یہ اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔ تو مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ سب کچھ دینے والا، عطا کرنے والا، ذاتی طور پر، مستقل طور پر رب تبارک و تعالیٰ ہے۔ لیکن رب تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو جب پیدا فرمایا ہے تو ان کو مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ بندوں کو طاقت اور قوت بھی عطا فرمائی ہے۔ اب جب یہ ایک مسلم اعتقاد رکھتا ہے کہ بندے کو طاقت اور قوت حاصل ہے اور اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قوت ہے اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے وہ دوسروں سے مدد مانگتا ہے، ڈاکٹر سے مدد مانگتا ہے، وکیلوں سے مدد لیتا ہے، یا کسی طریقے کے معاملے میں کسی سے مدد لیتا ہے تو یہ دراصل اللہ ہی سے مدد لیتا ہے

اس لیے کہ بندہ مومن یہ مانتا ہے کہ اللہ ہی کی دی ہوئی طاقت اور قوت اس کے پاس ہے۔

اہل اسلام اور اہل اسلام کے جو ائمہ اور پیشوا اور علمائے دین ہیں انھوں نے تو اس آیت کریمہ سے یہ سمجھا ہے کہ اگر اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قوت مانتے ہوئے کوئی بھی غیر سے استعانت کرتا ہے تو یہ دراصل اللہ ہی سے استعانت کرنا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یقیناً بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ ان کو طاقت عطا فرمائی ہے تو اس کے لحاظ سے اس سے مدد لی جاسکتی ہے حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام نے تخت بلقیس کے حاضر کرنے میں دوسرے ہی سے کہا تھا کہ کون ہے جو اس کو لادے، جب کہ حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام خود با اختیار تھے حضرت آصف ابن برخیا ان کے وزیر تھے ان کے صحابی تھے۔ ایک صحابی کے اندر جو طاقت اور قوت ہوگی، جو روحانیت ہوگی، جو مدارج کمال ہوں گے وہ یقیناً اس کے نبی کے اندر ضرور ہوں گے لیکن اس معاملے میں بھی انھوں نے دوسروں سے مدد لی دوسرے سے حاضر کروایا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے مدد لینا شرک نہیں۔ اہل سنت کا جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ یقیناً ذاتی قوت، اختیار، ارادہ اور تصرف اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ کسی کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے دینے سے جیسے جیسے اس نے بندوں کو کمالات اور اختیارات عطا فرمائے ہیں ضرور حاصل ہیں اور بندے مجبور محض نہیں ہیں اور یہ بہت سارے کام اپنی طاقت اور قوت کے لحاظ سے انجام دے سکتے ہیں بہت سے وہ کام ہیں جن کو یہ خود کر سکتے ہیں۔ بہت سے وہ کام ہیں جن کو خود نہیں کر سکتے ہیں ان میں دوسروں سے مدد لیتے ہیں اور دوسروں کو اپنی حاجت میں وسیلہ بناتے ہیں یہ شرک نہیں ہے اور خود قرآن مقدس میں یہ موجود ہے۔

قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ<sup>(۱)</sup>

”اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ<sup>(۲)</sup>

”اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو“

اب آپ بتائیے کہ قرآن نے جو فرمایا ہے کہ صبر اور نماز سے مدد چاہو تو کیا صبر اور نماز خدا ہیں؟ صبر اور نماز بھی غیر اللہ ہیں۔ خود انسان بھی غیر اللہ ہے اور انسان کے اعمال بھی غیر اللہ ہیں انسان بھی مخلوق ہے اور اس کے اعمال بھی مخلوق ہیں۔ قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے: ”خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا فرمایا اور تمہارے اعمال کو بھی۔ انسان کا عمل جو کچھ وہ کرتا ہے اٹھنا، بیٹھنا، روزہ رکھنا، نماز پڑھنا، حج کرنا، زکات دینا یہ سارے اعمال خدا کے مخلوق ہیں اور جو بھی مخلوق ہے وہ غیر اللہ ہے، خالق نہیں ہے، خالق کے علاوہ ہی ہے تو انسان، یہ بھی مخلوق ہے، اس کے اعمال یہ بھی مخلوق ہیں لیکن رب تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نماز اور صبر سے مدد طلب کرو، استعانت کرو تو یہ بھی غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم ہے اسی طریقے سے وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو اس میں وسیلہ لینے اور ڈھونڈنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب رہا کرتے تھے ان کی ایک مرتبہ قاضی سے گفتگو ہوئی اور اس نے ان کا عقیدہ جاننے کے لیے توسل کے بارے میں گفتگو شروع کر دی کہ توسل کو آپ کیا کہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا

(۱) البقرہ، آیت ۱۵۳

(۲) المائدہ، آیت ۳۵

کہ میں جائز کہتا ہوں۔ کہادلیل کیا ہے تو فرمایا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ<sup>(۱)</sup>

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو“

اس نے کہا کہ یہاں وسیلہ سے مراد اعمال ہیں یعنی اعمال کی بجا آوری کرو حالانکہ اعمال تو سب ”تقویٰ“ کے اندر آگئے۔ اتَّقُوا اللَّهَ۔ پہلے فرمادیا گیا ہے، ایمان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اے وہ جو ایمان لاپچکے۔ اتَّقُوا اللَّهَ۔ تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اعمال صالحہ کی بجا آوری ہے۔ اب اعمال صالحہ کی بجا آوری کے بعد یہ ارشاد ہے: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اس کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈو... تو گفتگو کرنے کے لیے حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: تم کہتے ہو کہ وسیلہ سے مراد اعمال ہیں تو کیا تم کو یقین ہے کہ جو اعمال تم کرتے ہو وہ سب اللہ کے یہاں مقبول ہیں کیوں کہ عمل ہمارا جب مقبول ہوگا تبھی کچھ کام آئے گا جو عمل رد ہو گیا کسی بھی خلل کی وجہ سے، کسی بھی خرابی کی وجہ سے، نیت میں اخلاص نہیں ہے، یا عمل میں فتور ہے کچھ بھی فساد ہے اس کی وجہ سے رد ہو گیا تو ظاہر ہے کہ کچھ کام دینے کا نہیں ہے۔ اعمال اس سے مراد ہیں تو وہی اعمال کا رآمد ہو سکتے ہیں جو اللہ کے یہاں مقبول ہوں تو انھوں نے سوال فرمایا کہ کیا تم کو یقین ہے کہ تمہارے اعمال مقبول ہیں؟ وہ بولا کہ یقین تو نہیں ہے ”امید رکھتا ہوں“ انھوں نے فرمایا ہم جن مقدس ہستیوں کو وسیلہ بناتے ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر مقبول اور برگزیدہ ہیں کہ جو ان کی مقبولیت میں شک کرے گا وہ بھی مومن نہیں رہ جائے گا تو جو انبیاء کرام ہیں اور خصوصاً سید الانبیا علیہ السلام یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور ان مقبولان بارگاہ کو ہم اپنا وسیلہ بناتے ہیں ان کی مقبولیت میں جو شک کرے

(۱) المائدہ، آیت ۳۵



کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ مقبول نہیں ہیں تو وہ مومن ہی نہیں رہ جائے گا تو تم عمل کو جس کی مقبولیت کا ٹھکانا ہی نہیں ہے جس عمل کے بارے میں معلوم ہی نہیں ہے کہ مقبول ہے یا مردود ہے اس کو وسیلہ بنانا درست کہتے ہو تو ہم تو ان کو وسیلہ بناتے ہیں جن کا مقبول ہونا قطعی اور یقینی ہے اور اس کے اندر شک لانا بھی ایمان کی بربادی ہے۔ یہ عجب معاملہ ہے کہ اعمال کا وسیلہ درست قرار دیتے ہیں کیا اعمال غیر خدا نہیں ہیں؟

شُرک کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ آج تک انھوں نے شرک کا مفہوم متعین نہیں کیا نہ شرک کا مطلب سمجھا کسی بھی مخلوق کو اللہ کی ذات یا خاص صفات میں کوئی شریک کرتا ہے یا اس کو خالق یا مستقل بالذات مانتا ہے یا واجب الوجود مانتا ہے تو وہ مشرک ہو جائے گا یہ نہیں ہے کہ ذرہ کو اللہ کی ذات یا صفات میں شریک بنائے گا تو مشرک ہو جائے گا اور پہاڑ کو شریک بنائے گا تو نہیں ہوگا۔ انبیا اور اولیا کو شریک بنائے گا تو مشرک ہو جائے گا اور اعمال کو شریک بنائے گا تو مشرک نہیں ہوگا، زندہ کو شریک بنائے گا تو مشرک ہو جائے گا، مردہ کو شریک بنائے گا تو مشرک نہیں ہوگا یا اس کے برعکس کہ مردہ کو اگر شریک بنائے گا تو مشرک ہو جائے گا اور زندہ کو شریک بنائے گا تو مشرک نہیں ہوگا ایسا کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے کسی کو بھی شریک بنائے چاہے ذرہ کو شریک بنائے یا پہاڑ کو بنائے، نبی کو بنائے یا ولی کو بنائے یا غیر نبی اور غیر ولی کو بنائے، عمل کو بنائے یا عامل کو بنائے اس میں کسی کو بھی شریک بنائے گا تو یقیناً وہ مشرک ہو جائے گا اس کا کوئی فرق نہیں ہے کہ کس کو بنا رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں اپنی صفات کمال میں متوحد، منفرد، یکتا، بے مثل اور بے نظیر ہے۔ ہم اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے جتنے بھی کمالات ہیں جتنی صفات ہیں وہ کسی غیر کی عطا سے کسی غیر کے

دینے سے نہیں ہیں بلکہ اس کی ذات سے حاصل ہیں ایک تو وہ واجب الوجود ہے وہ خالق ہے سب کو وجود بخشنے والا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے جتنے بھی کمالات ہیں وہ سب کے سب اس کو اس کی ذات سے حاصل ہیں کسی کی عطا سے نہیں ہیں اور جس کو جو کچھ بھی کمال حاصل ہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو کسی طرح کا بھی کوئی اختیار و تصرف اس کو حاصل ہے یہ اس کی ذات سے نہیں بلکہ اللہ کی عطا سے ہے اور اگر اللہ کا کمال کوئی مانتا ہے کہ یہ دوسرے کا دیا ہوا ہے، دوسرے کا عطا کیا ہوا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کمال جیسا کہ ماننا تھا مانا نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کسی قوت کو، کسی کمال کو، کسی اختیار کو، کسی تصرف کو کسی دوسرے کا عطیہ سمجھتا ہے تو یقیناً وہ اللہ کو نہیں جانتا ہے اللہ کو نہیں مانتا ہے اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو کمال ہے وہ یقیناً کسی کا عطیہ نہیں ہے اور مخلوق کے پاس جو کمال ہے چاہے ایک ذرہ کے برابر ہو یا ایک پہاڑ سے بڑھ کر ہو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا سے اور اس کے دینے سے، اس کی تخلیق سے ہے، اس کے پیدا کرنے سے ہے اور اس کو ایسا بنانے سے ہے اس لیے ہم انبیا اور اولیا کے اندر جو کمالات اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا سے مانتے ہیں یہ کمالات اللہ کے اندر ہیں تو وہ ذاتی ہیں مخلوق کے اندر جو کمال ہیں رب کی عطا سے ہیں۔ وہ کتنی ہی عظیم مخلوقات ہوں، انبیا اور اولیا ہوں، ان میں جو بھی کمالات ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دینے سے ہیں اسی طریقے سے عام انسانوں میں اگر چلنے، پھرنے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، زکات دینے یا دیگر اعمال خیر بجالانے یا برائیاں کرنے کسی بھی شر کو انجام دینے کی جو طاقت اور قوت ہے یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ انسان کی اپنی ذاتی نہیں ہے اس وجہ سے ہم اہل سنت کا اعتقاد یہی ہے کہ کسی بھی چیز کو جو غیر اللہ ہے اس کو اللہ کا شریک بنانا، چاہے اللہ کی ذات میں شریک بنانا ہو یا صفات خاصہ

میں شریک بنانا یقیناً شرک ہے اور اس کی وجہ سے انسان مشرک ہو جائے گا اور بندے کو جیسا کمال حاصل ہے کہ اللہ کا دیا ہوا اس کا عطا کیا ہوا ہے بخشا ہوا ہے۔ ایسا عطائی کمال اگر اللہ کے لیے کوئی مانتا ہے تو وہ مومن نہیں رہ جائے گا اللہ کا کمال دوسرے کا عطیہ مان کر وہ کافر ہو جائے گا اس لیے ہمارے نزدیک کوئی فرق کرنے کی ضرورت نہیں ہے اعمال ہوں تو یہ بھی غیر اللہ ہیں اور انبیاء کرام ہوں اولیاء کرام ہوں یہ بھی غیر اللہ ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وجاہت اور قوت اور مقبولیت عطا فرمائی ہے اس کی وجہ سے ہم ان کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا سکتے ہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

اب احادیث پر آئیے تو احادیث بھی اس معنی میں بے شمار ملیں گی اور صحابہ کرام کے انبیاء کرام کے عمل پر آئیے تو وہ بھی بے شمار ملیں گے انہوں نے دوسروں سے مدد لی ہے دوسروں کو وسیلہ بنایا ہے اور یہ ہوتا رہتا ہے جس طریقے سے کہ میں نے عرض کیا کہ عام حاجات اور ضروریات میں ہم ایک دوسرے سے مدد حاصل کرتے ہیں، اس کو اپنی حاجت برآری کا ذریعہ اور وسیلہ بناتے ہیں اسی طریقے سے خاص حاجات اور خاص ضروریات میں بھی دوسروں کو ذریعہ اور وسیلہ بنانا یہ بھی ایک ایسا طریقہ ہے جو جاری رہا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت ربیعہ ابن کعب سلمی رضی اللہ عنہما جو حضور ﷺ کی خدمت میں وضو کا پانی اور ضرورت کی چیزیں حاضر کیا کرتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سل“ اے ربیعہ مجھ سے مانگو۔ حضرت ربیعہ نے عرض کیا ”اسئلك مرافقتك في الجنة“ میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں اور سرکار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

”أو غير ذلك“ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ چاہتے ہو، تو عرض کیا ”هو ذلك“ بس جنت میں آپ کی رفاقت چاہیے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا: ”فأعنى على نفسك بكثرة السجود“ تو مجھے اپنی ذات کے اوپر کثرت سجدہ سے مدد دو۔

اب اس حدیث پر آپ غور کریں اور شارحین حدیث کے ارشادات بھی سنیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے مانگنے کو ارشاد فرمایا جب کہ ان کے لحاظ سے غیر اللہ سے مانگنا یہ شرک ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سل“ کہ مجھ سے مانگو تو گویا کہ رسول اللہ ﷺ نے شرک کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے مانگا بھی تو روٹی چاول نہیں مانگا جو عام طور سے مانگا جاتا ہے اور ضروریات میں کام آتا ہے۔ مانگی تو بہت ہی عظیم چیز مانگی عرض کیا ”استئلك مرافقتك في الجنة“ میں جنت میں آپ کی رفاقت آپ سے مانگتا ہوں تو اس سوال میں ایک تو جنت انھوں نے مانگی اور دوسرے کہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت مانگی ورنہ جنت تو کوئی بھی ہو سکتی ہے نچلے درجہ کی بھی ہو سکتی ہے، جنت کا کوئی کونہ بھی ہو سکتا ہے لیکن جنت میں اس کا اعلیٰ ترین مقام جو انبیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے وہ انھوں نے مانگا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی درخواست کی اور عرض کیا ”استئلك مرافقتك في الجنة“ میں جنت میں آپ سے آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد بھی سرکار نے یہ نہیں فرمایا کہ: یہ کیا تم نے مانگا لیا؟ ارے روٹی دال چاول مانگتے تو میں دے دیتا تم نے مانگا تو جنت مانگی وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے میں کہاں سے دوں گا یہ نہیں ارشاد فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا ”أو غير ذلك“ اتنا ہی یا کچھ اور بھی یعنی جنت تو میں دے سکتا ہوں تم کو دے دیا اور اس کے علاوہ بھی کچھ چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ سکتے ہو۔

اگر اتنی عظیم چیز یعنی جنت کو مانگنا اور جنت میں بھی سید الانبیاء ﷺ کی رفاقت کا مانگنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ حضور ﷺ جنت کے دینے پر جنت میں اپنی

رفاقت عطا کرنے پر، اتنا عظیم ترین مقام دینے پر قادر ہیں۔ یہ اعتقاد رکھنا اگر شرک ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کو مشرک ہونے کا حکم دیتے۔ اس کے بعد کلمہ پڑھاتے۔ پھر اس کے بعد کچھ اور کام ہوتا لیکن سرکار نے تو پہلے خود ہی ارشاد فرمایا ”سل“ کہ تم مانگو اور اس کے بعد انھوں نے مانگا بھی تو کوئی دنیوی چیز نہیں مانگی بلکہ بہت ہی عظیم چیز مانگی جنت اور جنت میں سید الانبیاء ﷺ کی رفاقت اور اس مانگنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی ہمت افزائی کی مزید ان کو شوق دلایا اور ارشاد فرمایا کہ اتنا ہی یا اور کچھ چاہتے ہو تو انھوں نے عرض کیا کہ بس یہی چاہتا ہوں جنت اور اس کے ساتھ آپ کی رفاقت حاصل ہو جائے اور پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد کثرت سجدہ کا حکم دیا "فأعنى على نفسك بكثرة السجود" اگر یہ کہیں کہ اس سے اس کی نفی ہوتی ہے تو ہرگز نفی نہیں ہوتی ہے بلکہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا معنی یہی ہے کہ جو کچھ تم نے مانگا وہ میں نے عطا کیا لیکن تمہارا کام یہ ہے کہ کثرت سجدہ سے تم اپنے کو اس کے لائق بھی بناؤ اور اہل بھی بناؤ اور انبیاء کرام کے ساتھ رہنے اور ان کی رفاقت کی لیاقت بھی اپنے اندر پیدا کرو اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور مطلب نکلتا ہے تو خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد "فأعنى على نفسك" اپنی ذات پر میری مدد کرو تو اس میں بھی تو مدد مانگنا ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضور ﷺ دنیا کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تو کیا آخرت کی عظیم چیز جنت اور اس سے عظیم چیز جنت میں انبیا اور سید الانبیاء ﷺ کی رفاقت عطا کرنے پر قادر ہیں اور وہ اس کو مانگنے پر دے سکتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس اعتقاد پر رقرار رکھا اس کی نفی نہیں کی اور یہ نہیں فرمایا کہ اتنی بڑی قدرت میرے لیے مان کر کے اور اتنا بڑا سوال مجھ سے کر کے تم مشرک ہو گئے بلکہ حضور ﷺ نے وہ ان

کو عطا فرمایا اور جو انھوں نے مانگا تھا اس کو دیا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو یہ طاقت اور قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ عطا فرما سکتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آج کے فرقے جن کو اپنا پیشوا اور امام تسلیم کرتے ہیں ہندوستان کے اندر علم حدیث کی نشر و اشاعت ان کا عظیم کارنامہ ہے ۱۰۵۲ھ میں ان کا وصال ہے ان کے سلسلہ حدیث سے آج برصغیر کے سبھی افراد مستفیض ہو رہے ہیں وہ مشکات کی شرح اشعۃ اللمعات میں ارشاد فرماتے:

”از اطلاق سوال کہ بفرمود سل و تخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص، معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست و کرامت اوست، ہرچہ خواہد، ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد“<sup>(۱)</sup> کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کو مطلق رکھا اور صرف اتنا ہی فرمایا کہ مانگو کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں کی کہ دنیا کی چیزیں مانگو کمان اور زرہ مانگو تلوار اور نیزہ مانگو یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو میرے دائرہ اختیار میں ہیں وہ مانگو کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں کی اور انھوں نے مطلق فرمایا کہ مانگو اس سوال کو مطلق رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اختیار میں ان کے دست کرامت و تصرف میں تمام امور ہیں اور جس کو وہ جو چاہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرمادیں اس کے بعد یہ شعر لکھا ہے کہ

اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری  
بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنان کن

”اگر دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو ان کی بارگاہ میں حاضری دو اور جو کچھ چاہتے ہو اس کی آرزو کرو، اس کی تمننا کرو“ اور اس کے بعد امام بو صیری کا یہ شعر بھی لکھا ہے

(۱) اشعۃ اللمعات، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود و فضله، الفصل الاول، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر جلد ۱، ص

فان من جودك الدنيا وضرتها

ومن علومك علم اللوح والقلم

”کہ آپ کی سخاوت سے دنیا بھی ہے آخرت بھی ہے اور آپ کے علوم ہی کا ایک حصہ لوح و قلم کا علم ہے۔“

اس شعر کو بھی انھوں نے یہاں پر درج کیا ہے تو اس شعر سے جو امام بو صیری کا ہے جو قصیدہ بردہ شریف کا شعر ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ اختیارات حاصل تھے۔ حضرت شیخ حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو زبردست بزرگ ہیں وہ بھی اپنی شرح ”مرقاۃ المفاتیح“ میں اس بات کو ذکر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مطلق یہ حکم دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات و امور حضور اکرم ﷺ کے دست کرامت و تصرف میں ہیں اور وہ جس کو جو چاہیں اپنے پروردگار کے حکم سے عطا فرما سکتے ہیں۔

اب جب حضور ﷺ کو یہ سارے اختیارات، سارے امور حاصل ہیں تو اگر ان سے ان امور کو مانگتے ہیں اور کسی بھی کام میں ان کو وسیلہ بناتے ہیں تو یہ شرک کسی طرح سے نہیں ہو سکتا۔ جس طریقہ سے حضرت ربیعہ ابن کعب سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حضور ﷺ کے فرمان پر ان کے سامنے ان سے مانگا اور سرکار نے عطا کیا برقرار رکھا اس طریقے سے ہم بھی ان سے اگر کچھ مانگتے ہیں، طلب کرتے ہیں تو یہ حضور ﷺ کی تعلیم کے عین مطابق ہے، صحابی کے اعتقاد کے عین مطابق ہے اور حدیث پاک کے عین موافق ہے اس پر تمام اہل سنت عمل کر سکتے ہیں اور یہی نہیں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوْ جَدُّ وَاللَّهُ تَوَّابًا رَحِيمًا<sup>(۱)</sup>

”کہ اگر انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو اور پھر تمہارے پاس آئیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کر دیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل ایمان نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو، اپنے اوپر ظلم کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی گناہ کا ارتکاب کیا ہو کوئی بھی خلاف شرع کام کیا ہو تو رسول کی بارگاہ میں حاضری دیں۔

”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ“

اگر انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو اور پھر تمہارے پاس حاضری دیں اور اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے بخشش کی دعا کر دیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔

ایک بات میں یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ ہم اہل سنت یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے براہ راست دعا کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے کیوں کہ انبیاء کرام اولیاء کرام کا طریقہ رہا ہے کبھی بغیر توسل کے انھوں نے دعا کی ہے اور براہ راست خدا سے مانگا ہے اور کبھی وسیلہ کے ساتھ مانگا ہے۔ تو یہ بندے کی اپنی حالت پر اپنے خیال پر ہے کہ جہاں یہ سمجھتا ہے کہ یہ کام عظیم ہے مجھے وسیلہ کسی کا حاصل کرنا چاہیے اور اس کے وسیلہ سے مجھ کو یہ دعا کرنی چاہیے تو وہاں وسیلہ کے ساتھ وہ دعا کرے اور عام حالات میں وہ براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہے کہ "رب اغفر لی رب ارحمنی" اس طرح صبح و شام دن رات وہ دعا کر سکتا ہے اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام نے وسیلہ۔ حضور ﷺ کے بارے میں حدیث ہے:

(۱) النساء آیت نمبر ۶۴



یستفتح بصعالیک المهاجرین<sup>(۱)</sup> کہ حضور ﷺ مہاجرین میں سے جو نادر افراد ہوتے ان کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے جبکہ انبیاء کرام کا تعلق رب تبارک و تعالیٰ سے براہ راست ہوتا ہے لیکن یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ غیر اللہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور ان مہاجرین کی جو خاص طور سے نادر تھے ان کی عزت افزائی کرنے کے لیے ان کی عظمت بڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ ان کے وسیلے سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے اور فتح حاصل ہوتی تھی تو یہ بھی حضور ﷺ کا طریقہ رہا ہے کہ اپنے سے کم تر کو وسیلہ بنایا صرف ان کی عزت افزائی کے لیے اور امت کو یہ بتانے کے لیے کہ جب میں کم تر کو وسیلہ بنا سکتا ہوں تو تم بہتر کو اور بزرگ تر کو بدرجہ اولیٰ وسیلہ بنا سکتے ہو تو یہ تو شل بھی انبیاء کرام کا طریقہ رہا ہے خود یہ آیت کریمہ جو ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

اس کے اوپر بھی صحابہ کرام نے عمل کیا وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی مغفرت اور بخشش چاہتے تھے اور حضور ﷺ کے زمانے کے بعد تابعین، تبع تابعین کے زمانے کا واقعہ ہے جس کو تمام مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے خاص طور سے باب مناسک حج کے بیان میں کہ ایک عتسی تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں تھا ایک اعرابی آیا اور اس نے آیت کریمہ پڑھی

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

اس کے بعد یہ کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی ذات کو ہمارے لیے وسیلہ بنایا ہے میں نے اپنی ذات پر جو ظلم کیا ہے زیادتی کی ہے میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اپنے رب سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی، شرح لسنہ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ لمصابیح

اور آپ کی شفاعت چاہتا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کر دیں  
تو میری مغفرت ہو جائے گی۔

درد شریف پڑھ لیں اللھم صل علی محمد ﷺ

اس آیت کریمہ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ سے متعلق وہ تابعی تھے بیان کرتے ہیں ایک اعرابی سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا، یہ آیت کریمہ پڑھی اور رب تبارک و تعالیٰ سے مغفرت چاہی سرکار کو وسیلہ بنایا اور یہ کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ کو وسیلہ بنائیں اور آپ سے شفاعت چاہیں تو میں اس کے مطابق رب تبارک و تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور آپ کو وسیلہ بناتا ہوں آپ کی شفاعت چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ کو بخش دے پھر اس کے بعد دو شعر پڑھے اور چلا گیا وہ راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو اس دوران نیند آگئی تو میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ اس اعرابی کو بشارت دے دو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس اعرابی کی مغفرت فرمادی ہے تو صحابہ و تابعین کا بھی یہ عمل رہا ہے اور اتنا ہی نہیں ابوالبشر سیدنا آدم ﷺ ان کے بارے میں خود حدیث میں ہے، جس کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو لکھا ہے اور اس کے علاوہ محدثین نے بھی ذکر کیا ہے امام تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے بارے میں جو کچھ بھی ابن تیمیہ نے کلام کیا تھا اس کا جواب بھی دیا ہے اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ

"لما اقترف آدم الخطیئة قال یارب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی فقال الله یا آدم وکیف عرفت محمد ولم أخلقہ قال یارب لاینک لما خلقتنی بیدک ونفخت فی من روحک رفعت رأسی فرأیت علی

قوائم العرش مكتوبا لا إله الا الله محمد رسول الله فعلمت انك لم تضيف الى اسمك الا احب الخلق اليك فقال صدقت يا آدم انه لاحب الخلق اليّ أما اذا سألتني بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما غفرت لك وما خلقتك" (۱)

کہ جب حضرت آدم عليه السلام سے لغزش صادر ہوئی برسوں وہ رب تبارک و تعالیٰ سے اس لغزش پر مغفرت کی دعا کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن انھوں نے یہ عرض کیا کہ "رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لي" کہ میں محمد صلى الله عليه وسلم کے وسیلے سے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے یہ حضرت آدم عليه السلام دعا کرتے رہے ہیں رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے محمد صلى الله عليه وسلم کو کیسے جانا میں نے تو ابھی ان کو پیدا نہیں کیا تو عرض کیا کہ جب تو نے مجھ کو پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے روح میرے جسم میں ڈالی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا کہ "لا إله الا الله محمد رسول الله" ایک طرف اللہ کا نام ہے اس کے ساتھ محمد صلى الله عليه وسلم کا نام ہے تو اس کو دیکھ کر کے میں نے سمجھا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس کا بھی نام ملایا ہے وہ یقیناً تیری بارگاہ میں ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے اس لیے میں نے ان کو وہیں سے جانا اور ان کا وسیلہ لیا رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "صدقتم يا آدم" اے آدم تو نے سچ کہا اور جب تم نے ان کے وسیلے سے دعا مانگی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا اور تمہاری مغفرت بھی نہ ہوتی۔

انبیاء کرام کو تو رب تبارک و تعالیٰ سے براہ راست تعلق ہوتا ہے اور بغیر کسی توسل کے وہ دعا کر سکتے ہیں اور کرتے بھی تھے پہلے بھی کرتے تھے بعد میں بھی کرتے رہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ دعاباب اجابت تک نہیں پہنچ

(۱) المستدرک، ذکر اخبار سید المرسلین ج ۴، ص ۳۱

رہی ہے اور رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قبول کا مژدہ نہیں آرہا ہے تو رسول اللہ ﷺ کا انھوں نے وسیلہ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی کہ "اسئلك بحق محمد لما غفرت لي" تو ان کی وہ دعا مقبول بھی ہوئی اور ان کی مغفرت بھی ہوگئی تو یہ حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے جو حضور ﷺ کے اس دنیا میں جلوہ گر ہونے سے بہت پہلے پیش آچکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا میں آئے تھے تو ابتدائے انسانیت کے وقت ہی یہ واقعہ رونما ہو چکا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو وسیلہ بنایا ہے اور اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جو حضرات اللہ تبارک و تعالیٰ سے براہ راست تعلق رکھنے والے ہیں وہ بھی کسی کو وسیلہ بنا سکتے ہیں اور قرآن مقدس میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے یہود کے بارے میں کہ

يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا<sup>(۱)</sup>

ہوتا یہ تھا کہ جب یہود کا مشرکین سے معاملہ ہوتا تھا تو حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے اس کو قرآن مقدس نے نقل کیا ہے "يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا" کہ یہ حضور ﷺ کے وسیلے سے کفار کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے اور اس کو روایتوں میں بیان کیا گیا کہ وہ یوں کہا کرتے تھے کہ

اَللّٰهُمَّ اَنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِي نَجِدُ صَفْتَهُ فِي التَّوْرَةِ<sup>(۲)</sup>

"ہماری نصرت فرما اس نبی کے واسطے سے جس کی صفت ہم توراہ میں پاتے ہیں" قرآن مقدس میں بھی اس بات کا ذکر کیا اگر یہ عمل شرک ہوتا تو یقیناً قرآن مقدس اس کو ذکر نہیں کرتا اور اگر ذکر کیا تو اس کا رد بھی ہوتا۔ کیوں کہ

(۱) البقرہ، آیت ۸

(۲) تفسیر جلالین، ج: ۱، ص: ۱۷

قرآن میں جو بات بغیر رد کے آئے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جائز اور درست ہے۔ اس طرح کے معاملات، اس طرح کی آیات اور احادیث موجود ہیں اور سب تو سب خود حضور ﷺ کے زمانے میں اور زمانہ اقدس کے بعد ہمیشہ یہ امت کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنی حاجتوں میں مقدس ہستیوں کا وسیلہ لیتے رہے ہیں اور یقیناً شرک سے اس کا کوئی تعلق اور علاقہ نہیں ہے اور ایک آخری بات یہ بھی ذکر کروں کہ یہ زندہ اور مردہ کافر کرتے ہیں تو آپ سن لیجئے!۔۔۔ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا ہے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں خاص طور سے ”اشعۃ اللمعات“ میں کہ وہ فرماتے ہیں:

من یستمد بہ فی حیاتہ یستمد بہ بعد مماتہ  
کہ جس سے اس کی حیات میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے اس کو وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ یہ روحانیت کی طاقت اور قوت ہوتی ہے یہ جس طریقے سے کہ زندگی میں ہوتی ہے اسی طریقے سے فوت کے بعد بھی ہوتی ہے۔ یہ لوگ مغالطہ دیتے ہیں کہ آدمی مرنے کے بعد کچھ بھی نہیں رہ جاتا ہے۔ پتھر اور انسان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے اگر ایسا ہو تو احادیث کریمہ میں جو تعلیم دی گئی ہے کہ جب قبرستان میں جاؤ تو یہ کہو:

السلام علیکم یا اهل القبور من المومنین والمومنات انتم لنا سلف وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔<sup>(۱)</sup>

سلام کرو جا کر۔ السلام علیکم یا اهل القبور کہو کہ اے قبر والو! تم پر سلام ہو اور تم ہمارے پیشوا ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آملنے والے ہیں۔

(۱) مسند الرویانی ج: ۱ ص: ۱۷۰

اگر سب پتھر وہاں پڑے ہوئے ہیں تو حدیث میں یہ فرمانا کہ جا کر کے السلام علیکم کہو یہ گویا کہ پتھروں کو سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کسی ایسی بے ہودگی اور بے عقلی کا حکم دے سکتے ہیں؟ کہ جو بالکل بے محض ہے نہ سننے کی قوت رکھتا ہے، نہ سمجھنے کی طاقت رکھتا ہے اس کے پاس جا کر کے تم کہو السلام علیکم تو یہ احادیث کریمہ اس بات کو بتاتی ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کے مراتب تو بہت بلند ہیں۔ عام مومنین اور ہمارے عام بھائی جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں وہ بھی جانے کے بعد اتنی سمجھ اتنا ادراک رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا سلام سنیں اور اس کا جواب دیں وجہ کیا ہے کہ روح مرتی نہیں ہے جسم سے روح جدا ہو جاتی ہے۔ جسم عام لوگوں کا سڑتا بھی ہے گلتا بھی ہے سب کچھ ہوتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور روح کے زندہ اور باقی رہنے کو تو فلاسفہ بھی مانتے ہیں اس کے لیے موت نہیں اور وہ ادراک کرتی ہے۔ قبر کے پاس جو کوئی شناسا آتا ہے کوئی اس کے اقارب میں سے آتا ہے تو اس کا ادراک کرتی ہے اور اس کی ملاقات سے وہ خوش ہوتی ہے۔

اس مضمون پر بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور علمائے کرام کے ارشادات بھی ہیں اور اس بارے میں تو مستقل کتاب امام جلال الدین سیوطی نے ”شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور“ لکھی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام مردوں کو بھی اتنی قوت اور اتنا ادراک رہتا ہے کہ وہ ہمارا سلام سنیں ورنہ رسول اللہ ﷺ کبھی یہ نہ فرماتے کہ قبرستان میں جاؤ تو عام مردوں سے السلام علیکم کہو، تو یہ سرکار کا ارشاد عام مردوں کے لیے بھی اتنی قوت اور اتنی سماعت اور اتنا ادراک بتاتے ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سے اگر ان کے پاس روحانی قوت ہوتی ہے تو وہ قوت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس کو شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جن کو یہ اپنا مقتدا کہتے ہیں کہ جب روح نکلتی ہے

تو گویا کہ ایک پنجرے میں بند تھا ایک پرندہ اب وہ آزاد ہو گیا اور اس کے بعد دنیا میں جہاں چاہے روح سیر کرتی ہے ملا اعلیٰ سے ملتی ہے اور اس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ تو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ارواح کے اندر کتنی عظیم قوت ہوگی ہم جو ان کے لیے قوت مانتے ہیں وہ روحانی قوت مانتے ہیں اور اس روحانی قوت کا کیا حال ہوگا، یہ روحانی قوت بہر حال باقی رہتی ہے اور اس روحانی قوت کی بنیاد پر وہ مدد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پہلے جس طریقے سے مدد کر سکتے تھے آج بھی مدد کر سکتے ہیں اور اسی لحاظ سے ہم ان سے استمداد اور استعانت کرتے ہیں۔

رب تبارک و تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے حق قبول کرنے حق ماننے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## طلبہ کی دینی و اخلاقی ذمہ داریاں

خطاب بتاریخ ۱۹ رجب ۱۴۳۶ھ مطابق ۹ مئی ۲۰۱۵ء، دو شنبہ، عزیز المساجد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم  
 بہت سی باتیں وہ ہیں جو حالاتِ زمانہ کے باعث بیان کرنی پڑتی ہیں آج  
 اشرفیہ مخالف جو ماحول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم کو بولنا  
 پڑتا ہے آپ لوگ شب و روز جامعہ اشرفیہ میں گزارتے ہیں درس گاہوں میں  
 حاضر رہتے ہیں، دارالافتا میں جاتے آتے ہیں، اساتذہ سے، ارکان سے اور  
 مفتیان کرام سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے  
 کہ کیا جامعہ اشرفیہ میں دین اسلام اور سنیت کے علاوہ کوئی کام ہو رہا ہے؟ جس  
 طریقے سے جامعہ اشرفیہ کے قیام کے وقت اور حضور حافظ ملت کی تشریف آوری  
 کے وقت یہاں سے اسلام اور سنیت کا پیغام عام کیا جاتا تھا اس طریقے سے آج  
 بھی اسلام اور سنیت کا پیغام عام کیا جا رہا ہے، پہلے جس طریقے سے اسلام کے  
 تحفظ کے لیے، سنیت کے تحفظ کے لیے، اور امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات  
 کو عام کرنے اور ان کے تحفظ کے لیے یہاں خدمات انجام دی جاتی تھیں۔ اسی  
 طور سے آج بھی خدمات انجام دی جاتی ہیں۔

اور ہم لوگوں کی، ارکان، متعلقین کی کوشش تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔  
 اسلام کے خلاف اعتراضات غیر مسلموں کی طرف سے ہوتے ہیں ان کے  
 جوابات کے لیے افراد تیار کیے جاتے ہیں، اور سنیت کے خلاف وہابیہ، دیابنہ، قادیانیوں  
 کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اور لوگوں کو بہکانے کی کوشش کی



جاتی ہے اشرفیہ نے اس کے خلاف بھی محاذ کھول رکھا ہے، طلبہ کو اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور کچھ طلبہ بھی ان کوششوں میں ساتھ دیتے ہیں، انہوں نے وہابیت کے خلاف کئی ایک کتابیں شائع کیں جیسے انوار ساطعہ جو زمانہ دراز سے نایاب تھی اور الصوامم الہندیہ جو شیر بیشہ اہل سنت علیہم السلام کی اشاعت کے بچتر سال بعد جامعہ اشرفیہ کے طلبہ نے چھاپی۔

اگر یہاں کے طلبہ یا اساتذہ ”حسام الحرمین“ سے ذرا بھی منحرف ہوتے، تو ”الصوامم الہندیہ“ شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جس میں کہ مرزا غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انیسٹروی اور اشرف علی گھانوی کی تکفیر کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر دوسو اڑسٹھ (۲۶۸) علمائے ہندو سندھ کے دستخط ہیں ان کی تصدیقات ہیں۔ اگر یہ حضرات کچھ بھی اس مسلک سے منحرف ہوتے یا اس سے تھوڑی سی بھی اپنے دل میں کجی رکھتے تو اس طرح کی کتابیں شائع کرنے کی کوشش نہ ہوتی بلکہ یہاں یا اور کہیں اس طرح کی جو کتابیں ہوتیں ان کو بھی نکال کر دفن کر دیتے۔

لیکن دفن کرنے کا کام تو وہ لوگ کر رہے ہیں جو بزرگوں کے ورثہ سے غافل بیٹھے ہیں اور اسے دیمک کی نذر بنا رہے ہیں۔ جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان کو دوبارہ شائع کرنے کی فکر نہیں ہے اور جو کبھی شائع نہیں ہوئی ہیں ان کو شائع کرنے کی فکر نہیں ہے، یہ فکر اشرفیہ کی ہے جس نے فتاویٰ رضویہ جیسا اثاثہ شائع کیا جدا ممتاز جو شائع نہیں ہوئی تھی اس کو شائع کیا، اور کتنے مطبوعہ وغیر مطبوعہ رسائل ہیں جو اشرفیہ یا اس کے فرزندوں کے ذریعہ شائع ہوئے، تو ہم اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہٹے ہیں بات کیا ہے؟ کچھ لوگوں نے اپنی آنا کے لیے جامعہ اشرفیہ کی مخالفت کا بیڑا اٹھالیا ہے۔

میں بھی دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر کے آیا ہوں ماضی قریب میں، میں نے

فیض العلوم محمد آباد کو چھوڑا ہے اس سے پہلے ندائے حق جلال پور کو چھوڑا ہے، اس سے پہلے فیض العلوم جمشید پور اور اس سے پہلے دارالعلوم فیضیہ نظامیہ بھاگل پور کو چھوڑا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہاں سے آنے کے بعد میں نے ان مدارس کی بدخواہی کی ہو اور ان میں کسی کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہو یا یہ سوچا ہو کہ میرے جانے کے بعد یہ مدرسہ بالکل ویران ہو جائے یا میں یہ ثابت کروں کہ یہاں کے اساتذہ بالکل بیکار ہیں اور کسی قسم کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں یا وہ دین و مسلک سے منحرف ہو چکے ہیں یا کسی بھی انتظامی اور تعلیمی محور سے ان کو یا ادارے کو میں نے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔

انسان کی ضرورت ہوتی ہے، وہ آتا جاتا رہتا ہے مگر ادارہ جو دین کا قلعہ ہوتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا جب تک اس سے دین کی خدمت ہو رہی ہے اس کی مخالفت کسی طریقے سے روا نہیں ہے۔

اگر کسی کے اندر کوئی کمی یا خامی پیدا ہوئی تو ہماری ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس خامی کو دور کریں، اس کا ازالہ کریں، کوئی ادارہ بجٹ کی کمی کی وجہ سے بد حالی کا شکار ہو گیا تو اس کی طرف ہم توجہ دیں اور اس کی سادھ برقرار رکھنے کے لیے اس کے معاونین زیادہ فراہم کریں، اس کو پہلی راہ پر لائیں اور اگر وہاں کے لوگ وہاں کی تعلیم میں کوتاہی کر رہے ہیں تو ہم ان کو تعلیم کی طرف رغبت دلایا کریں تربیت کی طرف رغبت دلایا کریں۔ یہ ادارے سے ہمدردی کا تقاضا ہوتا ہے۔

اور ادارہ اگر اپنی روش پر جاری ہے دین متین کی عظیم خدمات انجام دے رہا ہے اس کے باوجود اس کی مخالفت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دینی مرکز کی مخالفت کی جا رہی ہے اور عظیم پیمانے پر دین کا جو کام ہو رہا ہے اس کے اندر کاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ دنیا کا بدترین کام تو ہو سکتا ہے

لیکن کارِ خیر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

اشرفیہ کو متعدد بزرگوں نے چھوڑا ہے۔ ماضی قریب میں بھی، ماضی بعید میں بھی۔ مگر کسی نے نہ مسلک سے انحراف کا الزام لگایا، نہ وہ ماحول پیدا کیا جو آج منصوبہ بند طریقے پر پیدا کیا گیا ہے۔

اسی ماحول نے ہمیں یہ چیلنج دیا ہے اس کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ سے ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو دنیا کا بدترین کام ہو سکتا ہے اس کا بیڑا سر پر اٹھالیا گیا ہے اور دین حق کی اشاعت، سنیت کے فروغ کا کام جو جامعہ سے ہو رہا ہے اس کو بڑھاوا دینے، اس کو پھیلانے، یا کم از کم اس کی مدح و ستائش کرنے اور اس کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی بھی گنجائش سینوں کے اندر نہیں ہے۔

کتنے تنگ دل ہیں یہ سینے!!

جو لوگ دور کے رہنے والے ہیں وہ حقائق نہیں جانتے۔ لیکن جو یہاں شب و روز گزارتے ہیں، اور یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں دین کو چھوڑ کر کے اور کون سا کام ہو رہا ہے، ہم ہمیشہ یہی تعلیم دیتے ہیں اور یہی بتاتے ہیں کہ آپ ہمیشہ دین و سنیت سے وابستہ رہیے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے کہ حقیقی علم ان کتابوں سے آپ کو حاصل ہوگا اور ساتھ ساتھ طرز تحقیق، طرز بیان، طرز گفتگو بھی معلوم ہوگا، جو چیزیں آپ کو بہت سی کتابوں میں کہیں نہیں ملیں گی وہ آپ کو اعلیٰ حضرت کے رسائل میں ملیں گی اور میں نے بارہا یہ سیمیناروں میں، مجموعوں میں کہا ہے اور نجی مجلسوں میں بھی کہ برصغیر کے ماحول میں اعلیٰ حضرت کے رسائل کے مطالعے کے بغیر کوئی شخص کما حقہ عالم نہیں ہو سکتا، یہاں ہم نصاب کی تکمیل کرنے والے کو سند جاری کر دیتے ہیں عالم فاضل اس کو بتا دیتے ہیں، لیکن جس قدر وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے دور ہوگا، اسی قدر اس کے اندر سطحیت زیادہ ہوگی اور جس

قدروہ کتب اعلیٰ حضرت کو گہرائی اور گیرائی سے دیکھے گا اسی قدر اس کے اندر ژرف نگاہی اور تعمق پیدا ہوگا اور اسی قدر اس کے علم میں جلا آئے گی۔ آپ خود اس کا مطالعہ کر کے تجربہ کر سکتے ہیں اور اس کا مطالعہ کرنا اور تجربہ کرنا ضروری بھی ہے، دو طرح کے انسان ہوتے ہیں ایک تو کم علم ہوتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کو روشنی بخشنے کے لیے اعلیٰ حضرت کے رسائل کا مطالعہ کریں، اور کچھ وہ ہوتے ہیں جنہوں نے درس نظامی کا کورس مکمل کر لیا اور ہر درجہ میں فرسٹ نمبر حاصل کیا تو سمجھ لیا کہ ہم بہت بڑے علامہ، فہامہ ہو گئے، وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ طفل مکتب بھی نہیں ہیں جب ان کی تصانیف اور تحقیقات کو دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ کس جبل شامخ اور کس بلند پہاڑ کے سامنے ہم ہیں، کہتے ہیں:

جب تک اونٹ نے پہاڑ نہیں دیکھا ہے تب تک وہ سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا کوئی نہیں ہے اور جب پہاڑ کے سامنے آتا ہے تب اس کو اپنی بساط معلوم ہوتی ہے تو اپنی بساط اور حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھی ہم اس جبل شامخ کی کتابوں کا مطالعہ کریں، اس سے استفادہ بھی کریں اور ساتھ ساتھ اپنی اوقات بھی معلوم کریں کہ اتنی عمر صرف کرنے کے بعد ہم کہاں تک پہنچے۔

اشرفیہ سے متعلق جو میں نے بیان کیا یہ آج کی ضرورت ہے اور حالات کی پیداوار ہے کہ جو بات کہنے کی ضرورت ہمیں کبھی پیش نہیں آئی وہ آج ہمیں کہنی پڑ رہی ہے۔ کم از کم جن لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے وہ اپنے مشاہدہ کے لحاظ سے یہ برملا بیان کر سکتے ہیں کہ ہم نے یہی دیکھا، یہی جانا، یہی پہچانا کہ جامعہ میں آج بھی دین و سنیت ہی کا کام ہوتا ہے اور اس سے ذرا بھی بے اعتنائی نہیں ہے یہ آپ لوگوں کے اوپر سچی گواہی دینے کا فریضہ عائد ہوتا ہے، نہ یہ کہ آپ جھوٹوں کے جھوٹ میں اپنی آواز ملانا شروع کر دیں جو سچائی آپ نے دیکھی

ہے اس سچائی کو بیان کرنا آپ کا فریضہ ہوتا ہے اور آپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اتنا یاد رکھیں، میں یقین دلاتا ہوں کہ جن حضرات نے بغیر کسی تعصب کے حسد کے یہاں کی تعلیم کا یہاں کے انتظام کا یہاں کے اساتذہ کا یہاں کی درس گاہوں کا مشاہدہ کیا ہے وہ اس بات کی گواہی ضرور دیں گے کہ آج بھی جامعہ اشرفیہ سے ویسے ہی خدمات انجام دی جا رہی ہے جیسے پہلے انجام دی جاتی تھیں ان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

رہ گیا یہ کہ جو فارغین ہمارے جا رہے ہیں اور جولائے پر لگے ہوئے ہیں سابعہ، سادسہ والے ان کو بھی جانا ہے انہیں آئندہ کے لیے کچھ نصیحت کی جائے تو عرض ہے کہ آدمی اپنی منزل خود متعین کر لیتا ہے کہ فارغ ہونے کے بعد ہم کو کیا کرنا ہے اور کس میدان میں اترنا ہے۔ کچھ یونیورسٹی کارخ کرتے ہیں، کچھ مدارس کا رخ کرتے ہیں اور کچھ خطابت کا میدان اختیار کرتے ہیں، اور کچھ اہتمام کا کام دیکھتے ہیں جس طریقے کا بھی کام ہو اور جو بھی میدان اختیار کریں لیکن ضروری یہ ہے کہ آپ ایک مسلمان کی حیثیت سے رہیں۔

مسلمان کی حیثیت سے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین پر سختی سے قائم رہیں اور جو فرائض و واجبات ہیں ان کی بجا آوری کریں، نماز اور جماعت کی پابندی کریں، آپ کو دیکھ کر لوگ دین کو سیکھیں، دین کو حاصل کریں۔ کچھ چیزیں وہ ہوتی ہیں جو دیکھ کر سچھی جاتی ہیں اور کچھ چیزیں سن کر سیکھی جاتی ہیں آپ کا کردار ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر نماز اور جماعت کی اہمیت محسوس کریں کہ یہ اہم چیز ہے کیوں کہ یہ عالم دین ہو کر کے کوشش کر رہے ہیں اور خود آپ کے اوپر مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو فرائض ہیں ان کے اندر کوتاہی نہ کریں۔ کیڑے بکڑے ستھرے پاکیزہ ہونا چاہیے اس لیے کہ کردار کی ذرا بھی خرابی انسان کے اندر آتی ہے تو اس کی بڑی سے

بڑی شخصیت بھی فوراً آسمان سے زمین پر گر جاتی ہے، اس لیے کردار اور کیریکٹر میں کسی طریقے کی خرابی کا گزر نہیں ہونا چاہیے، یہ آپ کے لیے ضروری ہے چاہے آپ کسی مدرسے میں رہیں، کسی یونیورسٹی میں رہیں، یا کسی مسجد میں رہیں، یا کسی میدان خطابت میں رہیں، نماز و جماعت کی پابندی اور احکام خداوندی کی بجا آوری ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے اور تمام افعال و کردار کا شریعت حقہ کے مطابق ہونا ضروری ہے، اس کے ساتھ ساتھ عالم دین عالم سنت ہونے کے ناطے یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ جس دین کو آپ نے حاصل کیا ہے اس دین کو دوسروں تک پہنچائیں اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ بندوں کے پاس امانت ہے جو لوگوں تک پہنچانی ہے اور اسلام اسی طریقے سے پھیلا ہے۔

ہمارے اسلاف کو جو دین حاصل ہوا اگر وہ اپنی قوم اور اپنی حد تک محدود رکھتے تو ہم آج مسلمان نہ ہوتے، انھوں نے اس دین کو بہت ساری مشکلات جھیل کر اور بہت سے مصائب برداشت کر کے گردن کٹوا کر کے اور طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کر کے دینا کے اندر پھیلا یا ہے تو آج ہم کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے لائق ہوئے۔ اسلامی گھرانے میں پیدا ہوئے اور بچپن سے یہ کلمہ پڑھتے چلے آئے، اس لیے اس کلمہ کی عظمت و اہمیت کو ہم کما حقہ نہیں سمجھتے لیکن جو کسی غیر مسلم سوسائٹی میں رہا ہو اور اس نے دھیرے دھیرے اسلام کو پہچانا ہو اور کل اسلام پڑھا ہو وہ اس کلمہ کی اہمیت کو خوب سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کلمہ نے ہم کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔

ایک عالم ہونے کی حیثیت سے آپ کی تبلیغی ذمہ داری ہوتی ہے کہ آپ اپنے دین کو دوسروں تک پہنچائیں اس کے لیے وقت نکالیں، راہیں نکالیں اسی طریقے سے عالم اہل سنت ہونے کی حیثیت سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے

کہ جو باطل فرقے ہیں ان سے اہل سنت کو بچانے کی کوشش کریں بلکہ جو اہل باطل سے خلط ملط ہونے کی وجہ سے اپنی راہ سے کچھ منحرف ہو رہے ہیں ان کو بھی راہ حق پر لانے کی کوشش کریں، ہوتا یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص دکاندار ہے اب اس کے یہاں کچھ دیوبندی آکر بیٹھنے لگے اب دوسرا سنی اسے چھوڑ دیتا ہے کہ یہ تو دیوبندیوں سے ربط رکھتا ہے اس کا اٹھنا، بیٹھنا، گفت و شنید جاری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے تو ذرا سی ہوا لگی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد وہ پورا پکا دیوبندی ہو جاتا ہے۔

اگر ہم سنی لوگ س کے پاس اٹھتے، بیٹھتے اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے اور اس کے ذہن میں جو شبہات پیدا ہو گئے ہیں ان کا ازالہ کرتے تو وہ کبھی بھی دیوبندی نہیں ہو سکتا تھا اور وہ کبھی سنیت سے خارج نہیں ہوتا۔

یہ وہ چیز ہے جو بہت زیادہ عام ہو گئی ہے کہ اگر کسی نے ذرا سا بھی دوسروں سے ربط ضبط پیدا کیا بلکہ خود کرتا نہیں دیوبندیوں کی عادت ہے کہ وہ خود سنیوں کے گھر آتے جاتے ہیں بھگانے پر بھی نہیں مانتے، نماز جنازہ کا موقع سے آدمی اس وقت خود ہی غم کے ماحول میں رہتا ہے کس کس کو بھگائے اس میں گھس آئیں گے۔

شادی میں بھی یوں تو بغیر بلائے نہیں آتے ہیں لیکن آنے کا راستہ ڈھونڈھیں گے اور دکان ہے، مکان ہے تو وہاں پر بھی آنے جانے کا راستہ ڈھونڈھیں گے تو وہ اپنے مذہب کے پرچار کے لیے کس قدر مضطرب اور پریشان رہتے ہیں اور اتنے حیلے اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ اچھے اچھے سنیوں کو بہکا دیتے ہیں، اس کے مقابلے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اندر اس قسم کی تڑپ پائی جاتی ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنانے کا راہ حق پر لانے کا کتنا جذبہ پایا جاتا ہے۔

کیوں کہ ہمارے یہاں عام روش یہ ہے کہ دوسروں کو اپنانے کا کچھ تصور

نہیں ہے اپنا کوئی شخص ہے اور اس کے یہاں کسی دیوبندی کی آمد و رفت شروع ہوگئی تو اس کے یہاں آنا جانا بند کر دیا اور اس کو تنہا چھوڑ دیا۔ اور بالکل چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خالص دیوبندی ہو گیا اور اب اس کے لیے راہ حق کی طرف آنے کی صورت ہی نہیں رہی۔ تو یہ جو عام بلا چل پڑی ہے کہ نہ تو دوسروں کو اپنانے کا خیال اور نہ ہی اپنوں کو بچانے کا خیال، صرف یہ کہ اپنی حد تک سنی رہ جائیں باقی اگر کوئی بگڑ رہا ہے غلط ماحول میں جا رہا ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو یہ خود غرضی اور بے غرضی نہیں ہونی چاہیے، ہمارا بھائی ہم سے کٹ رہا ہے تو ہمیں اس کا درد ہونا چاہیے اس کی فکر ہونی چاہیے۔

سارے مومنین ایک دوسرے کے اعضا کی طرح ہیں اگر کوئی عضو کٹ رہا ہے اور اس کا درد نہ ہو تو یہ بہت ہی بے حس کی چیز ہوگی ایسی بے حس ہمارے اندر نہیں ہونی چاہیے۔ عالم اہل سنت ہونے کے لحاظ سے آپ کو دوسروں کو راہ راست دکھانے اور اپنوں کو بچانے کی فکر ہونی چاہیے، یہ آپ کے لیے ضروری ہے اور میں نے جو عام بلا ذکر کی ہے اس بلا سے بھی محفوظ رہنے کی کوشش کرنی چاہیے کوئی بگڑ رہا ہے تو اس کو سنبھالنے کی کوشش کرنا ہم پر فرض ہوتا ہے، نہ یہ کہ مزید بگڑنے کا موقع فراہم کیا جائے کہ اس کو کبھی سمجھانے کے روادار نہ ہوں اس سے بات چیت کے روادار نہ ہوں، یہاں تک کہ وہ دوسروں کے نرنے اور گھیرے میں پورے طور سے آجائے۔

اس کے ساتھ ساتھ خود کو پابند رکھنا اور عالم کی حیثیت سے مسائل دینیہ کا جاننا اس کے اوپر فرض ہوتا ہے کیوں کہ ایک تو عامی شخص ہوتا ہے اس کو جتنے مسائل کی ضرورت پیش آئے ان کا جاننا اس کے اوپر فرض ہوتا ہے لیکن عالم جس کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں تو دوسروں کے لحاظ سے بھی اس کے اوپر مسائل کا سیکھنا فرض ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ کون کون سے مسائل اس



سے پوچھ سکتے ہیں دریافت کر سکتے ہیں ان کے لیے اس کو تیار رہنا ہو گا تاکہ ان کو جائز و ناجائز کی راہ بتا سکے اسی طریقے سے ہر شخص پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اعمال قلبیہ جو اس کے اوپر فرض ہیں ان کی بھی بجا آوری کرے، جیسے کہ اخلاص اور توکل۔ یہ چیزیں لوگوں کے اوپر فرض ہوتی ہیں، اس کے لیے کتابیں داخل نصاب کی گئی ہیں۔

اسی طریقے سے کچھ کبار قلبیہ ہیں یعنی بڑے گناہ جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اندر عجب ہے دل میں اپنے کو اچھا سمجھنا، چاہے زبان سے نہ کہے اور اس سے بڑھ کر تکبر ہے یعنی اس کا اظہار بھی کرے۔

اسی طریقے سے ریا ہے یعنی کام تو کرتا ہے مگر اللہ کے لیے نہیں لوگوں کے لیے کرتا ہے، اسی طریقے سے حسد ہے یعنی کسی کو کچھ نعمت حاصل ہوئی تو اس کا زوال چاہے اگرچہ اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اپنے لیے بھی اس نعمت کا حصول چاہے لیکن دوسرے کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس سے حسد کرتا ہے تو یہ امراض قلبیہ میں سے ہے جن سے بچنا فرض ہے۔

جس طریقے سے فرائض قلبیہ ہوتے ہیں اگرچہ فقہ کی رو سے باطن پر حکم نہیں لگایا جاتا ہے لیکن ہر شخص اپنے بارے میں جانتا ہے کہ اس کے اندر اخلاص و توکل ہیں کہ نہیں، اور میرے اندر عجب، کبر، حسد ہے یا نہیں؟ یہ بھی گناہ کبیرہ ہیں، اور ان سے بھی اپنے کو بچانا ضروری ہے۔

اور جس طریقے سے ہمارے اوپر نمازیں فرض ہیں اسی طریقے سے اخلاص، توکل، تواضع، یہ بھی ہمارے اوپر فرض ہیں کہ ہمارا جو بھی عمل ہو نیک دلی کے ساتھ خالص اللہ کے لیے ہو اسی طریقے سے تواضع بھی ضروری ہے کہ انسان کتنا ہی بڑا ہو جائے مگر وہ اللہ کے لیے اپنے کو پست رکھے، دوسرے کے اوپر برتری ظاہر نہ کرے جیسا کہ حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد

ہے: "من تواضع لله رفعه الله" جو اللہ کے لیے اپنے کو پست کرے اللہ اس کے درجات بلند کرتا ہے، تو تواضع بھی ہمارے اندر ہونا بہت ضروری ہے اسی کے لیے کتاب ریاض الصالحین شامل نصاب ہے جو احادیث کریمہ پر مشتمل ہے اس کے اندر اخلاص، توکل اور تواضع وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ ہمارے فرائض میں سے ہیں جن سے ہر مسلمان کو آراستہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔

اسی طرح عُجْب، کبر وغیرہ سے باز رہنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے جن سے ہر مسلمان کو پاک رہنا ضروری ہے، ہمارے اندر ایسا معاشرہ پیدا ہو چکا ہے کہ یہ کبار ہمارے لیے گویا کبار ہی نہیں ہیں، یا ہیں تو بس صغائر ہیں اور یہ فرائض گویا کہ فرائض ہی نہیں ہیں، واجبات سے بھی کم درجے کے ہو گئے ہیں حالانکہ یہ ہر شخص کے لیے ضروری ہیں۔ ایک طالب علم جو ہمیشہ یہاں فرسٹ نمبر سے پاس ہوتا رہا، وہ اب دوسرے مدرسے میں پہنچا جہاں سمجھتا ہے کہ میں ہی سب سے بڑا قابل ہوں اور اپنی مدح و ستائش کا بڑا شائق رہتا ہے، طلبہ نے اس کی تعریف کر دی کہ بڑا اچھا پڑھاتے ہیں تو جناب پھولے نہیں سماتے۔ اور دوسروں کو کم تر سمجھنے لگتے ہیں اور پہلے سے جو تجربہ کار وہاں موجود ہیں ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، انجام یہ ہوتا ہے کہ خود جناب کا وہاں پٹا صاف ہو جاتا ہے۔ کوئی انسان اگر پورے طور سے مسلمان ہو یعنی اس کے اندر تواضع، توکل، اور اخلاص کی صفت ہو، ریا، عُجْب اور کبر سے دوری ہو تو یہ نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اور یوں بھی اخلاقی طور سے اور زمانے کے لحاظ سے سوچنا چاہیے کہ جو ہم سے پیش رو ہیں ان کی تعظیم کرنا ہمارے اوپر ضروری ہوتا ہے، پہلے سے جو خدمت کر رہے ہیں تو ان کی خدمت کا حق ہمارے اوپر ہوتا ہے اور اس کا لحاظ کرنا ہمارے اوپر لازم ہوتا ہے۔ جب اس طور سے آپ زندگی گزاریں گے اور اپنے باطنی فرائض کی بھی پابندی کریں گے تو ناکامی نہ ہوگی باطن کا محاسبہ خود آپ کی ذمہ

داری ہے۔ علما تو ظاہر پر حکم لگائیں گے، باطنی طور پر آپ کے اندر کیا خوبی ہے، کیا خرابی ہے خود اس کا محاسبہ کر کے آپ سمجھ سکتے ہیں اور ان خوبیوں کو اختیار کرنا، اور برائیوں سے بچنا، یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ یہ یقین کریں کہ یہ جو خوبیاں ہیں فرائض میں داخل ہیں، اور جو خرابیاں ہیں وہ کبائر میں داخل ہیں ان سے بچنا ضروری ہے۔ اس طور سے انسان اپنے کو آراستہ کر لے تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ہر میدان میں کامیاب ہو گا کیوں کہ اس کا ہر کام اللہ کے لیے ہو گا اس کا ہر قدم اللہ کی راہ میں اٹھے گا اور وہ جو کچھ بھی کرے گا دین کے لیے کرے گا۔

ادارے کے ساتھ ہم دردی اور وفاداری کا ذکر شروع سے ہو رہا ہے۔ خود فارغین نے جو ترانہ پیش کیا جو نصیحت کی، ان سب میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہم جامعہ کے وفادار رہیں گے اور جامعہ سے دائمی تعلق رکھیں گے، یقیناً یہ سب کی ذمہ داری بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے ساتھ اگر کوئی بھلائی کرے تو وہ اس کا بدلہ دے اور بدلہ نہ دے سکے تو کم از کم اس کا ذکر خیر کرے، اس کے لیے دعاے خیر کرے اگر یہ بھی اس نے کر لیا تو حق ادا کر دیا۔

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں:

من اثنی فقد شکر، و من کتم فقد کفر۔<sup>(۱)</sup>

جس نے تعریف کی، ذکر خیر کیا تو اس نے شکر کیا اور چھپا کے رکھا تو اس نے کفرانِ نعمت کیا۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ<sup>(۲)</sup>

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا وہ اللہ کا شکر گزار نہیں ہو سکتا۔

(۱) ترمذی شریف، باب ماجاء فی المتشجح ج: ۲ ص: ۳۷۹

(۲) ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک ج: ۲ ص: ۳۳۹

وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول کی تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صرف اللہ کا احسان ماننا کافی ہے، کیوں کہ اسی نے دین دیا، اسلام دیا، ایمان دیا، رسول کا ہمارے اوپر کوئی احسان نہیں ہے۔ اسی طریقے سے انسان جب نہ ماننے پر آتا ہے تو وہ یہی کہتا ہے، ہمارے اوپر جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے نہ کسی ادارے کا ہمارے اوپر احسان ہے اور نہ کسی استاذ کا کوئی احسان ہے۔

جب آدمی ناشکری کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ جملہ بول دیتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ ”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ اس لیے اگر کوئی یہ سمجھے کہ ہم اپنے ادارے کے ساتھ بے وفائی کر کے، اپنے اساتذہ کے ساتھ بے وفائی کر کے اللہ کا حق ادا کر دیں گے تو یہ ممکن نہیں۔ جس نے آپ کے علمی سفر کا سامان کیا اور آپ کو قیمتی علوم سے، اعمال سے، ہدایات سے، تعلیمات سے آراستہ کیا اس کا اپنے اوپر کوئی احسان ہی نہ مانتا تو اس سے بڑھ کر کے ناشکری اور کفرانِ نعمت اور کیا ہوگا۔

یہ ضروری ہے کہ انسان جہاں سے فیض پاتا ہے یا جہاں سے بھی حصہ پاتا ہے اس کو یاد رکھے، اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے کم از کم اس کا ذکر خیر ہی کرے اور دعاے خیر ہی کرے۔

اس ادارے کے ساتھ آپ کی وابستگی، اساتذہ کے ساتھ آپ کی محبت، ادارے کے ساتھ محبت ہونا بھی ضروری ہے، اس سے ہٹ کر آپ اللہ اور رسول ﷺ کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے اور خدا کے شکر گزار بندے بھی نہیں بن سکتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## خطبہ برصدا رت

خانقاہ قادریہ ایوبیہ پیراکنک ضلع کشی نگر یوپی  
۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳ فروری ۲۰۱۶ء

اپنے اسلاف سے وابستگی اور ان کا ذکر خیر زندہ قوم کی نشانی ہے۔ اس سے جہاں گزشتہ اکابر کی خدمات کا تعارف ہوتا ہے وہیں موجودہ نسل کے لیے راہ عمل بھی ہموار ہوتی ہے، ان کی بے لوث اور مخلصانہ سرگرمیوں کا کو یاد کر کے لوگوں کے دلوں میں گرمی، ارادوں میں پختگی، عزائم میں بلندی اور کاموں میں تیزی آتی ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے ارکان و معاونین قابل مبارک باد ہیں کہ سال رواں جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/فروری ۲۰۱۶ء کے عرس ایوبی کے موقع پر پیراکنک ضلع کشی نگر یوپی میں ہونے والے اجلاس اور سیمینار کے لیے انھوں نے سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ولادت: ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ وصال: ۱ شوال ۱۲۳۹ھ) کی حیات و خدمات کا انتخاب کیا ہے۔

سراج الہند کی خدمات کا دائرہ پورے برصغیر کو محیط ہے۔ انھوں نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تزکیہ و ارشاد اور وعظ و خطاب چاروں طریقوں سے دین و علم کی خدمت اور عوام و خواص کی فکری، قلبی اور عملی تربیت میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان کے مواعظ حسنہ سے ایک جہان فیض یاب ہوا ہے اور ان کی تصانیف آج بھی اہل علم کی دست گیری اور مشکل کشائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس اجمال کی تفصیل مندوبین کے مقالات اور خطابات کے ذریعہ جلوہ فشاں ہوگی۔ سراج الہند کی تصانیف جلیلہ کا بھی ذکر ہوگا، ان فلک پیماعلماء و محدثین کا بھی جو درس گاہ عزیزی سے بہرہ مند ہوئے، ان سالکین کا بھی جنہوں نے بارگاہ عزیزی سے فیض پاکر مسند ارشاد و تزکیہ کو رونق بخشی اور ان مواعظ کا بھی ذکر ہوگا جن سے بے شمار نامعلوم بندگان خدا کی فکر و عمل کی دنیا سنورتی رہی۔

سیمینار کے مقالات کے ساتھ اگر اجلاس کے خطبات کا بھی مقبول و مفید حصہ ضبط تحریر میں آجائے تو سراج الہند کی حیات و خدمات پر ایک ضخیم مجموعہ ارباب فکر و نظر کی ضیافت اور اصحاب ذوق و شوق کی بصیرت و مسرت کا سامان ہوگا۔ واللہ الموفق لکل خیر و المیسر لکل صعب۔

یہاں یہ تذکرہ مناسب ہوگا کہ ہم شاگردان حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) کا علمی رشتہ بھی کئی طریقوں سے حضرت سراج الہند کی بارگاہ سے منسلک ہے:

- ۱- حافظ ملت - صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) - اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) - خاتم الاکابر مولانا شاہ آل رسول احمدی مارہروی (۱۲۰۹ھ - ۱۲۹۶ھ) - سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹ھ - ۱۲۳۹ھ) قدست اسرارہم۔
- ۲- حافظ ملت - صدر الشریعہ - استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری - علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۷۸ھ) - سراج الہند علیہم الرحمہ۔
- ۳- حافظ ملت - صدر الشریعہ - مولانا وحی احمد محدث سورتی ثم پبلی بھیتی (۱۲۵۲ھ - ۱۳۳۴ھ) - مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (۱۲۰۸ھ - ۱۳۱۳ھ) - سراج الہند علیہم الرحمہ۔

۴- حافظ ملت - صدر الشریعہ - محدث سورتی - مولانا احمد علی سہارن پوری (م)  
 ۱۲۹۷ھ) شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (۱۱۹۶ھ - ۱۲۶۲ھ) - سراج الہند علی الخٹنہ -  
 میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت برصغیر میں جو بھی علماء و فضلاء ہیں تقریباً سبھی  
 کا سلسلہ تلمذ خصوصاً تلمذ فی الحدیث کسی نہ کسی واسطہ سے حضرت سراج الہند شاہ  
 عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اگر اسی ایک فیضان اور رشتہ دوام  
 کو دیکھا جائے تو یہ حضرت سراج الہند کی ایک عظیم خصوصیت ہے جو معاصرین  
 کے درمیان ان کے امتیاز کے لیے کافی ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء  
 واللہ ذو الفضل العظیم۔

## حالاتِ حاضرہ اور اہل سنت کی ذمہ داریاں

بموقعِ آخری نشست ۲۳/۱۱/۲۰۱۵ء فقہی سیمینار مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور منعقدہ  
بتاریخ: ۲۸/۲۹/۳۰ نومبر ۲۰۱۵ء شنبہ تا دوشنبہ

نحمدہ و نصلي على رسوله الكريم.

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ<sup>(۱)</sup>

آج عالمی حالاتِ مسلمانوں کے حق میں بہت ہی خطرناک ہیں اور اہل سنت کے جو حالات ہیں وہ اور زیادہ افسوس ناک ہیں، پوری دنیا پر نظر ڈالیں تو مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے اور ان کو حکومتوں سے بے دخل کرنے کے لیے بڑی بڑی سازشیں رچی جا رہی ہیں اور جو لوگ یہ کام انجام دے رہے ہیں سیاسی طاقت بھی ان کے پاس ہے، فوجی قوت بھی ان کے پاس ہے اور مالی طاقت بھی انہیں کے ہاتھ میں ہے، ان سب کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے لیے یہ نہایت ہی نازک دور ہے۔ ان حالات میں بھی اگر مسلمان اپنے اوپر غور نہ کریں اور اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے راہ نہ تلاش کریں اور انہیں کو اپنا آقا تسلیم کرتے رہیں تو یہ بہت ہی افسوس ناک چیز ہے کہ وہ قوم جو امامت اور رہبری کا فریضہ انجام دیا کرتی تھی آج وہ غلامی کی دہلیز پر کھڑی ہے اور اسی پر اسے فخر ہے، بنام مسلم جو حکومتیں ہیں ان کے پاس اس طرح کی قوت اور عقل ہونی چاہیے کہ وہ اپنی روش پر آسکیں اور لوگوں نے امامت و قیادت کا جو فریضہ انجام دیا تھا اسے اپنے ہاتھ میں لے سکیں، یہ اپنے اندر طاقت و قوت پیدا کریں تو بہت کچھ آج

(۱) آل عمران، نمبر ۱۰۴



بھی کر سکتے ہیں، لیکن جس نے طے کر لیا ہو کہ بس غیروں کی غلامی ہی ہمارا حصہ ہے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

آج کچھ فرقے ہیں جن کے نام کی حکومتیں دنیا میں قائم ہیں اور وہ حکومتیں اس فرقے کے فروغ کے لیے اپنے سرمایہ کا بڑا حصہ صرف کر رہی ہیں اس طریقے سے یہ باطل فرقے جن کے خطے بہت محدود تھے اور ان کے جاننے اور ماننے والے بہت کم تھے آج بڑھتے اور پھیلنے چلے جا رہے ہیں اور اب دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں رہ گیا ہے جہاں ان کے افراد، ان کے لوگ، ان کی تنظیمیں اور تنظیموں کے تحت ان کے ادارے نہ قائم ہوں۔

ایسے حالات میں اہل سنت کے نام کی جو خاص مسلک اہل سنت کے فروغ کے لیے قائم ہو ایسی کوئی حکومت نظر نہیں آتی، اگرچہ ایک دو حکومتیں ایسی ہیں جہاں پر اہل سنت کو بالادستی حاصل ہے وہ اگر چاہیں تو مسلک اہل سنت کی بڑی بڑی خدمات انجام دی جاسکتی ہیں لیکن ان سے بھی وہ کام نہیں ہو رہا ہے جو ہماری حریف اور مخالف جماعتوں کی حکومتیں انجام دے رہی ہیں، ان حالات میں خود عوام اہل سنت پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اپنے تشخص کو باقی رکھنے کے لیے، اپنے مذہب کو فروغ دینے کے لیے اور دنیا کے اندران کے خلاف جو ایک مہم چلا دی گئی ہے اور باطل کو بڑی تیزی کے ساتھ فروغ دیا جا رہا ہے اس کے مقابلے کے لیے تیار رہیں اس لیے کہ حکومتوں سے یہ کام انجام پذیر ہوتا نظر نہیں آ رہا ہے تو تمام اہل سنت کا فریضہ ہوتا ہے کہ اپنی قوتیں سمیٹیں، اپنی ہمتیں جمع کریں اور اپنی طاقت و ہمت سے ان باطل طاقتوں کا مقابلہ کریں۔

یہ باطل فرقے سب سے پہلے اہل سنت ہی پر حملہ آور ہوتے ہیں، کوئی یہودیوں کو مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کر رہا ہے نہ عیسائیوں کو مسلمان بنانے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ جو بھی نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے وہ سب سے پہلے اہل سنت

کو توڑ کر اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتا ہے، یہ آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اس سے کچھ ہی استثناء آپ کو ملے گا۔

بظاہر وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اسلام کا فروغ چاہتے ہیں لیکن جتنا وہ اسلام کا فروغ نہیں کر رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ اپنے فرقے کا فروغ کر رہے ہیں اور اس کے لیے اپنی پوری پوری توانائیاں صرف کر رہے ہیں اور ہر طرح کی سیاسی و حکومتی طاقتیں استعمال کر رہے ہیں۔

ان حالات میں اہل سنت کو خبردار ہونا چاہیے اور ان کو ہوشیار ہونا چاہیے، اگر عوام اہل سنت اور علمائے اہل سنت اس کے لیے بیدار نہیں ہوئے اور انھوں نے اپنی قوتوں کو سمیٹا نہیں بلکہ ٹولیوں میں بٹ گئے، ایک ملت ہوتے ہوئے مختلف فرقوں میں بٹ گئے، ایک جماعت ہوتے ہوئے مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو گئے اور ایک قوم ہوتے ہوئے مختلف قوموں میں بٹ گئے تو جو باطل قوتیں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ان کا مقابلہ محال اور ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے سارے اہل سنت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان حالات کا اثر لیں اور سارے حالات کو دیکھتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے اپنی قوتوں کو جمع کریں اور ان باطل طاقتوں سے مقابلے کے لیے تیار رہیں، خصوصاً مسلک اہل سنت کو فروغ دینے کے لیے اور اس کے خلاف جو باطل طاقتیں برسرِ پیکار ہیں ان کو زیر کرنے کے لیے طرح طرح کی صلاحیتیں بروئے کار لائیں اور جب تک یکجا نہیں ہوں گے اور غیر ضروری باتوں سے اپنے کو الگ نہیں کریں گے اس وقت تک کوئی کام بحسن و خوبی انجام پذیر نہیں ہوگا۔ کسی بھی قوم کے ادبار کی یہ سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے کہ قوم آگے جانے کی بجائے پیچھے جانے کی طرف مائل ہو جائے۔ اپنی اصلاح کی بجائے اپنے افساد کی کوشش کرنے لگے اور اسے احساس زیاں بھی نہ ہو کہ ہم کو کیا کرنا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

آج آپ جس میدان میں نظر کریں وہاں آپ کو کام کرنے کو ملے گا اور اہل باطل نے جو کچھ پھیلا رکھا ہے مثلاً فقہ میں، حدیث میں، تفسیر میں ہر ایک میں آپ کو جواب دینے کی ضرورت محسوس ہوگی، اسی طریقہ سے اپنے عقائد کو عام کرنے اور باطل عقائد جو باطل فرقوں نے پھیلا رکھے ہیں جدید ذرائع ابلاغ کو اپنے ہاتھ لے کر ان کا استعمال کرتے ہوئے ان باطل عقائد کی تردید اور اپنے مذہب حق کو واضح کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اسی طریقہ سے مذہب اسلام کی صحیح ترجمانی جس طرح اہل سنت کر سکتے ہیں کوئی باطل فرقہ اس طریقہ سے انجام نہیں دے سکتا ہے۔ ہم اہل باطل سے کبھی یہ امید نہ کریں کہ وہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی وکالت کا کام صحیح طور پر انجام دیں گے۔

یہ فریضہ ہم پر عائد ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ مستشرقین اور مشرکین کا جو بھی اعتراض اسلام پر ہوتا ہے اس کا جواب دینے کے لیے انھیں کے ذرائع اور اپنی ساری قوتوں کے ساتھ ہم بھی تیار رہیں یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم سب آپس میں متحد ہوں اور اپنے فساد کی بجائے اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ اسلام و سنیت کے فروغ و استحکام کو مطمح نظر بنائیں۔

میں بارہا غور کرتا ہوں کہ ہماری قوم جو قوم اہل سنت ہے، عمومی اعتبار سے اس سے زیادہ اپنے افساد کی طرف بڑھنے والی اور اپنی اصلاح سے منہ موڑنے والی شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ہو۔ نئی نئی قومیں پیدا ہو رہی ہیں، نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں اور تھوڑے عرصے میں وہ دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں اور لوگوں تک اپنی باتیں پہنچاتے ہیں لیکن ہم چودہ سو سال سے اس دنیا میں موجود ہیں اور ہمارا معروف تشخص ہم سے چھینا جا رہا ہے ہم کو ایک کم علم، جاہل جماعت اور فرقہ شاذہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ہم اس سے غافل ہیں۔ ان حالات میں خود ہمیں بیدار ہونے، اپنے صاحب علم ہونے اور صاحب

کردار ہونے کو ثابت کرنا پڑے گا یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم غیر ضروری اور لایعنی کاموں سے پرہیز کریں، مقصد اور اصلی امور پر توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے۔

ان حالات میں ہماری جو تنظیمیں اور جو ادارے دعوتی، اصلاحی، تقریری، تحریری، تعلیمی اور تصنیفی و اشاعتی میدانوں میں اپنے محدود وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اہل سنت کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہیں انہی کے ذریعہ آج ملت کی کشتی رواں دواں ہے۔ مولا تعالیٰ انہیں مزید قوت و ہمت، ترقی و استحکام اور استقامت بخشے اور جو غافل و متغافل ہیں بلکہ حال و مال سے بے پرواہ ہو کر جماعتی انتشار و ادبار کے درپے ہیں رب تعالیٰ انہیں ہدایت اور سلامت روی نصیب کرے۔ زیادہ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں اہل علم خود مجھ سے زیادہ باخبر ہیں۔

میں پہلے دن کی طرح آج آخری دن بھی تمام مندوبین کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو درگزر فرمائیں۔ یہ دیکھیں کہ یہ کسی خاص ادارے کا کام نہیں ہے بلکہ پوری جماعت کا کام ہے، اس لیے اگر انتظامی امور میں ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو بجا طور پر ہم آپ سے عفو و درگزر کے امیدوار ہیں۔ والعفو عند کرام الناس مأمول۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## دور طالب علمی اور کسبِ فضل و کمال

خطاب بموقع تحریری و تقریری مسابقہ، جامعہ صدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی  
بتاریخ: ۲۲/ محرم ۱۴۳۷ھ / ۵/ نومبر ۲۰۱۵ء جمعرات ۱۱ بجے دن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ أما بعد

إِنِّي أَخَشِي اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءِ۔<sup>(۱)</sup>

میں ناظم ادارہ حضرت مولانا سید محمد انور میاں چشتی اور حضرت مولانا مفتی انفاس الحسن چشتی صدر المدین اور دیگر اساتذہ جامعہ کاشکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے یہاں حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔ یوں تو اپنے اداروں میں حاضری اور اپنے لوگوں سے ملاقات کا اشتیاق برابر رہتا ہے مگر کوئی تقریب بہر ملاقات چاہیے وقت اور حالات کی مساعرت ہوئی تو حاضری و ملاقات ہو جاتی ہے ورنہ سالہا سال کا عرصہ گزر جاتا ہے اور دل کی آرزو دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

عزیز طلبہ کرام! طالب علمی کا زمانہ ایک محدود اور مقرر زمانہ ہوتا ہے جس میں ایک طالب علم کو بہت سے علوم اور کمالات سے آراستہ ہونا ہوتا ہے۔ یہ دور اگر غفلت میں نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آتا، اس لیے اس زمانہ کو قیمتی سمجھتے ہوئے اپنے اوقات کو مصرف میں لانا تمام طلبہ کی ذمہ داری ہوتی ہے، پہلی ذمہ داری تو یہی ہے کہ جو درسی کتابیں ان کے نصاب میں رکھی گئی ہیں وہ باقاعدہ ان کی تیاری کر کے ان کا درس حاصل کریں، یعنی اگلا سبق کیا ہے اس کے مفہم و مراد

(۱) النساء آیت نمبر ۶۴

کو سمجھنے کی از خود کوشش کریں کہ المطالعة هي الاطلاع على مراد المصنّف. مطالعہ یہ نہیں ہے کہ سطروں کی سیاہی دیکھ لی اور در سگاہ میں آکر بیٹھ گئے، سمجھا کچھ بھی نہیں، بلکہ مطالعہ یہ ہے کہ مصنف کا مقصد کیا ہے اور اپنی عبارت میں انھوں نے کیا کہنا چاہا ہے، اس سے طالب علم آگاہ ہو جائے اس طریقہ سے جب کتاب کی تیاری ہوگی تو درس کا پہلا مرحلہ طے ہوگا اس کے بعد دوسرا مرحلہ استاذ کی تقریر سننے کا ہوتا ہے، وہاں جو اشکال آپ کے ذہن میں آیا ہو اس کو حل کرنے کا موقع آپ کے پاس ہوتا ہے پھر تیسرا مرحلہ اس کے اعادہ کا ہوتا ہے یہ ہر طالب علم کی ہر ایک سبق سے متعلق ذمہ داری ہوتی ہے اور اس طور سے ہر سبق کو طالب علم کے لیے پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ جب اس طریقہ سے تمام اسباق کو پڑھ لے گا تو کتاب کے اوپر اس کو عبور حاصل ہو سکے گا اور وہ کتاب کی مراد اور اس کے مقاصد کو سمجھ سکے گا، اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ آپ علم دین حاصل کر رہے ہیں، اس لیے علم دین پر عمل کرنا اور دوسروں کے لیے نمونہ بننا بھی آپ کی ذمہ داری میں داخل ہے اسی لیے اس جامعہ میں طلبہ کی عملی تربیت بھی باضابطہ ہوتی ہے ان کو نماز باجماعت کا پابند بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اس زمانے میں اگر پابندی ہوگی تو پھر اخیر عمر تک پابندی باقی رہے گی اور جب کوئی عالم دین خود پابند ہوگا تو دوسرے بھی اسے دیکھ کر سبق حاصل کریں گے اور اس کی موعظت اس کی نصیحت اور خطاب بھی دوسروں پر اثر انداز ہو سکے گا اور اس کا کردار اس کی گفتار کا مؤید ہوگا اس لیے آپ کو یہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہے کہ آپ کو ہمیشہ ماں باپ کی گود میں پرورش نہیں پانا ہے بلکہ آپ کو میدان عمل میں قدم رکھنا ہے اور میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد علم کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ علم اور عمل دونوں سے قوم کو فائدہ پہنچانا یہ آپ کا فرض منصبی ہوتا ہے پھر عمل کے میدان میں ہر طرح کی

صلاحیتوں کی ضرورت پڑتی ہے کبھی تحریر کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی تقریر کی ضرورت پڑتی ہے اس تحریری و تقریری مسابقہ میں اس جامعہ میں پڑھنے والے بہت کم طلبہ نے حصہ لیا ہے، تحریری مسابقہ میں صرف ۲۷ طلبہ تھے اور تقریری مسابقہ میں ۲۲ طلبہ تھے۔ جب کہ یہ تعداد بڑھنی چاہیے۔

لیکن تقریر میں آج کا جو چیخ و پکار والا جذباتی انداز ہے وہ اب کارگر نہیں رہ گیا ہے بلکہ سنجیدگی کے ساتھ آپ اپنی بات مخاطب کے دل میں اتارنے کی کوشش کریں جوش و جذبہ اور غصہ دکھانے کی کوشش نہ کریں۔ آپ اس طور سے دل پذیر اور متاثر کن تقریر کریں کہ سننے والا سننے کے بعد اس پر غور کرے اور جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے اس پر عمل کرے یہ انداز آج دنیا کے تمام تعلیم یافتہ حلقوں کے اندر جاری و ساری ہے اور یہ طریقہ کہ چند منٹوں کے اندر بہت زیادہ جوش و غصہ دکھانا شروع کر دیا بالکل از کار رفتہ ہو چکا ہے آج پڑھا لکھا طبقہ قطعاً اس پر توجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس سے قوم کو فائدہ بھی کم پہنچتا ہے جب کہ مقرر کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں میں اگر کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو چکے ہیں تو ان کا ازالہ کیا جائے ان کے عقائد کے اندر کچھ خامی آگئی ہے تو اس کو دور کیا جائے عمل کے اندر اگر خرابی ہے تو اس خرابی کو دور کیا جائے اور فکری و عملی اعتبار سے ان کو بہتر اور عمدہ بنایا جائے یہ مقرر کا مقصد ہونا چاہیے۔

مقرر کا مقصد یہ نہیں کہ زیادہ سے زیادہ داد و تحسین حاصل کر لی جائے جیسا کہ نعت خوانی کا یہی مقصد ہو چکا ہے۔ زیادہ داد اور انعام حاصل کرنا مقصد بن گیا ہے، سامعین کا بھی حال کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے، پڑھنے والا کیا پرہ رہا ہے، کیا مدح کر رہا ہے، کیا ثنا کر رہا ہے، اگر حمد ہے تو وہ کیسی حمد بیان کر رہا ہے اس کو نہیں دیکھتے، صرف یہ دیکھتے ہیں کہ نغمگی کیسی ہے، ترنم کیسا ہے اور سننے سنانے کا جو مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اثر پہنچایا جائے، مضمون سے لوگوں کو باخبر

کیا جائے اور اپنی بات ان کے دل میں اتاری جائے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔

جلسوں میں اگر یہ حال ہے کہ نعتوں کا ایک دور چلا اور پورے مشاعرے کا ماحول بن گیا پھر خطاب کی باری آئی تو وہ بھی جوش و جذبہ کی نذر ہو گیا تو پورا جلسہ ناکام ہوا اگرچہ واہ واہ کرنے والوں اور نعرہ لگانے والوں کی تعداد بے شمار ہو گئی۔ اس فرسودہ انداز کو چھوڑ کر ہم اپنی قوم کو عمدہ بنانے اور سنوارنے کی کوشش کریں۔ ان کے عقائد، ان کے اعمال، ان کے اخلاق و افکار میں اصلاح لانے کی کوشش کریں اور یہ اسی وقت ہو گا جب آپ دل سے بات کریں اور دل کے اوپر اثر انداز ہوں ”از دل خیز دو بردل ریزد“ کا ماحول ہو تو تقریر میں یہی انداز اختیار کرنا چاہیے۔

تحریر کے سلسلے میں یہ ہے کہ مقالہ لکھنے والے کو مقالہ کا عنوان پڑھنے کے ساتھ یہ غور کرنا چاہیے کہ کون سی چیزیں اس کے اندر لانا ہمارے لیے ضروری ہے اور کون سی باتیں غیر ضروری ہیں یا بالکل ہی بے جوڑ ہیں اور ان کا ذکر مقالہ میں ہرگز نہیں ہونا چاہیے یہ مقالہ لکھنے سے پہلے پہلے کسی بھی مقالہ نگار کو غور کرنا اور سمجھنا ضروری ہے مثلاً آج مقالات کے عنوانات میں سے ایک عنوان تھا ”امام اعظم کی شخصیت ائمہ حدیث کی نظر میں“ اس عنوان کا تقاضا یہ ہے کہ امام اعظم کے بارے میں ائمہ حدیث نے جو ارشاد فرمایا ہے اور ان کے جو کمالات و فضائل بیان کیے ان کو پیش کیا جائے، مقالہ لکھنے میں اگر آپ نے امام اعظم کی پیدائش، نسب، ان کے شاگردوں اور استاذوں کا ذکر شروع کر دیا تو یہ غیر ضروری و غیر متعلق چیزیں ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مجموعہ امام اعظم کی ذات پر شائع کرنا ہے تو اس کے لیے شخصیت کے تمام پہلوؤں کو مقالہ نگار حضرات کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کسی کو خاص خاص فضائل و کمالات



پر لکھنے کا موقع دیا جاتا ہے تو اب جس کو نشوونما اور حالات زندگی پر لکھنے کو کہا گیا ہے وہ فضائل و کمالات پر آجائے، تلامذہ اور اساتذہ پر آجائے یا مخصوص فنون سے متعلق گفتگو شروع کر دے تو یہ غیر متعلق چیز ہوگی اسی طریقہ سے کسی کو ائمہ حدیث کے اقوال پیش کرنے کو کہا گیا ہے اب وہ سفرنامہ شروع کر دے کہ کہاں سے کہاں تک انھوں نے سفر کیا، کہاں پیدائش ہوئی اور کن کن اساتذہ کی بارگاہ میں گئے اور کتنے تلامذہ ان کی بارگاہ میں آئے تو یہ سب غیر متعلق چیزیں ہیں اس کے بعد اگر اپنے موضوع کا کچھ حق ادا کیا یعنی ائمہ حدیث کے کچھ اقوال پیش کر دیے تو خیر ورنہ پورا مقالہ لاجواب اور بے کار ہے کہ جو موضوع دیا گیا ہے اس کا کوئی حق ادا ہی نہیں کیا اور بہت سی غیر ضروری باتیں بیان کر دیں۔

اس لیے عنوان سامنے آنے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا حق کیا ہوگا اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں کیا چھوڑنا ہوگا اور کیا لینا ہوگا، کیا لکھنا ہوگا اور کیا نہیں لکھنا ہوگا۔ اگر یہ مقالہ نگار نے نہیں سمجھا تو اس کی بہت بڑی ناکامی ہے، اس لیے عنوان کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو اصل موضوع ہے اس پر گفتگو کی جائے تمہیدی باتیں سطر دو سطر چار سطر ہو سکتی ہیں، صفحہ در صفحہ آپ تمہیدی گفتگو کرتے رہے اور اصل موضوع پر دیر میں آئے یا اس پر کم گفتگو کی تو یہ مقالہ بے وقعت ہوگا اور اس کی اہمیت قارئین کی نظر میں نہیں ہوگی، ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پھر جس طرح بولنے میں صحیح تلفظ کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح لکھنے میں املا کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اگر املا میں وہ غلطیاں آرہی ہیں جو مبتدی طلبہ میں نہیں ہونی چاہیے تو بڑا عیب ہے۔ اگر عربی منہتی یا مبتدی طلبہ ایسی غلطیاں کریں تو یہ بہت بڑی خامی ہے اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پیرا گراف چیخنگ آج کی تحریروں کے اندر ضروری ہوتی ہے، باتیں بدل رہی

ہیں تو سطر میں بھی بدل دی جائیں لیکن اگر ایک ہی پیرا گراف میں از ابتدا تا انتہا لکھتے چلے گئے تو یہ سو سال پہلے کا طریقہ ہو سکتا ہے آج کا یہ طریقہ نہیں، اس لیے طالب علم کو اصولِ املا سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔

آج کے املا اور سو سال پہلے کے املا میں اہل زبان نے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں، پہلے کا املا کچھ ہوتا تھا اور آج کا املا کچھ اور ہے اس کو بھی جاننا چاہیے اس سلسلے میں مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی کتاب ”قواعد املا و انشا“ دیکھیں۔ لیکن میں تو ابھی جنرل املا کی بات کر رہا ہوں یعنی صحیح طریقہ سے لکھنا، کسی بھی لکھنے والے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ دوسری چیز مسلمانوں اور اہل قلم کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ قرآنی آیات لکھیں تو رسم قرآنی کی پابندی کریں اس لیے کی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف تیار کرائے تھے اور ان مصاحف میں جو رسم اپنایا اسی کو اپنانا ضروری ہے، اس کو سمجھنے کے لیے آپ یوں سمجھیں کہ اگر آپ عام عربی کے اندر عابدون یا صالحون لکھیں گے تو ع کے بعد الف اسی طرح ص کے بعد الف لکھیں گے اور عربی تحریروں کے اندر اسی طرح لکھا بھی جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں یہ رسم نہیں کیوں کہ قرآن کریم میں جمع مذکر سالم لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں الف نہیں لکھا جاتا بلکہ الف حذف ہوتا ہے تو جب عابدون، صالحون، ناصرون لکھا جائے گا تو حذف الف کے ساتھ لکھا جائے گا صرف اس صورت میں جب جمع مذکر سالم میں الف جمع کے بعد ہمزہ یا کوئی حرف مشدد آ رہا ہو تو وہاں اثبات الف ہوتا ہے جیسے فائزون، ضالون۔ یہاں اثبات الف ہے لیکن جہاں پر ایسا نہ ہو وہاں حذف الف ہوگا اور اس کی پابندی کرنا بھی ضروری ہے اس کے علاوہ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں ہمزہ کو لکھنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے جیسے ”فَسْئَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ میں فاکوسین سے ملا کر لکھا جاتا ہے

اور ہمزہ امر جو ہے اس کو قطعاً نہیں لکھا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف میں نہیں لکھا گیا، اسی طریقہ سے دوسرے ہمزہ کا شوشہ، یہ بھی نہیں ہے۔  
 لَيْسَ لَ، تَسْأَلُ میں ہمزہ کا شوشہ نہیں ہے تو جو مصحف کا طریقہ ہے اس کے مطابق لکھنا آپ کے لیے ضروری ہے اس کے اوپر مستقل کتابیں بھی لکھیں گئی ہیں، میں نے رسم قرآنی کے معاملے میں آج کے طلبہ کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب لکھی ہے ”رسم قرآنی اور عربی کتابت کے اصول“ آپ کے یہاں ہوگی ہمارے یہاں داخل نصاب بھی ہے۔

کتاب رسم قرآنی نہیں تو مصحف کو دیکھ کر ہی کم از کم آپ آیات کی کتابت درست کر لیا کریں اس سے بھی آپ کا کام چل سکتا ہے اگرچہ مصاحف میں بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں تاہم کم غلطیاں ہوں گی۔

تحریر میں املا کی درستی اور رسم قرآنی کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے، اس پر بھی دھیان دینا ہمارے لیے اور آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔

مقالہ پڑھنے میں بعض طلبہ نے بہت روانی کے ساتھ پڑھ دیا، قارئین کو اچھی طرح سننے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو پانچ منٹ ملے ہیں اور پانچ منٹ میں آپ اپنا پورا مقالہ نہیں پڑھ سکتے تو اس طرح پڑھیں کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ آپ کے جملے کیسے ہیں آپ کی ترکیبیں کیا ہیں اور آپ کی گفتگو کا مقصد کیا ہے، روانی کے ساتھ بہت تیز انداز میں نہیں پڑھنا چاہیے اسی طریقہ سے جب آپ کو محدود وقت دیا گیا تو آپ اپنے مقالے کا خاص حصہ پڑھیں مثلاً آپ کے عنوان کا خاص حصہ ہے امام عظیم رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ تو ان پانچ منٹ کو زہد و تقویٰ کے لیے وقف کیجیے اور اس کو سنا دیجیے اور تمہیری گفتگو کو چھوڑ دیجیے تاکہ سامعین کو خود سمجھ میں آجائے کہ آپ نے اپنے عنوان کا کچھ حق ادا کیا ہے یا نہیں۔

میں نے دیکھا کہ تین تین چار چار صفحے تک تمہیدی گفتگو ہے اور اخیر میں جا کر عنوان پر آئے ہیں اور سنانے میں اس اخیر کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا اور صرف تمہید میں ہی پورے پانچ منٹ کا وقت ختم کر دیا، مقالہ پڑھنے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہمارا یہ عنوان ہے اور پانچ منٹ میں اپنے مقالہ کو پیش کرنا ہے تو عنوان سے متعلق جو حصہ ہے اس کو پڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے، اسی کو سنا کر آپ عہدہ برآہو جائیں گے اور سامعین کو سمجھ میں آجائے گا کہ آپ نے اپنے موضوع پر کوشش صرف فرمائی ہے۔ ان چیزوں سے زمانہ طالب علمی میں آپ کو باخبر اور بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔

یقیناً میدان میں قدم رکھنے کے بعد کبھی ایسا موقع ہوتا ہے کہ فوری طور پر لوگوں کے اندر کوئی شورش کوئی انتشار برپا ہے کوئی فساد درپیش ہے یا لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات در آئے ہیں تو ان کے ازالے کے لیے فوری طور پر تقریر کرنے کی بھی حاجت پیش آئے گی۔ ایسا نہیں کہ تقریر بالکل قابل ترک چیز ہے وہ تقریر جو محض جوش و جذبہ کے اظہار کے لیے ہوتی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن عوام کے شبہات کو دور کرنے کے لیے اور ان کی تعلیم و اصلاح کے لیے تقریر کا فریضہ آج بھی ہمارے اوپر عائد ہوتا ہے۔

یاد رکھیں کہ تمام انبیاء کرام نے تقریروں ہی کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا ہے اور ان تک اپنے پیغام کو پہنچایا ہے انھوں نے قلم کا سہارا کم لیا ہے جیسے حضور اقدس ﷺ کو دور دراز سلاطین تک پیغام پہنچانا ہوا تو قلم کا سہارا لیا اور خطوط لکھوا کر ان تک پہنچائے گئے۔ لیکن اکثر عوام کے دلوں میں اپنی بات اتارنے کے لیے اپنی زبان اور تقریر کا سہارا لینا پڑتا ہے اور انبیاء کرام نے یہی کیا ہے، اس سے آج بھی ہم سبکدوش نہیں ہیں، یہ سنت بھی باقی رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ ہاں دور دراز خطوں تک اپنی بات پہنچانی ہے اور زبان سے نہیں پہنچا سکتے

تو قلم کا سہارا لینے کی حاجت پڑتی ہے۔

اگر کسی مخالف نے تحریر کے ذریعہ کوئی بات پیش کی ہے اور تحریری شکل میں ہی اس کو جواب دینا ہے تو تحریر میں آپ کے اندر کمال ضروری ہے کیوں کہ تحریر دیر پا ہوتی ہے محفوظ بھی رکھی جاتی ہے، سنی سنائی بھی جاتی ہے۔

اور آج تو زبانی تقریر کو محفوظ کرنے کے بہت سے آلات ایجاد ہو چکے ہیں اس لیے آج بولنے والا بھی بہت بے پروا ہو کر نہیں بول سکتا کہ جو چاہے کہ جائے اور جیسے چاہے ویسے کہ جائے کیوں کہ تقریروں کو قید کر لیا جاتا ہے اور پھر ان کی زبان کی خامیاں، بیان کی خامیاں، سب پرکھی جاسکتی ہیں، اس لیے آج کی تقریر بھی تحریر کی طرح ہو چکی ہے۔ اگرچہ تحریر زیادہ قابل اعتبار اور لائق توجہ قرار دی جاتی ہے اور اس کے اثرات بھی دور رس و دیر پا ہوتے ہیں۔

تقریر و تحریر سبھی کمالات طلبہ کو حاصل کرنا ضروری ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جب کسی انعامی مقابلے کا اعلان ہو تو اسی وقت آپ قلم کو حرکت میں لائیں، روزانہ صفحہ دو صفحہ لکھنے کی عادت ڈالیں، کوئی ضروری نہیں کہ کوئی انوکھی تحریر معرض وجود میں آئے اور اس پر آپ کو بڑی شاباشی دی جائے۔

آپ محض مشق کے لیے ایک دو صفحہ لکھتے رہیں کچھ زمانہ گزرنے کے بعد خود اس پر تنقیدی نگاہ ڈالیں کہ ہم نے جو لکھا وہ کسی لائق ہے کہ نہیں، اس میں خامیاں کیا ہیں، خوبیاں کیا ہیں، آپ اس کو خود جانچنے کی کوشش کریں اور آگے مزید اپنی صلاحیت کو جلا بخشنے کی کوشش کریں، اپنے اساتذہ کو دکھلائیں صفحہ دو صفحہ کا اگر مضمون ہے تو دیکھنا دکھانا بھی آسان ہے۔ جب دس بیس صفحات کا مضمون آپ لکھ کر لائیں گے اور اساتذہ کو دیں گے تو وہ بھی کہیں گے اطمینان سے آنا، مہینے بھر کے بعد لے جانا، لیکن اگر ایک دو صفحہ ہو تو چلتے پھرتے بھی دیکھ سکتے ہیں، اس طریقہ سے آپ کی مشق ہوتی رہے گی اور جب آپ کا قلم چل گیا تو

پھر لکھنا آپ کے لیے دشوار نہیں ہوگا، جب مضامین اور مواد آپ کے پاس اکٹھا ہو جائیں گے تو بہت جلد آپ ان کو قید تحریر میں لاسکیں گے اور اس کو پیش کر سکیں گے، عادت آپ کو ڈالنا چاہیے اور یہ کمال اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، جن حالات سے آپ کو نبرد آزما ہونا ہے اور جن سے آپ کا سابقہ ہونا ہے ان حالات کے لیے آپ کو دور طالب علمی سے تیار ہو جانا ضروری ہے۔۔۔ اسی طریقہ سے انتظامی صلاحیت کی بھی ضرورت پڑتی ہے، آپ کو کوئی ادارہ چلانا ہے، کہیں ادارہ قائم کرنا ہے تو کس طریقے سے ادارہ قائم کیا جاتا ہے، کس طریقہ سے چلایا جاتا ہے اور کیسے معاونین سے رابطہ کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں آپ کو جانکاری ہونا ضروری ہے۔ اسی طریقہ سے لوگوں سے مل جل کر کے کیسے ان تک اپنی بات پہنچائی جاتی ہے اور کس طرح انھیں عمدہ فکر و عمل اور اچھے اخلاق سے آراستہ کیا جاتا ہے اس کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے کا انداز اور طور طریقہ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ یہ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگلی زندگی میں کن امور سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے اور کس طرح ہمیں ان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

طالب علمی کا یہ مختصر سا زمانہ جس کو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ محض تفریح کا زمانہ ہے اور گھر سے چھٹی ملی ہوئی ہے کہ جیسے ہم چاہیں گزار لیں، یہ ایسا زمانہ نہیں ہے اسی زمانہ پر ساری زندگی کا مدار ہے، اگر یہ زمانہ آپ نے کامیابی کے ساتھ گزار لیا تو آپ کی اگلی زندگی بھی کامیاب ہو سکتی ہے اور اگر یہ زمانہ آپ نے لہو و لعب میں گزار دیا تو پوری زندگی رونا پڑے گا اور کوئی آنسو پونچھنے والا بھی نہیں ملے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

میں اپنے احباب اور منتظمین ادارہ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس ملاقات کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے نوازے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## جشن یوم مفتی اعظم ہند (۱۴۳۶ھ)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ! فاعوذ باللہ من  
الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم.

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ<sup>(۱)</sup> صدق اللہ العظیم. بعد درود۔  
ہر سال کی طرح اس سال بھی جماعت سابعہ کے طلبہ کو مبارکباد پیش کرتا  
ہوں کہ انھوں نے یوم مفتی اعظم کے انعقاد کا کام انجام دیا۔ امام اہل سنت قدس  
سرہ سے ہم سب کی دینی و علمی وابستگی ہے اور ان کے شہزادے تاج دار اہل سنت  
حضور مفتی اعظم ہند سے بھی ہماری وابستگی ہے خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ اس  
جامعہ کی بنیاد انہی کے دست مبارک سے رکھی گئی تھی۔ اور یہ درسگاہ کی بلڈنگ  
مکمل ہو جانے کے بعد اس کا افتتاح بھی انہی کے ذریعہ درس بخاری شریف کے  
آغاز سے ہوا تھا۔ جتنے بھی ہمارے اکابر اہل سنت ہیں وہ سب ہمارے محسن ہیں  
لیکن جو جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی اس کا حق زیادہ ہوتا ہے۔ حضور مفتی اعظم  
قدس سرہ ہم سے اس لحاظ سے بہت زیادہ قریب تھے کہ اشرفیہ تحریک کا انھوں  
نے پورا ساتھ دیا۔

سال گزشتہ مفتی مطیع الرحمن رضوی دام ظلہ سے جو مفتی اعظم کے بہت ہی  
عزیز مرید اور خلیفہ ہیں (ان سے) آپ نے سنا تھا کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ  
رمضان المبارک میں اپنے دارالعلوم مظہر اسلام کا جو پوسٹر شائع کراتے تھے مہتمم

(۱) النساء آیت نمبر ۶۴

ادارہ حضرت ساجد علی خاں صاحب کی طرف سے ہوا کرتا تھا اور اس میں یہ اپیل ہوا کرتی تھی کہ دارالعلوم مظہر اسلام سے کوئی سفیر نہیں جاتا ہے آپ لوگ اپنے چندے اس پتے پر بھیج دیا کریں۔ لیکن بکس بنا کر الگ سے خود حضرت مفتی اعظم علیہ السلام کی طرف سے یہ اپیل ہوتی تھی کہ الجامعۃ الاشرفیہ ہمارا دینی علمی ادارہ ہے اس کے لیے آپ حضرات تعاون کریں۔ اپنے مدرسے کے لیے تو صرف یہ تھا کہ ہمارا کوئی سفیر نہیں جاتا، جو کوئی بھیجنا چاہے اس پتے پر بھیج دے، لیکن جامعہ اشرفیہ کے لیے اسی پوسٹر کے اندر جو مظہر اسلام کا ہے اپیل ہوتی تھی کہ اس کا تعاون کریں دنیا کے کسی مدرسے کے پوسٹر میں اس زمانے میں بھی اور اس زمانے میں بھی شاید آپ نہیں دیکھ سکتے کہ کسی دوسرے مدرسے کے لیے اپیل کی گئی ہو۔ یہ حضور مفتی اعظم علیہ السلام تھے یہ جانتے تھے کہ جامعہ اشرفیہ سے کتنا عظیم کام ہو رہا ہے اور یہ کتنی عظیم خدمات انجام دینے والا ہے ان کی نگاہ ولایت یہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ ادارہ ترقی کرے گا اور اس سے دین کی اور ملت کی عظیم خدمات سرانجام ہوں گی، اس لیے وہ اپنے ادارہ کے پوسٹر میں اس کے لیے اپیل دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف طلبہ پر بلکہ ہم اشرفیہ کے تمام فارغین پر، جامعہ کے تمام ارکان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم حضور مفتی اعظم ہند کا جشن اہتمام کے ساتھ منعقد کریں۔

یہ کام ۱۹۸۸ء سے اس ادارے میں جماعت سابعہ کے طلبہ انجام دے رہے ہیں۔ ہم سب کا بوجھ انھوں نے ہلکا کیا اور ہم سب کی ذمہ داری انھوں نے اپنے طور پر ادا کی اس لیے وہ ہم سب کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ہمارا فریضہ انھوں نے ادا کیا اور ہم اس کے اندر اپنی شرکت کو سعادت سمجھتے ہیں۔

ابھی مولانا سجاد عالم مصباحی کی تقریر آپ نے سماعت کی۔ انھوں نے



جو بات کہی ہے کہ آج کے حالات کیا ہیں اور دنیا میں کس طریقے کے نظام چل رہے ہیں اور کس طرح کی فکریں چل رہی ہیں، ان سب کا آپ کو سامنا کرنا ہے اور ان سب کے مقابلے کے لیے تیار رہنا ہے جو بھی غیر اسلامی، غیر سنی اور غیر شرعی، غیر علمی تحریکیں ہیں ان سب کے مقابلے کے لیے آپ سب کو تیار رہنا ہے۔ سب سے پہلا کام تو آپ کا یہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے ساتھ اخلاص اور وفاداری برتیں یعنی پورے طور سے اس کی تکمیل کریں اور اس کے اوپر عبور اور مہارت حاصل کریں نہ یہ کہ نصاب سے بس یوں ہی گزر گئے کہ ایک تو نصاب خود ہی محض استعداد پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے یہ کامل نہیں بناتا ہے بلکہ کمال کا دروازہ کھولتا ہے۔ اب اس میں بھی آپ نے اخلاص نہیں برتا اور بہت ہلکے ہلکے طور پر کام چلا دیا تو اس سے آپ کے مستقبل میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔ اگر یہ زمانہ آپ نے غفلت میں گزارا تو یقیناً آپ نے اپنے ساتھ اخلاص نہیں برتا کہ جس مقصد کے تحت آپ داخل ہوئے، جو مقصد لے کر آپ کے اعزائے بڑوں نے بزرگوں نے بھیجا اس مقصد کی تکمیل آپ نے نہیں کی اور سرسری طور پر آپ نے ظاہر کر دیا کہ آپ نے تکمیل کر لی۔

تو سب سے پہلی چیز تو یہ ہوتی ہے کہ آپ اس نصاب کی تکمیل کریں اور اس پر عبور حاصل کریں، مہارت حاصل کریں پھر اگلے دروازے آپ کے لیے کھلتے چلے جائیں گے اور اس نصاب کے اوپر آپ کو عبور حاصل ہوگا تو آپ کسی جگہ جا کر احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے۔ مزید یہ ہے کہ آپ کے لیے خارجی غیر درسی مطالعہ کرنا آج بھی ضروری ہے اور آئندہ بھی۔ مطالعہ ہی سے ذہن کے آفاق وسیع ہوتے ہیں اور ہر طرح کے علوم سے اور معلومات سے انسان آراستہ ہوتا ہے کسی بھی ماحول میں جانے سے پہلے اس ماحول سے بھی

آشنا ہونے کے لیے ہم کو معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا ضروری ہے، ذرا واضح طور پر سن لیں کہ درسیات میں جو کچھ رکھا گیا ہے وہ تو رکھا ہی گیا ہے۔ علم عقائد میں آپ کو امام اہل سنت قدس سرہ کے رسائل اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، علم فقہ میں پوری بہار شریعت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، اور جو داخلی باطل فرقے بنام اسلام چل رہے ہیں یہ ہر جگہ اہل سنت کے لیے درد سر ہیں اور طرح طرح کے حربوں سے لوگوں کا ذہن خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دفاع کے لیے بھی آپ کو مطالعہ ہی کے ذریعہ تیاری کرنی ہے اگرچہ بہت ساری چیزوں کا آسانی سے جواب دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو غیر مسلم دنیا کی طرف سے کوشش ہو رہی ہے اسلام کو پست دکھانے کے لیے اور مسلمانوں کو پست دکھانے کے لیے، ان کے مقابلے کے لیے بھی آپ کو تیار رہنا ہے اور مطالعہ کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا ہے کہ آپ ایک اسلامی دانش گاہ کے طالب علم ہیں اور دین اسلام کے ماننے والے ہیں۔ اسلام کا مطالبہ صرف علم ہی کا نہیں ہے کہ آپ اپنے دل و دماغ کے اندر معلومات کا عظیم ذخیرہ، اور عظیم سمندر جمع کر لیں بس کام پورا ہو گیا، نہ ہمارے اسلاف کا ان اداروں کی تاسیس سے یہ مقصد تھا کہ بڑے بڑے جالینوس اور بڑے بڑے فلاسفر پیدا کر دیے جائیں بلکہ ان کو خاص علم دین کا اور امت مسلمہ کا نمائندہ پیدا کرنا مقصود تھا اور جس طریقے سے اسلام کے اندر علم کی ترغیب دی گئی ہے اس کو لازم اور فرض کیا گیا ہے اسی طریقے سے عمل کو بھی لازم کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اور اسلام کے احکام کا جو مطالبہ ہے اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو علم ہونا چاہیے ایمانیات کا بھی، عملیات کا بھی، عقائد کا بھی اور احکام کا بھی پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن مقدس میں اور اس کی شرح احادیث رسول ﷺ میں، ہم سے کیا مطالبہ کیا گیا ہے۔ فرائض اور واجبات

ہمارے لیے کیا رکھے گئے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے اخلاق حسنہ اور ان کی سنت کریمہ کیا تھی، ان سب کو جانتے ہوئے ان کو عمل میں لانا بھی ہمارے اوپر ضروری ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم دین حق کی صحیح ترجمانی کر سکتے ہیں اور صحیح طور سے اپنے اسلاف کا ماضی لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور اس جامعہ کے قائم کرنے والوں کی امیدیں برآہو سکتی ہیں۔

عالم اگر صحیح راستے سے ہٹا ہوا ہے اور بے عملی کا یابد عملی کا شکار ہے تو ہر شخص اس کو محسوس کر لیتا ہے۔

علم آپ کا کتنا زیادہ ہے؟ یا کتنا کم ہے؟ اس کو جاننا اور محسوس کرنا تو سب کے بس کی بات نہیں، لیکن عمل آپ کا کتنا ہے یہ تو ہر چلتا پھرتا آدمی سمجھ لیتا ہے اور جان لیتا ہے۔ دوسرا جانے یا نہ جانے خود ہم رب العالمین کے حضور ہر وقت حاضر ہیں اور وہ ہر وقت ہمیں دیکھ رہا ہے اور اسی کے لیے ہمیں ہر وقت اس کے احکام کی پابندی بھی کرنی ہے ہم چاہے بازار میں ہوں، چاہے گھر میں ہوں، خلوت میں ہوں یا جلوت میں رب العالمین سے کبھی بھی ہم بچ نہیں سکتے ہیں نہ اس کی گرفت سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اس اعتقاد کو مضبوط رکھتے ہوئے ہمارے اوپر فرض ہوتا ہے کہ ہم اس کے احکام سے کبھی بھی سرتابی نہ کریں اور اگر ہم نے اس کے احکام سے سرتابی کی تو آخرت میں جو عذاب ہے وہ تو ہے ہی دنیاوی طور پر بھی ہماری گرفت ہوگی۔

ہم نے اپنے اسلاف سے بھی سرتابی کی اور ان کی امیدوں پر پانی پھیرا اور جس جامعہ کے اندر ہم نے داخلہ لیا ہے اس جامعہ کے مقاصد کو بھی پامال کیا اس جامعہ کا مقصد محض فلاسفر پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ عالم باعمل پیدا کرنا ہے، تو اس لحاظ سے ہمارے اوپر ضروری ہوتا ہے کہ عملی طور سے بھی ہم دوسروں کے لیے نمونہ بنیں اگر عالم بہکا ہوا ہے نماز کے وقت، جماعت کے وقت غافل

ہے یا بات بات پر جھوٹ بولتا یا طرح طرح کی بے جا ترکیبیں کرتا ہے اور طرح طرح کے فریب کرتا ہے یا کسی قسم کی بد اخلاقی کا شکار ہے تو دوسرے بھی بہک سکتے ہیں کہ یہ صاحب جب غافل ہیں تو ہمارے غافل ہونے میں کیا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ علما ہی آپ کو برا سمجھیں گے یا صلحا ہی آپ کو برا کہیں گے، جو بے نمازی ہے وہ بھی آپ کو برا سمجھے گا کیوں کہ ایک مسلمان یہ محسوس کرتا ہے کہ بھائی میں تو آوارہ ہوں، بد عمل ہوں یہ شخص تو ہمارا نمائندہ ہے، ہمارے دین کا عالم ہے، یہ کیوں بہکا ہوا ہے اور یہ کیوں راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے اور یہ کیوں نماز کے وقت میں اور جماعت کے وقت میں غافل ہے؟ یہ صحیح عالم نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ عمل کو ہر شخص محسوس کر لیتا ہے تو جو شخص برا ہے، جو آوارہ ہے وہ بھی آپ کو برا سمجھے گا کہ میں برا ہوں اس وجہ سے کہ جاہل ہوں اور میں نے ادارے میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے میں نے اساتذہ سے تربیت حاصل نہیں کی ہے، میرے گھر والوں نے، میرے ماں باپ نے مجھ کو تربیت نہیں دی۔ اس لیے میں بہکا ہوا ہوں، لیکن یہ جس کو گھر سے لے کر مدرسہ تک مدرسہ سے لے کر مسجد تک ہمہ وقت تعلیم و تربیت دی جاتی رہی یہ کیوں راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے۔ تو اس کا بھی محاسبہ کرنا، اس کا بھی جائزہ لینا آپ کے اوپر ضروری ہے۔

آپ اگر ماحول کی سرزنش سے بچ گئے، ماحول کی سزا سے بچ گئے تو رب العالمین کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ سے نہیں بچ سکتے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”قرۃ عینی فی الصلوٰۃ“ نماز میرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ کے حکم کے خلاف چل کر کے آپ نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچائی بلکہ آپ نے ان کی آنکھوں کو تکلیف پہنچائی اس طور سے جب خود ضمیر بیدار ہوگا، دل بیدار ہوگا، عقل بیدار ہوگی اور اس پر آپ غور کریں گے کہ ہم کس لیے آئے ہیں اور کیا ہمیں کرنا ہے؟ بلکہ عمل کا معاملہ

تو محض اسلام سے وابستگی کے بعد ہی ہمارے سر آجاتا ہے کہ جب رب العالمین نے انسانوں کی تخلیق فرمائی ہے تو ان کے سر یہ ذمہ داری رکھ دی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ<sup>(۱)</sup> میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اب انسان کسی مدرسہ میں داخلہ لے یا نہ لے، چاہے کاشتکار ہو یا تجارت کار ہو یا اور کسی صنعت و حرفت سے لگا ہوا ہو، اگر اسلام سے وابستہ ہے تو اللہ کے فرمان کی بجا آوری اور اس کے احکام پر عمل کرنا اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس کے بغیر وہ کامل مسلمان نہیں ہو سکتا ہے تو یہ ایک عام مسلمان کا فریضہ ہے۔ اگر سندیں حاصل کرنے کے بعد عالمیت اور فضیلت کے درجات طے کرنے کے بعد بھی آدمی ایک فرض عام سے غافل ہے تو وہ کتنا پست اور کتنا گرا ہوا ہے جبکہ اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو انسان کی وسعت سے باہر ہو ”لَا يَكْفُرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“<sup>(۲)</sup> آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے کتنے بھائی ہیں نماز اور جماعت کی پوری پابندی کرتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لیے بھی یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔

اسی طریقے سے ہمارے بہت سے بھائی اخلاق حسنہ کے پابند ہوتے ہیں اور اب تو اخلاق کے معاملے میں دوسرے بھی ہم سے بڑھتے جا رہے ہیں۔ یورپین سے کوئی شخص یورپ میں جا کر اگر کسی یورپین سے آپ نے پوچھ لیا کہ فلاں جگہ کاراستہ کیسے ہے تو وہ کوشش کرے گا کہ خود ہی منزل تک پہنچا دے اور اگر اس کی فرصت نہیں ہے تو راستہ آپ کو اتنی دلچسپی سے بتائے گا کہ آپ پوری طرح سمجھ جائیں اس کے بغیر چھوڑے گا نہیں۔ ہمارے یہاں اگر کوئی نواورد آگیا تو ہمیں مطلب ہی نہیں کہ کیا ہے کیسا ہے؟ کہاں جانا ہے اس کو؟ اس سے مطلب ہی نہیں ہوتا ہے۔ سلام کرنے کی رسول اللہ نے تعلیم دی "افشوا

(۱) الذاریات ۵۱ آیت نمبر ۵۶

(۲) البقرہ ۲ آیت نمبر ۲۸۶

السلام" ارشاد فرمایا کہ سلام کو پھیلاؤ۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس کی کمی نظر آتی ہے، جو اخلاق خود ہمارے تھے وہ دوسروں میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور ہم اپنی تعلیمات سے غافل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم جب تک ان ساری چیزوں کو نہیں اپنائیں گے تب تک ہم نہ صاحب کمال ہو سکتے ہیں اور نہ ہمارا شمار دنیا کے بلند لوگوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک تو آپ کو اپنے وقت کو مصرف میں لانا ہے اور ہر قسم کی بیکاری سے، فضولیات سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور ہر قسم کی ایسی صحبت سے جو ہمیں بیکاری کی طرف مائل کرتی ہو، فضولیات سے وابستہ کرتی ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔ ورنہ وقت گزر جانے کے بعد افسوس کرنا کارآمد نہیں ہوگا اور محض افسوس ہی افسوس ہاتھ آئے گا، زمانہ ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ اس لیے آپ کو اپنے اوقات کو اپنے مقصد عزیز کی خاطر صرف کرنا ہے۔ اور جب اس طور پر آپ اپنے مقصد کی خاطر لگیں گے اور اپنے علم کو کامل کریں گے، اس کے مطابق عمل بھی کریں گے تو آپ کے لیے کامیابی کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔ اور بہت سے وہ علوم بھی آپ کو حاصل ہو سکتے ہیں جو پہلے آپ کو حاصل نہیں تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں سرکار کا ارشاد ہے:

”من عمل بما علم اورثه الله علم ما لم يعلم“ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے تو رب العزت اس کو ان باتوں کا بھی علم عطا فرمادیتا ہے جن کو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

علم پر عمل کے بعد دنیوی طور پر بھی کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں اور روحانی طور پر بھی بہت سے علوم کے دروازے کھلتے ہیں۔  
ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ (۱)

(۱) النساء آیت نمبر ۶۴

اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر آسمان  
وزمین کی برکتیں کھول دیتے۔

یہ عمل آپ کے لیے ہر طرح سے نفع بخش و سود مند ہے اور اس سے بھاگنا  
آپ کے لیے ہر طرح سے ضرر رساں اور خسارے کا باعث ہے۔ لائق تحسین  
ہیں وہ جو علم و عمل دونوں سے حظّ وافر اٹھانے کے لیے کوشاں ہیں اور قابل  
مبارک باد ہیں وہ جو بگڑے ہوئے ماحول اور نامساعد حالات میں بھی دین حق  
اور شریعت طاہرہ پر استقامت کی دولت سے بہرہ مند ہیں۔ سرکار کا ارشاد ہے:  
من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید۔ ”جو میری امت  
کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہے اس کے لیے  
سوشہیدوں کا اجر ہے۔“

رب العزت ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ وما علینا الا البلاغ

المبین.

## تعارف امام احمد رضا محدث بریلوی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ! فأعوذ باللہ من  
الشیطان الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم .  
أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ <sup>(۱)</sup> صدق اللہ مولینا  
العظیم .

ایک بار درود شریف پڑھیں۔ اللہم صل علی سیدنا محمد افضل صلواتک

امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمات کا باب بہت ہی وسیع و عریض ہے۔ امام  
احمد رضا قدس سرہ کی حیات و خدمات کے تعلق سے پروفیسر مولانا مسعود احمد  
مجددی نے ایک خاکہ تیار کیا ہے جس کی رو سے اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات  
کا تعارف ۱۵ پندرہ جلدوں میں مکمل ہوگا اور ہر جلد تقریباً پانچ سو صفحات پر  
مشتمل ہوگی لیکن اب تک کسی بھی ایڈمی یا ادارہ نے اس جانب پیش قدمی کی  
ہمت نہیں کی ہے۔ حقیقت میں وہ ایک بحرِ ذخارتھے اور انھوں نے اپنی  
تصانیف کی شکل میں ایک عظیم سرمایہ امت کے لیے چھوڑا ہے جس کے اوپر  
صدیوں تک تحقیق و تدقیق ہوتی رہے گی۔ انھوں نے مختلف سمتوں میں کام کیا  
ہے اور ہر جہت سے ان کی شخصیت امتیازی شان لیے ہوئے نظر آتی ہے۔ میں  
پہلے ان کے بچپن کا حال ذکر کرتا ہوں جب امام احمد رضا قدس سرہ نے قاعدہ  
بغدادی شروع کیا، قاعدہ بغدادی پڑھنے والے کی بساط ہی کیا ہوتی ہے اور ذہن  
و فکر کی جولانیت ہی کتنی ہوتی ہے لیکن اعلیٰ حضرت کے ذہن و فکر کو دیکھیے جب  
-ب- ت- ث- پڑھتے پڑھتے ”لا“ (لام الف) پر پہنچے اور استاذ نے کہا لام

(۱) المجادلۃ ۵۸ آیت نمبر ۶۳



الف تورک گئے اور کہا یہ تو میں نے پڑھ لیا ہے۔ الف بھی پڑھ لیا ہے، لام بھی پڑھ لیا ہے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مولانا رضاعلی خان موجود تھے انھوں نے فرمایا بیٹا جیسے استاذ بتا رہے ہیں ویسے پڑھو، لیکن آپ نے توقف کیا اور داداجان کی طرف دیکھتے رہے پھر داداجان نے فرمایا۔ تم نے پہلے جو پڑھا ہے حقیقت میں وہ ہمزہ ہے جو شروع میں آتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ اور دوسرا والا الف ساکن ہے جو ساکن ہوتا ہے اس کو تنہا نہیں پڑھا جاسکتا اس لیے اس کو لام کے ساتھ ملا کر رکھا گیا ہے یہاں تک ان کو داداجان مولانا رضاعلی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا دیا۔ آپ غور فرمائیے قاعدہ بغدادی پڑھنے والا اس طرح کے اعتراض نہیں کر سکتا۔ آپ نے قاعدہ بغدادی پڑھنے والے بہت سے بچوں کو دیکھا ہوگا مگر کبھی نہیں سنا ہوگا کہ اس طرح کا اعتراض کیا ہو۔ لیکن امام احمد رضا اس جواب پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جب دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر ہی الف کو پڑھا جاسکتا ہے تو پھر الف سے پہلے لام ہی کو کیوں رکھا کسی بھی حرف کو رکھ سکتے تھے مثلاً ب کے ساتھ رکھتے تو ”با“ ہو جاتا، ت کے ساتھ رکھ دیتے تو ”تا“ ہو جاتا کسی بھی حرف کے ساتھ رکھ سکتے تھے اس سوال کو سننے کے بعد داداجان نے ان کو گلے سے لگایا اور فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی اور فرمایا تمہارا سوال بجا ہے لیکن الف سے پہلے لام کو اس لیے ملایا کہ الف اور لام میں صورتاً اور معنیاً بہت مشابہت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور حرف کے ساتھ مشابہت نہیں اس لیے سارے حروف کو چھوڑ کر لام کے ساتھ الف کو رکھا گیا۔ صورتاً مشابہت دونوں میں اس طرح ہے کہ جس طرح لام لکھا جاتا ہے ویسے ہی الف بھی لکھا جاتا ہے ”لا“ لکھا جائے تو اس میں ل اور الف دونوں کی صورت یکساں نظر آئے گی اور معنیاً مشابہت اس طرح ہے کہ جب الف لکھا جاتا ہے تو اس کے پیچ میں لام آتا ہے۔ اور جب لام لکھا جاتا ہے تو اس کے

بیچ میں الف آتا ہے۔ یعنی الف کا قلب لام ہے اور لام کا قلب الف ہے اسی وجہ سے اس کو لام کے ساتھ رکھا گیا ہے یہ آپ کے پہلے سبق کا واقعہ ہے جو ان کی امتیازی شان کو واضح کرتا ہے کہ عام بچوں کی افتاد طبع اور انداز فکر سے ان کا مقام کتنا بلند و بالا تھا۔ صرف رٹائی ہوئی چیز کو رٹ لینا اور استاذ سے سنی ہوئی چیز کو سنا دینا یہ ان کا کام نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ غور کرنا، فکر کرنا اور حقیقت کو سمجھ لینا ان کا پہلے دن سے ہی معمول تھا، اس طرح انھوں نے تحصیل علم کی اور کسی بھی کتاب کو مکمل سبقتاً پڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ تہائی چوتھائی کتاب پڑھا کرتے تھے۔ بقیہ اپنے مطالعہ سے حل کرتے تھے۔

اب طلبہ کا یہ حال ہے کہ تہائی چوتھائی کتاب پڑھتے ہیں اور اس کی بھی خبر نہیں رہتی کہ کیا پڑھا ہے اور آگے کے بارے میں تو سوچتے بھی نہیں ہیں کہ آگے کیا مضامین ہیں اور مصنف نے کیا بیان فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ ابتدائی فن کی کتابیں نحو صرف جن کے بغیر نہ عربی زبان پڑھی جاسکتی ہے نہ سمجھی جاسکتی ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ معمولی قواعد پڑھ لیتے ہیں تہائی چوتھائی یا نصف۔ میں سب کو نہیں کہتا کہ سب ایسے ہی ہیں لیکن بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے قواعد کی بھی تکمیل نہیں کی ہے اور ان کو فکر بھی نہیں ہے کہ ہم قواعد کو مکمل کر لیں تاکہ ہم عربی زبان کو پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہو جائیں۔ ایک طالب علم کے لیے ان قواعد کے بغیر عربی پڑھنا لکھنا بولنا تقریباً محال ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ حال ہے کہ اہم سے اہم کتاب ہو مشکل ترین کتاب ہو چند اوراق پڑھا کرتے۔ اس سے مصنف کا انداز اور طرز تحریر معلوم ہو جاتا تھا اور بقیہ کتاب کو خود مطالعہ کر کے حل کر لیا کرتے تھے یہ ان کا معمول تھا۔ اس شان سے انھوں نے تحصیل علم کی ہے اور اس طریقہ سے پڑھائی کی ہے۔ اس کے اندر بھی ان کا تفرق و امتیاز نمایاں ہے۔ تحصیل علم سے فراغت

کے بعد ہی دارالافتا کی ذمہ داری سنبھالی اور فتویٰ دینے لگے۔

۱۲۸۶ھ میں ان کی فراغت ہوتی ہے تیرہ سال اور دس مہینے کی عمر ہوتی ہے۔ فراغت کے بعد خدمت افتا ان کے سپرد ہو جاتی ہے لیکن ان کا معمول یہ تھا کہ جو بھی فتویٰ لکھتے تھے والد ماجد کو ضرور دکھاتے اور بغیر دکھائے ہوئے اس کو جاری نہیں کرتے تھے سات سال تک ان کا معمول رہا اس کے بعد والد ماجد نے کہا کہ اب دکھلانے کی ضرورت نہیں ہے بغیر دکھائے کہیں بھی فتویٰ جاری کر دیا کرو۔ لیکن اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں میں نے ان کی حیات تک کبھی انہیں دکھائے بغیر کوئی فتویٰ جاری نہ کیا۔

ایک مرتبہ رام پور سے ایک سوال آیا۔ سوال ایک نواب کے دربار سے آیا تھا جب سائل مولانا نقی علی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی بارگاہ میں پہنچے تو آپ نے فرمایا وہاں کمرے میں مولانا بیٹھے ہوئے ہیں ان کو جا کر استفتادے دو، وہ صاحب کمرے میں گئے اور واپس آئے اور کہا کہ وہاں کوئی مفتی صاحب نہیں ہیں۔ ایک صاحب زادے بیٹھے ہوئے ہیں۔ والد ماجد نے کہا جو بھی ہو اس وقت خدمت افتا انہیں کے سپرد ہے، انہیں کو جا کر دے دو۔ انہوں نے مجبور ہو کر ان کو دیا۔ اعلیٰ حضرت نے اسے دیکھا تو پہلے ہی سے اس کا جواب لکھا جا چکا تھا یہ مولانا ارشاد حسین رام پوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے لکھا تھا اتفاق سے وہ جواب صحیح نہیں تھا پھر اعلیٰ حضرت نے سوال کو دیکھا اور الگ سے اپنا جواب لکھا جو اس کے برخلاف تھا غالباً مسئلہ یہ تھا کہ نماز میں امام کی متابعت واجب ہے، یعنی امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ مثلاً کوئی شخص درود شریف پڑھ رہا ہے اور اچھی درود شریف ختم نہیں کیا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو امام کی متابعت واجب ہے یعنی متابعت میں یہ بھی سلام پھیرے گا۔ کوئی شخص رکوع میں گیا ہوا ہے اور تسبیح تین بار نہیں پڑھی ہے تو سنت کا عمل پورا نہیں ہوا امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو مقتدی بھی سر اٹھالے گا یہ مسئلہ تو واضح

ہے۔ اس میں کچھ تفصیل بھی جسے ترک کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال ہے کہ امام نے اگر کوئی خلاف اولیٰ کام کیا تو مقتدی اس کی متابعت کرے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ لکھا ہوا تھا کہ چونکہ امام کی متابعت واجب ہے اور خلاف اولیٰ سے نماز میں کوئی نقص بھی نہیں آتا ہے لہذا مقتدی بھی اس کی متابعت کرے گا۔ مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جواب دیا کہ کسی بھی خلاف اولیٰ میں امام کی متابعت نہیں کی جائے گی جو سنت ہے اس میں امام کی متابعت ہوگی یا جو واجب ہے اس میں امام کی متابعت واجب ہوگی یا جو فرض ہے آئیں متابعت فرض ہے لیکن یہ کہ قصداً وہ کسی خلاف اولیٰ کا ارتکاب کرے اس میں اس کی متابعت کی جائے یہ مقتدی کے ذمہ نہیں ہے یہ جواب ۱۲۹۴ھ کا ہے جو فتاویٰ رضویہ شریف میں چھپا ہوا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ریاست رام پور کا یہی وہ فتویٰ ہے جس کا ذکر ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ جب آپ نے جواب لکھ دیا اور والد ماجد نے تصدیق کر دی اس کے بعد وہ فتویٰ رام پور پہنچا، رام پور پہنچنے کے بعد نواب صاحب نے دیکھا کہ ایک طرف مولانا ارشاد حسین رام پوری کا فتویٰ ہے جس کے اوپر کثیر علما کی تصدیقات ہیں اور دوسری طرف بریلی کا ایک فتویٰ ہے جس کے اوپر صرف دو صاحبان کے دستخط ہیں ایک مفتی کے اور دوسرے تصدیق کرنے والے کے۔ اس پر ان کو تعجب ہوا لیکن مولانا ارشاد حسین رام پوری رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی جید اور بہت ہی بے نفس عالم دین تھے انھوں نے فرمایا کہ فتویٰ وہی صحیح ہے جو بریلی کا ہے ان کی بے نفسی یہ تھی کہ انھوں نے اپنی قدر و منزلت کی پرواہ نہیں کی اور حق کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ فتویٰ وہی صحیح ہے جو ان دو حضرات کے دستخط سے آیا ہے تو نواب نے پوچھا اتنے کثیر علما نے آپ کی تصدیق کیسے کر دی تو کہا کہ صرف

میرے اعتماد کی بنیاد پر کردی دلیل کی رو سے وہی فتویٰ صحیح ہے جو بریلی سے آیا ہے اس کی وجہ سے نواب کے دل میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عظمت بیٹھ گئی اور دیدار کے بڑے آرزو مند ہوئے یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت کو رام پور آنے کی دعوت دی اتفاق سے اعلیٰ حضرت کے خسر جو تھے وہ نواب کے دربار میں کسی خدمت پر مامور تھے ان سے ذکر کیا انھوں نے کہا کہ وہ تو اپنے ہیں وہ آسکتے ہیں۔ جب آپ رام پور پہنچے تو نواب نے بیٹھنے کے لیے چاندی کی کرسی پیش کی، اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا کہ چاندی کا استعمال مرد کے لیے حرام ہے تو نواب صاحب سکتے میں آگئے بہر حال لکڑی کی کرسی لائی گئی اور اس پر آپ بیٹھے۔ اعلیٰ حضرت کا ابتدائی دور اس طرح سے گزرا ہے اور اس طرح سے انھوں نے فتویٰ کی خدمت انجام دی، افتا کا کام اعلیٰ حضرت کے خاندان میں ہوتا آیا ہے پہلے آپ کے والد جد امجد اور والد ماجد نے کیا اور آپ کے بعد حضور مفتی اعظم نے کیا اور آج تک یہ جاری ہے اور وہاں سے افتا کی خدمت انجام دی جا رہی ہے۔

مشکل اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا ہے جس کی نظیر ماضی میں نہیں ہے نئے مسئلے کا جواب کیا ہوگا، اس کا حل کیا ہوگا۔ اس کو حل کرنا اور دلائل سے ثابت کرنا اہم کام ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس بارے میں بھی اپنی نظیر آپ ہیں جب وہ دوسرے سفر حج پر گئے تھے اس وقت نوٹ کی ایجاد ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے چاندی کے سکے چلتے تھے یا سونے کی اشرفی چلتی تھی دینار و درہم کا زمانہ تھا لیکن نوٹوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی جب نوٹ کی ایجاد ہوئی تو اس سے بہت سے سوال پیدا ہوئے کہ یہ مالیت رکھتا ہے کہ نہیں رکھتا ہے۔ اس کی بیع ایک نوٹ سے دو نوٹ کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ایک نوٹ ہزار میں بیچا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تقریباً تیرہ سوالات علمائے مکہ مکرمہ نے تیار کیے۔ اس زمانہ سے بہت پہلے

مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی مفتی حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے نوٹ کے متعلق سوال ہو چکا تھا یہ حدیث و فقہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے استاذ الاستاذ تھے۔ جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پہلی بار ۱۲۹۵ھ میں حج کے لیے گئے تھے تو اس وقت کے اکابر علمائے حریمین سے حدیث و فقہ کی سندیں لی تھیں، انہیں میں سے کسی سند کے اعتبار سے شیخ جمال بن عبداللہ علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے شیخ لشیخ ہوتے ہیں۔ ان سے جب نوٹ کے متعلق سوال ہوا تھا تو انہوں نے صرف اتنا جواب دیا تھا کہ مسئلہ نیا ہے اور علم، علما کی گردنوں میں امانت ہے انہوں نے مسئلہ کا حل تحریر نہیں فرمایا بلکہ یہ ظاہر کر دیا کہ مسئلہ نیا ہے گذشتہ کتابوں کے اندر اس کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ اب حقیقی جواب اس کا کیا ہونا چاہیے یہ علما کی گردنوں میں امانت ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان سوالات کا تفصیلی جواب عطا فرمایا اور پورا ایک رسالہ وہیں مکہ مکرمہ کی حاضری کے زمانے میں کفیل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدرہم کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس زمانے میں ایک مفتی حنفیہ تھے شیخ عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ یہ ایک زبردست عالم تھے اور اس وقت مفتی حنفیہ ایک منصب کی حیثیت رکھتا تھا چونکہ اس وقت ترکوں کی حکومت کا زمانہ تھا تو سلطان کے بعد شریف مکہ ہوتا ہے جو حریمین کا پورا حاکم ہوا کرتا تھا اور شریف مکہ کے بعد مفتی حنفیہ کا منصب ہوا کرتا تھا اس وقت مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا انہوں نے اعلیٰ حضرت سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن اعلیٰ حضرت کا قیام مولانا اسماعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تھا، قاصد آیا تو اعلیٰ حضرت نے چاہا جواب یہ دیں کہ میں حاضر ہوتا ہوں لیکن مولانا اسماعیل خلیل مکی نے فرمایا یہ کبھی نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے علما جو ان سے زیادہ علم والے اور عمر والے ہیں وہ خود یہاں آئیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سے ملاقات کے لیے جائیں اور قسم کھا کے کہا واللہ یہ نہیں ہوگا، اعلیٰ

حضرت فرماتے ہیں میں ان کی قسم کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور نہیں گیا۔ لیکن واقعہ یہ پیش آیا کہ اعلیٰ حضرت کا رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم کتب خانہ میں نقل کے لیے رکھا ہوا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ علیہ کتب خانہ میں تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کا رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم سامنے دیکھ کر اس کا مطالعہ کرنے لگے، اسی دوران اعلیٰ حضرت بھی کتب خانہ میں پہنچے۔ شیخ عبداللہ صدیق رسالہ دیکھتے ہوئے فتح القدر سے نقل شدہ اس عبارت تک پہنچے ”لوباء کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ“<sup>(۱)</sup>

”اگر کوئی کاغذ ہزار کے عوض بیچا تو جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں“ اس عبارت کو دیکھ کر وہ پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا: ”اے جمال بن عبداللہ من هذا النص الصریح“ یعنی حضرت جمال بن عبداللہ اس صریح جزئیہ تک کیوں نہ پہنچ سکے۔ یہ اُس زمانے کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا جب سابق مفتی حنفیہ شیخ جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور انھوں نے صرف یہ لکھا کہ ”علم، علما کی گردنوں میں امانت ہے۔“

فتح القدر سے نقل شدہ اس صریح جزئیہ کو دیکھ کر شیخ عبداللہ صدیق رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم کے مصنف کی عظمت کے معترف ہو گئے۔ پھر اسی دوران ان سے یہ کام ہوا کہ انھوں نے کچھ لکھنا چاہا اور کتاب کے اوپر دوات رکھ دی اعلیٰ حضرت وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کتاب سے دوات اتار دی پھر انھوں نے دوات رکھ دی پھر اعلیٰ حضرت نے اتار دی اس پر وہ خفا ہو گئے انھوں نے کہا کہ بحر الرائق میں کتاب الکراہیہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ کتاب کے اوپر دوات کا رکھنا جائز ہے تو اعلیٰ حضرت نے یہ

(۱) فتح القدر کتاب الکفالت، ج: ۱۶، ص: ۲۲۱

بحث نہیں کی کہ بحر الرائق کتاب الکرہیہ تک پہنچے بلکہ اس سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔ فرمایا بحر الرائق میں اس کی ممانعت کی صراحت موجود ہے اور جس وقت لکھ رہا ہو اور ورق الٹ پلٹ ہو رہا ہو اس وقت اس کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس وقت کوئی ورق نہیں الٹ رہا ہے اور آپ لکھ بھی نہیں رہے ہیں اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت کی صراحت ہے اب ان کو اور زیادہ تعجب ہوا اور انہوں نے ایک دوسرے صاحب سے پوچھا یہ کون ہے انہوں نے کہا یہی اس رسالہ کے مصنف ہیں جب انہوں نے یہ بات سنی تو سننے کے ساتھ فوراً اٹھے معانقہ کیا اور تھوڑی دیر تک بیٹھ کر رخصت ہو گئے۔

اعلیٰ حضرت کی شان افتا یہ تھی کہ جدید مسائل پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے تو سیر حاصل گفتگو کی ایسے مسائل جن سے دیگر علماء عاجز تھے اور ان کا جواب نہیں لکھ سکے تھے ایسا مسئلہ بھی ان کے سامنے پیش ہوا ہے تو انہوں نے مکمل طور سے اس کا تفصیلی جواب رقم فرمایا ہے۔ انہیں میں سے ایک کفل الفقیہ الفہم فی احکام قرطاس الدرہم ہے۔ اس طرح کے کتنے رسائل ہیں جو انفرادی شان رکھتے ہیں۔

فلسفہ جو ہماری درس گاہوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے اس میں کچھ باتیں توحیح ہیں اور کچھ باتیں قابل رد ہیں اور کچھ سراسر گمراہی اور مکمل ظلمت ہیں ان باتوں کو بھی پڑھا پڑھایا جاتا ہے لیکن ساتھ ساتھ ان کا رد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے مثلاً فلاسفہ کا یہ خیال ہے کہ ”زمانہ کے لیے کوئی ابتدا اور انتہا نہیں ہے یہ زمانہ ازلی اور ابدی ہے“ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ازلی اور ابدی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی صفات ہیں۔ زمانہ کی یہ شان نہیں ہے تو اس مسئلے میں ان کا رد کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تہافتہ الفلاسفہ تحریر فرمائی تھی اس میں فلاسفہ کی اس طرح کی لغویات کا رد فرمایا تھا لیکن کچھ



مسائل تھے جن سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ جزء الذی لایجزی کے بارے میں فلاسفہ کا خیال ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا اس کا وجود نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جزء لایجزی یہ ثابت ہے اس کے اوپر اعلیٰ حضرت نے دلائل قائم کیے ہیں اسی طریقے سے فلک کے بارے میں فلاسفہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فلک کا پھٹنا، جڑنا محال ہے۔ اسی طرح کی بہت سی چیزیں ہیں جو اسلام سے متضاد ہیں۔ ان کا رد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دلائل کے ساتھ اپنی کتاب میں کیا ہے اور اس کتاب کا نام رکھا ہے الکلمۃ الملممہ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء فلسفۃ المشئمہ یہ ان کی نادر کتاب ہے اعلیٰ حضرت نے فلسفہ جدیدہ بھی رد کیا ہے۔ موجودہ سائنس داں کہتے ہیں کہ ”زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے“ پہلے تو سائنس داں یہ کہتے تھے کہ سورج ٹکا ہوا ہے اس کے اندر حرکت نہیں ہے لیکن پچاس ساٹھ سال پہلے ان کی یہ تحقیق ہوئی کہ سورج ٹکا ہوا نہیں ہے بلکہ ایک سمت میں بڑی تیزی سے چل رہا ہے بلکہ قرآن شریف نے بہت پہلے فرمادیا تھا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ <sup>(۱)</sup>

اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔

سائنس دانوں کے نظریات ایسے نہیں جو قابل رد نہ ہوں جو چیز یہ تحقیق و مشاہدے کی بنیاد پر بیان کرتے اور واقع کے مطابق ہے وہ تو قابل قبول ہے اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن جہاں بات نظریے کی حد تک ہوتی ہے اور وہ محض ظن و تخمین سے بیان کرتے ہیں تو اس کا رد کیا جاسکتا ہے، اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ یہ چیز ہماری کتاب سے کہاں تک مطابقت رکھتی ہے احادیث

(۱) یاسین، آیت ۳۸

سے کہاں تک مطابقت رکھتی ہے اگر مطابق ہے تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر مخالف ہے تو رد کیا جائے گا۔ اس موضوع پر بھی اعلیٰ حضرت نے رسالہ لکھا۔ قدیم فلاسفہ یہ مانتے تھے کہ آسمان متحرک ہے اور آسمان کی حرکت کے سبب سیارے بھی متحرک ہیں اس لیے سات سیارے مانتے تھے کہ سات سیاروں کی حرکت سات آسمانوں کی حرکت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے آیات قرآنی کی روشنی میں کتاب لکھی تھی "نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان" یعنی آیات سے اس بات کا ثبوت کہ زمین و آسمان ساکن ہے اور فلسفہ جدیدہ (سائنس) کی روشنی میں ان کے اس نظریے کا ابطال کہ زمین حرکت کرتی ہے اس کے لیے ایک کتاب لکھی "فوز مبین در رد حرکت زمین" اور اس کے اندر ایک سو پانچ دلائل سے ثابت کیا کہ زمین متحرک نہیں ہے فلاسفہ کے گروہ میں بھی یہ نظریہ رہ چکا ہے بعض اس کے قائل تھے کہ زمین متحرک نہیں ہے اور بعض اس کے قائل تھے کہ زمین متحرک ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے قرآن کی روشنی میں اسی نظریے کو لیا ہے کہ زمین ساکن ہے، آسمان ساکن ہے یاں سیارے حرکت میں ہیں۔ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ<sup>(۱)</sup>

اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کیے جو برابر چل رہے ہیں۔

دُأب کا معنی ہوتا ہے لگاتار کام میں رہنا تو سورج، چاند یہ گردش کرتے ہیں اور حرکت میں ہیں یہ اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ میں ثابت کیا ہے اور اس طریقہ کی بہت سی تحقیقات ان کی ہیں جو ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ امریکہ کے اندر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کیا ہے وہاں سے سوال

(۱) ابراہیم، آیت ۳۳

آیا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ”کشف الحلة عن سمت القبلة“ یعنی سمت قبلہ کی حقیقت کیا ہے اس کے بارے میں تحقیق۔ اس کے اندر انھوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شمالی امریکہ کا سمت قبلہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سمت قبلہ نکالنے کے لیے دس قواعد ایجاد کیے اور اس کے لیے ایک فصل رکھی ہے ”ہمارے دس ایجادی قواعد کے بیان میں“ ان ایجادی قواعد کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے شاگرد ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”توضیح التوقیت“ میں نقل کر دیا ہے اور سمت قبلہ کے متعلق خود اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ یہ قواعد اتنے درست ہیں کہ ان کے مطابق سمت قبلہ کا استخراج زمین کے کسی حصہ کا کیا جائے جبکہ طول و عرض صحیح نکالا جائے اور صحیح طور سے ان قواعد کے مطابق استخراج کیا جائے تو قبلہ کی سمت اتنی درست نکلے گی کی حجابات اٹھادیے جائیں تو کعبہ سامنے ہوگا۔ یوں تو سمت قبلہ کا استخراج گذشتہ قدیم ہیئت کی کتابوں میں موجود ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس فن میں بھی علما کی تحقیق پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ خود اپنے دس قواعد ایجاد کیے ہیں اور ان قواعد سے استخراج سمت قبلہ کا طریقہ بتایا ہے اور تصحیح اور درست اس کو بتایا ہے کہ اگر اس طریقہ سے استخراج کیا جائے تو کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ اور قبلہ کی سمت اتنی درست نکلے گی کہ کعبہ سامنے ہوگا۔

ہرفن کے اندر اعلیٰ حضرت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنی تحقیق کے بعد خود اپنے افادات کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے نئی نئی چیزیں سامنے آتی ہیں اور دلائل کے باب میں بھی یہی حال ہے انھوں نے جمع بین الصلاتین کے موضوع پر کتاب لکھی ہے ہیں ”حاجز البحرین الموقوع عن جمع الصلاتین“ یہ نیا مسئلہ نہیں بلکہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے مگر امام شافعی امام مالک کے یہاں امام احمد بن حنبل کے یہاں یہ جائز ہے۔ اس کے دلائل بھی دیے گئے ہیں کہ

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا<sup>(۱)</sup>

”نماز مومنوں پر باندھا ہوا فریضہ ہے“ اور وقت نماز کے لیے ایک ابتدا اور انتہا رکھی گئی ہے، تو اصل یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے ایک وقت ہے اور اسی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے اور اسی کے مطابق عمل بھی تھا کہ ہر نماز کو اس کے الگ الگ اوقات میں پڑھا جاتا تھا اور کسی ایک وقت میں دو نمازوں کو پڑھنا جائز نہیں مگر بعض احادیث کی وجہ سے کئی ائمہ اس کے قائل ہوئے کہ سفر میں ظہر و عصر ایک ساتھ اور مغرب و عشا کو ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھیں۔ دیکھنے میں معلوم ہوگا کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھیں مگر حقیقت میں دونوں الگ الگ وقت میں ہوں۔ اسے ”جمع صوری“ کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ کہ ایک نماز کے حقیقی وقت میں دوسری بھی پڑھی جائے، اس کی دو صورتیں ہیں۔ جمع تقدیم اور جمع تاخیر، جمع تقدیم یہ کہ ظہر کے وقت ہی میں عصر کو بھی پڑھ لیا جائے اسی طرح مغرب ہی کے وقت میں عشا بھی ادا کر لی جائے۔ جمع تاخیر یہ کہ ظہر کا وقت نکال کر عصر کے وقت میں ظہر و عصر دونوں پڑھی جائیں، اسی طرح مغرب کا وقت گزار کر عشا کے وقت میں مغرب و عشا دونوں پڑھی جائیں۔ جمع حقیقی کی یہ دونوں صورتیں حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ دیگر ائمہ جائز کہتے ہیں مگر جمع تقدیم کے بارے میں امام ابو داؤد شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا یعنی جمع تقدیم کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کی پوری تحقیق کی ہے۔ پہلے بھی اس موضوع

(۱) النساء آیت نمبر ۱۰۳

پر لکھا جا چکا ہے۔ مولانا ارشاد حسین رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے انتصار الحق میں اس کے اوپر بہت تفصیلی گفتگو کی ہے حاجز البحر میں ان تمام احادیث کو جمع کیا ہے جن سے مخالفین استدلال کرتے ہیں کہ جمع تقدیم و جمع تاخیر جائز ہے ان احادیث کی تاویل کیا ہے ان کا مطلب کیا ہے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس سے جمع حقیقی والے خاص طور سے استدلال کرتے ہیں۔ اس پر واضح بحث موجود ہے کہ ان کی حدیثوں میں سے ایسی روایات متعدّد ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ سفر کی ان کو جلدی تھی ان کی اہلیہ کی بیماری کی خبر ان کو ملی تھی اس لیے بہت جلدی سفر کر رہے تھے اور اس وقت میں ایسا سفر کیا کہ وہ مغرب کے آخری وقت میں اترے اور نماز مغرب ادا کی اس کے بعد کچھ دیر انتظار کیا پھر عشا کا وقت شروع ہو گیا تو انھوں نے عشا کی نماز ادا کی، تو جہاں ان کی روایت میں لکھا ہے جمع المغرب والعشا تو خود شافعیہ کا یہ قاعدہ ہے کہ جہاں حدیث مفسر و مصرح ہو وہاں مجمل کو اسی پر محمول کیا جائے گا تو جب حدیثوں کے اندر یہ صراحت مل رہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نماز مغرب پڑھی پھر انتظار کیا۔ انتظار کرنے کے بعد جب عشا کا وقت شروع ہو گیا تو عشا کی نماز ادا کی تو جہاں مجمل آیا ہے کہ مغرب و عشا کو جمع کیا اس سے جمع صوری مراد ہے جمع صوری کا مطلب یہ ہوتا ہے مثلاً ظہر اس کے آخر وقت میں اور اور ذرا دیر بعد عصر اس کے اول وقت میں پڑھی جائے، تو صورتاً تو یہ ہو کہ سفر کر رہے تھے سفر کرنے کے درمیان اتر پڑے اترنے کے بعد دونوں نمازیں ایک جگہ بظاہر ایک وقت میں پڑھیں ہیں۔ دونوں نمازیں پڑھنے کے بعد پھر اگلا سفر کیا مگر یہ صورتاً دونوں کو جمع کرنا ہے حقیقتاً جمع کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا ہے ظہر کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا اور عصر کو اس کے اول وقت میں ادا کیا یا مغرب کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا اور عشا کو

اس کے شروع وقت میں ادا کیا اور مغرب کو اس طور پر مؤخر کرنا کہ عشا کے وقت کے قریب پہنچ جائے یہ مسافر کے لیے جائز ہے صرف حضر کے اندر مغرب کے وقت میں تاخیر مکروہ ہے۔ اور ظہر و عصر کے اندر حضر میں بھی جمع ہو سکتا ہے صورتاً یعنی ظہر کو اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور کچھ وقفہ دے کر فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے تو عصر کی نماز پڑھ لی جائے تو اس کے اندر کوئی کراہت نہیں ہے۔ اس مسئلے پر اعلیٰ حضرت کا رسالہ ملاحظہ کریں کہ خود انھوں نے وہ تحقیقات پیش کیں جو اگلی کتابوں میں نہیں ہیں کیوں کہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے مختلف فیہ تھا تو علمائے حنفیہ نے اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے ان باتوں کو لیتے ہوئے کچھ اپنے دلائل بھی پیش کیے ہیں خاص طور سے قرآنی آیات سے احادیث سے استدلال بہت عمدہ انداز میں کیا ہے، اسی طریقہ سے اس رسالہ کے اندر انھوں نے رجال حدیث سے بھی گفتگو کی ہے کیوں کہ اس سے پہلے میاں نذیر حسین دہلوی نے رسالہ لکھا تھا معیار الحق اس میں جہاں حنفیہ کے اور مسائل پر کلام کیا ہے انھوں نے اس پر بھی اصرار کیا ہے کہ جمع بین الصلاتین بھی سفر میں ہونا چاہیے یعنی حقیقی ہی جمع ہونا چاہیے جمع صوری کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جمع صوری کے اثبات میں حنفیہ نے جو احادیث پیش کی ہیں ان احادیث کے رجال پر کلام کیا ہے۔ بہت سے ایسے رجال جو صحیح ہیں ثقہ ہیں انھوں نے ان کو ضعیف قرار دیا اور ضعیف بتانے کے لیے بہت سی کارستانیوں کی ہیں اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے ان کی پکڑ کی ہے اور بتایا ہے کہ انھوں نے صحیح احادیث کو کیسے کیسے ضعیف ٹھرایا ہے۔

حدیث کے ماخذ میں دو طرح کی کتابیں ہیں۔ ایک تو وہ کتابیں ہیں جن کے اندر باقاعدہ محدث نے بیان کیا ہے حدیثنا عن فلان عن فلان عن فلان اور پوری سند حدیث ذکر کی ہے اور اس کے بعد کان رسول للہ ﷺ یقول أو

یفعل کذا، باضابطہ سندوں کے ساتھ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں اس طرح کی کتابیں ہی اصل ہیں۔ ان میں صحاح ستہ بھی ہیں جن میں سندوں کے ساتھ حدیثوں کو نقل کیا گیا ہے اور صحاح ستہ کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں۔ دوسری وہ کتابیں ہوتی ہیں جن میں احادیث بغیر سندوں کے درج کر کے سند والی کتب حدیث کے حوالے دے دیے جاتے ہیں جیسے مشکوٰۃ المصابیح کہ مشکوٰۃ المصابیح کے اندر سندیں نہیں لکھی گئی ہیں لیکن اس میں رواہ البخاری اور رواہ مسلم اور متفق علیہ وغیرہ لکھ دیا گیا ہے تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اس کا التزام کیا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ اصل راوی کون ہے یعنی جن محدثین نے حدیث کی تخریج کی ہے ایک ہوں یا چند ہوں ان کو ذکر کیا ہے۔ آپ مشکوٰۃ المصابیح یا امام سیوطی کی خصائص کبریٰ پڑھیں تو دیکھیں کہ ان کتابوں میں حدیثیں بغیر سند کے بیان کی گئی ہیں یہی طریقہ الدر المنثور میں ہے یہ تفسیر کی کتاب ہے اس میں بھی امام سیوطی نے اسی طریقہ کو اپنایا ہے یہی طریقہ اپنی کتاب جامع صغیر، جامع کبیر، جمع الجوامع میں اپنایا ہے کہ اگلی کتابوں کے حوالے دے کر حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان تمام کو جمع کر کے شیخ علی متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ تھے انھوں نے کنز العمال کے نام سے ان احادیث کو موضوعات کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے کیوں کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حروف تہجی کے لحاظ سے لکھا تھا جامع صغیر، جامع کبیر اور جمع الجوامع میں انھوں نے حروف تہجی کے لحاظ سے حدیثوں کو لکھا تھا، حروف تہجی کے لحاظ سے کسی بھی موضوع کی حدیث کہیں بھی آسکتی ہے لیکن موضوعات کے ساتھ حضرت علی برہان الدین متقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جس کے بارے میں اسی زمانے کے علمائے کرام نے کہا تھا کہ امام جلال الدین سیوطی کا احسان سارے جہان والوں پر ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جو منتشر حدیثیں تھیں ان سب کو انھوں نے یکجا

کردیا لیکن علی متقی کا احسان جلال الدین سیوطی پر ہے کہ انھوں نے منتشرہ حدیثوں کو کنز العمال کے نام سے ابواب کی شکل میں جمع کر دیا کیوں کہ جب ابواب کی ترتیب پر حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں تو ان کا پڑھنا ان سے استفادہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جن میں احادیث پوری سندوں کے ساتھ مرقوم ہیں، دوسری وہ جن میں ان سندوں والی کتابوں کا حوالہ دیدیا گیا ہے اور سندیں درج نہیں ہیں۔

بہت سے لوگ اس میں تساہل سے کام لیتے ہیں کہ وہ ذکر تو کر دیں گے کہ در منشور میں ایسا ہے خصائص کبریٰ میں ایسا ہے یا مشکوٰۃ میں ایسا ہے لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کتابوں میں کون سی کتابوں کا حوالہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ثانوی حوالے کی کتابیں ہیں، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کبھی ثانوی حوالوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اصل کتابوں کا حوالہ دیا ہے یعنی جن کتب حدیث کے اندر پوری سندوں کے ساتھ حدیث بیان ہے ان کتابوں کا حوالہ دیا ہے اگرچہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان کتابوں کا حوالہ خصائص کبریٰ یا جامع صغیر میں ہے، تو جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ فلاں کتاب کے اندر یہ حدیث پوری سند کے ساتھ مذکور ہے تو اسے ہر کوئی صاحب علم، صاحب تحقیق دیکھ سکتا ہے اور پرکھ سکتا ہے کہ حدیث کا درجہ کیا ہے، مرتبہ کیا ہے، حسن ہے ضعیف ہے، حسن لذاتہ ہے یا حسن لغیرہ ہے اس کو جان سکتا ہے۔ اس کا اہتمام اعلیٰ حضرت کی تقریباً تمام کتابوں میں نظر آئے گا۔ ثانوی حوالوں پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اولین حوالوں کا التزام کیا ہے۔

اسی طرح سے فقہ کے باب میں دیکھیں گے مثلاً عالمگیری جس کو فتاویٰ ہندیہ کے نام مرتب کیا گیا تھا۔ عالمگیری مولانا نظام الدین علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں تقریباً پانچ سو علمائے کرام نے جمع ہو کر لکھی، اور سلطان اورنگ زیب کی سرپرستی



میں یہ سارا کام انجام پایا تھا اس زمانے میں فقہ حنفی کی جتنی بھی کتابیں مل سکتی تھیں سب منگائی گئیں، اور اس زمانہ میں چھپائی کا کام نہ تھا نقلیں حاصل کی گئیں وہ سب جمع کی گئیں اور پورے ہندوستان سے جو جید اور ممتاز علما تھے ان کو منتخب کیا گیا اور اس کا کام مختلف حضرات کے سپرد کر دیا گیا، انھوں نے مسائل فقہیہ کو ان کتابوں سے عمدہ ترتیب کے ساتھ کتب، ابواب اور فصول پر مرتب کر کے لکھا۔ یہ فتاویٰ ہندیہ عموماً چھ جلدوں میں پائی جاتی۔ اب اعلیٰ حضرت اگر عالم گیری کا ذکر کرتے ہیں تو عالم گیری نے کہاں سے حاصل کیا ہے اس میں کس کتاب کا حوالہ ہے اس کا بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً محیط کے حوالے سے عالم گیری میں یہ مسئلہ ہے فتح القدر کے حوالے سے عالم گیری میں یہ مسئلہ ہے تو اس طریقہ سے اصل ماخذ تک پہنچاتے ہیں اور یہ ہونا بھی چاہیے تاکہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ مسئلہ کہاں سے لیا گیا ہے، یہ عبارت کہاں سے لی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت محض ثانوی حوالوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اصل حوالوں کا ذکر کرتے ہیں یہ ان کی شان تحقیق اور طرز تحقیق ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی زندگی کے اندر کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان میں دینی اور علمی تحقیقات بھی ہیں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی بھی ہے اور اہل باطل کا رد بھی ہے، مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت یہ عالم دین کی پہلی ذمہ داری ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

إذا ظهرت الفتن أو البدع فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين.<sup>(۱)</sup>  
جب لوگوں کے اندر بدعتیں پھیلیں فتنے پھیلیں تو جو عالم دین ہو وہ اپنے علم کو ظاہر کرے، یعنی ان فتنوں اور بدعتوں کا قلع قمع کرے اور باطل کو باطل، حق

(۱) مرقاۃ المفاتیح، باب مناقب الصحابہ، ج: ۱، ص ۳۰۲

کو حق ظاہر کرے اور جو ایسا نہیں کرتا ہے اس پر ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کو خطیب بغدادی اور دیگر حضرات نے بھی روایت کیا ہے۔ اس موضوع پر بہت سی حدیثیں موجود ہیں، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی باطل فرقہ پیدا ہو رہا ہے، بد مذہبی بڑھ رہی ہے تو محض خاموش رہ جانا عالم دین کے لیے کافی ہو جائے گا کہ ہم فتنہ میں نہیں پڑتے، ہم فساد میں پڑنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ عالم کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ باطل کا رد کرے اور حق کو ثابت کرے، امام ابو اسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے زمانے میں خوارج و معتزلہ کا فتنہ پیدا ہو چکا تھا اور بہت سے عقائد باطلہ جنم لے چکے تھے اور بہت لوگ گمراہ ہوتے جا رہے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے ان اولیاء کرام سے کہا جو پہاڑوں میں مجاہدہ اور چلہ کر رہے تھے ان کے پاس پہنچے اور فرمایا:

یا اکلہ الحشیش انتم ہہنا و امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتنہ

اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں عبادت و ریاضت میں لگے ہوئے ہو اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ میں مبتلا ہو رہی ہے۔ یعنی ایسے وقت میں انھوں نے ان کو یہ ذمہ داری یاد دلائی کہ امت محمدیہ کو باطل فرقوں سے بچائیں اور ان کے چنگل سے نجات دلائیں۔ یہ آپ حضرات کی ذمہ داری ہوتی ہے ان لوگوں نے جواب دیا: اے امام اس کے لیے آپ جیسا علم چاہیے، آپ ہی اس کام کو انجام دے سکتے ہیں ہم تو عبادت و ریاضت میں ہی لگے رہیں گے۔ امام ابو اسحاق اسفرائینی واپس آئے اور بد مذہبوں کے رد و ابطال میں کتابیں تصنیف کیں، ان کا یہ ایسا کارنامہ ہے جو عبادت و ریاضت سے بڑھ کر ہے۔ جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر عبادت کر لینا یہ تو آسان کام ہے لیکن لوگوں کے ساتھ رہ کر باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا گویا اپنا سر تلوار کی دھار پر رکھنا ہے۔ ایسا شخص جو فتنوں کا مقابلہ کرتا ہے اُسے بہت سے خطرات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں خلق قرآن کا فتنہ عروج پر تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام اللہ رب العزت کی صفت ہے۔ جس طرح سمع، بصر، ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ کی صفت اس کی ذات کے ساتھ قائم اور ازلی ابدی ہے، مخلوق نہیں ہے، اسی طرح قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ مخلوق نہیں ہے۔ یہ اہل سنت کا موقف تھا۔

جب معتزلہ کا فرقہ پیدا ہوا تو اس نے کہنا شروع کر دیا کہ قرآن مخلوق ہے اور اس نے اپنے چنگل میں حکومت کے بادشاہوں کو بھی پھنسا لیا۔ مامون عباسی بڑا ہی ہونہار تھا، شعر و شاعری، حدیث و فقہ کا عالم تھا لیکن معتزلہ کے اس فتنے میں وہ بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ علمائے دین کے اوپر بن آئی تھی اور بڑا مشکل مسئلہ ہو گیا تھا کہ وہ بادشاہ کی گرفت سے کس طرح سے بچ سکیں گے لیکن امام احمد بن حنبل تھے جو ثابت قدم رہے اور انھوں نے کسی بھی طریقہ سے کوئی مصالحت روانہ رکھی نہ کوئی ایسی بات کہنے کے روادار ہوئے جس میں کوئی تاویل کر کے صحیح مطلب نکل سکتا ہو اور بادشاہ کی خوش دلی بھی ہو سکتی ہو بلکہ انھوں نے صاف صاف کہا القرآن کلام اللہ غیر مخلوق یہاں تک کہ اس سلسلے میں بادشاہ نے ان کو سزا دینے کے لیے طلب کیا مجمع عام میں ان کو کوڑے لگائے جانے تھے اس کے لیے وہ تیار ہو گئے اور جس وقت وہ میدان میں حاضر ہو رہے تھے اس وقت کا ایک واقعہ ہے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بیان کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس واقعہ کو صفة الصفوة میں نقل کیا ہے، میرے والد ماجد (امام احمد) ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اللھم ارحم ابا الھیشم، اللھم اغفر لابى الھیشم، اے اللہ اھیشم پر رحم فرما اے اللہ اھیشم کو بخش دے۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ یہ اھیشم کون ہے جس کے لیے میرے والد دعا کرتے ہیں۔ انھوں نے آپ نے اپنے والد سے پوچھا تو امام احمد

بن حنبل نے فرمایا جس وقت بادشاہ نے مجھے کوڑے مارنے کے لیے بلایا تو اس وقت مالداروں میں سے، فوج کے لوگوں میں سے کوئی نہ تھا جو کھلے طور پر میری حمایت کر سکتا نہ علماء و محدثین میں سے کوئی تھا جو میری حمایت میں آسکتا تو ایسے وقت میں میرا بادشاہ کے مقابل جانا اور میرا کوڑوں کی سزا کھانا یہ بڑا ہی مشکل امر تھا جب میں میدان میں جانے لگا تو مجھے ایک شخص نے آواز دی اے امام ذرا سُن لیجیے، میں اس کے قریب پہنچا تو اس شخص نے یہ کہا آپ مجھ کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا میں ابواھیشم ہوں میری پوری زندگی چوری میں گزر گئی، بڑی بڑی چوریاں کرتا رہا ہوں۔ سر سے لے کر پاؤں تک میرے جسم کا کوئی حصہ نہیں ہے جس کے اوپر میں نے مار نہ کھائی ہو، چوری کا اقبال کرانے کے لیے ہر طرح کی سزا مجھ کو دی گئی ہے۔ لیکن زندگی بھر میں نے کبھی چوری کا اقرار نہ کیا، تو یہ میں نے ناحق کے لیے اپنی دنیا کے لیے اتنی سختی برداشت کی اور اقبال جرم نہیں کیا لیکن آج حق و باطل کا معاملہ ہے اگر آپ نے اہل باطل کے مطابق کہہ دیا کہ قرآن مخلوق ہے تو پھر دنیا جو گمراہ ہوگی تو کبھی راہ پر نہ آئے گی اس لیے اس موقع پر آپ ثابت قدم رہیں اور اہل باطل کے آگے سر نہ جھکائیں، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اس شخص کے یہ کہنے کے بعد میرا دل بہت مضبوط ہو گیا اور میں نے طے کیا کہ میں کبھی بھی خلاف حق کوئی کلمہ نہ کہوں گا اس طرح جب میں میدان میں پہنچا ہوں اس وقت بھی یہی اعلان کیا کہ: القرآن کلامُ اللہ غیرُ مخلوق۔ اس وقت امام احمد بن حنبل نے جو ثابت قدمی دکھائی ہے علماء فرماتے ہیں کہ گویا کسی نبی کے منصب کا کام انجام دیا ہے کہ انبیاء کرام کا یہ منصب ہوا کرتا ہے کہ امت کو گمراہی سے بچائیں اس کو فتنہ کا شکار نہ ہونے دیں جتنی بھی باطل قوتیں ہوتی ہیں انبیاء سب کا مقابلہ کر لیتے ہیں لیکن حق کے خلاف کچھ بھی کہنا گوارا نہیں کرتے، تو امام احمد

بن حنبل نے وہ کام کیا ہے جو انبیائے کرام کیا کرتے تھے یہ عظیم کام ائمہ امت اور علمائے حق کرتے چلے آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں بھی فتنے تھے اور ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان اور اپنے قلم کو حرکت میں رکھا کچھ فتنے وہ تھے جو پہلے سے پیدا ہو چکے تھے جیسے رافضیت ہندوستان میں بہت پہلے آپچی تھی پہلے تو ہندوستان کے اندر سنیت ہی سنیت تھی لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں شیعیت کا بھی فتنہ در آیا، شیعہ کے رد میں شاہ عبدالعزیزی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ لکھی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے بھی شیعہ اور ان کے بہت سے مسائل کے رد میں کتابیں لکھیں۔ کچھ فرقے وہ تھے جو بعد میں پیدا ہوئے انہی فرقوں میں سے وہابی ہے۔ وہابیت کی ابتدا اعلیٰ حضرت کے زمانے میں نہیں ہوئی تھی ان کے والد ماجد کے زمانہ میں بھی نہیں ہوئی تھی ان کے دادا کے زمانہ میں جن کی ولادت ۱۲۲۳ھ میں ہے اس وقت ہندوستان میں وہابیت کی ابتدا ہوئی اسی وقت اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی ہے اور تقویۃ الایمان کے اندر اللہ کی عطا سے بھی رسول کے لیے علم غیب کا انکار کیا، تصرف و اختیار کا انکار کیا اور یہ لکھا کہ رسول کے لیے اختیار ماننا علم غیب ماننا یہ شرک ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ولادت سے بھی بہت پہلے ۱۲۳۹ھ میں تقویۃ الایمان لکھی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی، ان سے بہت پہلے یہ مذہب ہندوستان کے اندر وجود میں آچکا تھا اور یہ بات نہیں کہ اس زمانے کے علما نے خاموشی برتی بلکہ اس زمانے میں خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جو تلامذہ تھے شاہ مخصوص اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، شاہ محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سبھی کا سلسلہ تلمذ شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے وابستہ تھا۔ انھوں نے زبانی طور پر بھی دہلی کی جامع مسجد میں اسماعیل دہلوی سے مباحثہ کیا اور اس کی کتاب تقویۃ

الایمان کا رد بھی لکھا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ نام کی کتاب لکھی اور اس زمانے کے تمام مشہور علمائے کرام نے تصدیق کی، خود شاہ مخصوص اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے معید الایمان فی رد تقویۃ الایمان لکھی، یہ بات بتانا ضروری ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ وہابیت اعلیٰ حضرت کے زمانے سے پیدا ہوئی بلکہ وہابیت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب تقویۃ الایمان منظر عام پر آئی۔ اس کے رد میں تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ علامہ فضل حق خیر آبادی کے قلم سے منظر عام پر آئی ہے اس کے بعد معید الایمان فی رد تقویۃ الایمان یہ بھی منظر عام پر آئی اور ہر طرف اس کا رد کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت سے پہلے علمائے کرام اس کا رد کرتے چلے آ رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے کوئی نیا مذہب اختیار نہیں کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ خدا کی عطا سے رسول کے لیے اختیار ماننا، رسول کے لیے علم غیب ماننا یہ کوئی نئی چیز ہے جس کی ابتدا خاص بریلی سے ہوئی ہو بلکہ پہلے کے بزرگان دین کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے، کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں شاہ ولی اللہ سے سب اپنا رشتہ جوڑتے ہیں اور شاہ ولی اللہ کو سند کی حیثیت سے مانتے ہیں چاہے وہ مقلد ہو یا غیر مقلد ہوں لیکن شاہ ولی اللہ کا مسلک وہی تھا جو امام احمد رضا قدس سرہ کا تھا اور ان کے والد اور ان کے دادا کا اور ان کے معاصرین علمائے اہل سنت کا تھا۔ یہ سب اولیاء کے تصرف و اختیار اور انبیا کے لیے علم غیب کے قائل تھے، اس کی تصریحات تو اتنی زیادہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہما رحمہ کی کتابوں میں موجود ہیں کہ ان کے مذہب پر وہابیہ کبھی بھی اپنے کو ثابت نہیں کر سکتے کیوں کہ ان حضرات نے ہمیشہ انبیائے کرام اولیائے کرام کی تعظیم و اختیار کو بیان کیا ہے۔ اس کے اوپر قائم رہے ہیں عرس کرنا، فاتحہ کرنا، میلاد کرنا یہ ساری چیزیں ان حضرات سے ثابت ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جو

مذہب تھا وہی مذہب تھا جو پہلے سے چلا آ رہا تھا۔

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ان سے بہت پہلے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کی۔ ہندوستان کا کوئی سلسلہ ایسا نہیں ہے جو علم حدیث میں شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا خوشہ چیں نہ ہو۔ ان کی ولادت ۹۵۸ھ میں اور وفات ۱۰۵۲ھ میں ہے۔ ان کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے مدارج النبویہ ہو یا اشعۃ اللمعات ہو یا اور دوسری کتابیں ہوں ان میں انبیاء کرام کے لیے اللہ کی عطا سے علم غیب کا ذکر موجود ہے۔ اشعۃ اللمعات میں امام غزالی سے انہوں نے نقل کیا ہے من یستمد بہ فی حیاتہ یستمد بہ بعد وفاتہ جس کی زندگی میں اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے بعد وصال بھی اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ جو الزام ہے کہ بریلویت ایک نیا فرقہ ہے جس کی ابتدا مولانا احمد رضا خان کے وجود سے ہوئی ہے اور بریلی اس کا مصدر و منبع ہے بالکل باطل اور غلط ہے۔ اعلیٰ حضرت کا جو مذہب ہے کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب اور تصرف و اختیار حاصل ہے انبیاء کرام کے توسل سے اولیاء کرام کو علم غیب حاصل ہے یہ مسلک وہ ہے جو چودہ سو سال سے امت مسلمہ کا رہا ہے اور سبھی اس کے قائل رہے ہیں ہرگز کوئی نیا مسلک قائم نہیں کیا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ کچھ نئی بدعتیں اور کچھ نئے فتنے ان کے زمانے میں پیدا ہوئے جیسے ختم نبوت کا صراحتاً انکار یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو خاتمیت محمدی میں فرق نہیں آئے گا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ کہ میں نبی ہو۔ ان سب کا اعلیٰ حضرت نے رد کیا۔ یہ دیوبند کا بانی جن کو کہا جاتا ہے مولانا قاسم نانوتوی انہوں نے تحذیر الناس میں لکھا کہ ہمارے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ تمام امت مسلمہ

اس بات کو مانتی آئی ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن نہیں ہے۔ یہ امت کا اجماعی عقیدہ ضروریاتِ دین سے ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی نے اس کا انکار کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نئے نبی کا آنا ممکن کہا اور خاتم النبیین کا یہ معنی بتایا کہ نبوت جس کی بالذات ہو اور بعد والے کی نبوت بالعرض ہو یہ معنی کسی نے بھی بیان نہیں کیا، خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کا انھوں نے انکار کیا، تو آخری نبی کا معنی جو ضروریاتِ دین سے تھا، حضور ﷺ صحابہ کرام اور علمائے امت سے ثابت تھا اس کا انھوں نے انکار کیا، حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہ ایک اجماعی مسئلہ تھا، اس کا انھوں نے انکار کیا۔ اس کی وجہ سے ان کی تکفیر ہوئی۔

اسی طرح مولوی خلیل احمد ٹیٹھوی نے اپنی کتاب میں لکھا اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس کی تائید کی کہ شیطان کا علم حضور کے علم سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ حفظ الایمان میں لکھا گیا ہے کہ حضور ﷺ کو علم غیب حاصل ہونے کا کیا مطلب کل یا بعض؟ کل تو عقلاً باطل ہے، بعض اگر ہے تو ایسا علم تو سب کو حاصل ہے یہاں تک کہ سور، کتا تمام حیوانات و بہائم کو حاصل ہے اس میں حضور ﷺ کے علم کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ اس توہین کی بنا پر امام احمد رضا نے ان کی تکفیر کی۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ صرف اعلیٰ حضرت نے کی ہے بلکہ اعلیٰ حضرت کی تائید میں علمائے حریمین نے بھی کی ہے اور ہندو سندھ کے دوسواڑسٹھ علمائے کرام نے اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں نئے فتنے وجود میں آئے ہیں نئی عبارتیں سامنے آئی ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے کوئی نیا مسلک ایجاد کیا ہے بلکہ آپ پوری امت کا جائزہ لے لیں اور خود ہندوستان میں جو علمائے کرام ہیں حضرت شیخ علی متقی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کر حضرت شاہ عبدالعزیز



محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ تک سب کے سب اسی مسلک کے قائل رہے ہیں جس کی ترویج و اشاعت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے کی ہے اور ان سے پہلے علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے ان موضوعات پر کافی کتابیں لکھی ہیں اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے انہیں مسائل کو اپنی کتابوں میں دلائل سے ثابت کیا پھر نئے فتنوں نے جنم لیا ہے تو نئے فتنوں کا رد کیا ہے اور یہ ایک عالم کا فریضہ اور اس کی ذمہ داری ہے کہ حرام و حلال، جائز و ناجائز سے لوگوں کو واقف کرائے تاکہ ان کے اعمال درست ہوں۔ اس سے پہلے اس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ حق و باطل کو ان کے اوپر واضح کرے کفر و اسلام کے بارے میں ان کو سمجھائے، عقائد حقہ صحیحہ سے ان کو روشناس کرائے۔ یہ عالم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس ذمہ داری کو مکمل کیا اس کی بنیاد پر انھوں نے امت مسلمہ کی حفاظت و صیانت کی ہے۔ جن علمائے کھل کراحقاق حق اور ابطال باطل کیا ہے ان کو ہمیشہ سب و شتم کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ انہیں مشکلات کا اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس طرح کی مصیبتیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے بھی آئی ہیں۔

بہت سے گالی نامے ان کو لکھے گئے اور طعن و تشنیع کی گئی اور طرح طرح کی باتیں اعلیٰ حضرت کے بارے میں پھیلانی گئیں کہ یہ تو خدا و رسول کا علم برابر کر رہے ہیں، یہ تو تمام لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں، اسی طریقے سے کھلی ہوئی، گڑھی ہوئی باتیں ان کے بارے میں کی گئیں۔ تاکہ لوگ کسی طرح ان سے دور اور بیزار ہوں۔ دلائل کا جواب جب دلائل سے نہیں ہوتا ہے تو جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے اور اس طرح سے بد نام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن کوئی آج تک یہ ثابت نہ کر سکا کہ اعلیٰ حضرت نے کوئی نیامذہب ایجاد کیا ہے یا ان کا مذہب شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے الگ تھا اور نئے مذہب کو انھوں نے عروج بخشا ہے۔

آج تک کوئی ثابت نہ کر سکا اور ہم کو بھی یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اپنے دلائل سے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کریں کہ ہمارا مذہب وہی ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: **ما انا عليه وأصحابي** جس کے اوپر کہ میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ اسی مذہب کو امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی کتابوں سے اپنے دلائل سے قوت بخشی ہے اور یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے جس کی وجہ سے پوری دنیاے سنیت ان کا نام لیتی ہے۔ آج عرس منانے والے، فاتحہ نیاز کرنے والے بہت ہیں لیکن اولیائے کرام سے رشتہ مضبوط کرنے پر دلائل کس نے قائم کیے ہیں ان کے تصرفات و اختیار کے اوپر دلائل کس نے قائم کیے ہیں، مخالفین کا مقابلہ کس نے کیا ہے وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات ہے، ورنہ بہت سے لوگ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لڑنا جھگڑنا، ہمارا کام نہیں ہے۔ آپ کے آبا و اجداد کو گالیاں دی جا رہی ہیں آپ جن کا عرس منارہے ہیں ان کو کہا جا رہا ہے کہ مٹی کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے تو پھر عرس منانے کی کیا ضرورت ہے۔ عرس ختم کیجیے اور آرام سے بیٹھیے، اعلیٰ حضرت نے راحت و آرام کو دور رکھ کر حق کا احقاق کیا ہے جیسے امام ابو اسحق اسفرائینی نے اپنے زمانے میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنے زمانے میں اور دیگر ائمہ امت نے اپنے اپنے زمانے میں احقاق حق اور ابطال باطل کی خدمات انجام دی تھیں، وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے زمانے میں انجام دی ہیں۔ لوگوں کے دین و ایمان کی حفاظت و صیانت کی ہے اسی وجہ سے احسان شناس دنیا مجبور ہے کہ ان کی اس خدمت کا ذکر کرے اور ان کی یاد منائے کہ انھوں نے علمی اور عملی میدان میں ہماری رہنمائی کی ہے، سب سے بڑی ان کی رہنمائی عقیدہ و ایمان کے تعلق سے ہے اسی وجہ سے ہم ان کی یاد مناتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو

توفیق خیر سے نوازے اور حق کے اوپر استقامت عطا فرمائے۔  
 اب چند باتیں خاص طلبہ سے متعلق ہیں: طلبہ کو بہر حال اپنے وقت کو  
 مصرف میں لانا چاہیے اور تحقیق کی رو سے جو صحیح باتیں ہوتی ہیں ان کو حاصل  
 کرنا چاہیے۔ صبح و شام مدرسے میں گزارنے سے کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے اگر آپ  
 علمی و تحقیقی جستجو نہ کریں پھر علم کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے۔ علم کے ساتھ  
 اگر عمل ہوتا ہے تو وہی علم کارآمد ہوتا ہے اور علم پر عمل کے وسیلے سے بہت  
 سارا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے من عمل بما علم  
 اورثہ اللہ علم ما لم یعلم اور ایک روایت میں یہ بھی ہے: واجری علی  
 لسانہ ینابیع الحکم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان  
 باتوں کا علم عطا فرمادیتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا تھا اور اس کی زبان پر حکمتوں کے  
 چشمے جاری کر دیتا ہے۔

آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق عمل کریں، اعلیٰ حضرت قدس  
 سرہ نے مرض کے ایام میں بھی نماز باجماعت کی پابندی کی ہے اور اس زمانے  
 میں جبکہ ان کے لیے روزہ نہ رکھنا فدیہ دینا جائز تھا، تو انھوں نے پہاڑ پر جا کر روزہ  
 رکھا ہے اور روزہ نہ قضا کیا نہ فدیہ دیا بلکہ روزہ ادا کیا ہے۔ آج آپ ان کا یوم منار ہے  
 ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی طرح عمل کے بھی  
 پابند ہوں کم از کم فرائض و واجبات وقت پر ضرور ادا کریں اور ان سے غفلت  
 ہرگز روانہ رکھیں۔ صرف ذخیرہ علم جمع کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے مطابق  
 عمل بھی ہونا چاہیے پھر اس علم و عمل کو دوسرے تک پہنچانا بھی ضروری ہے،  
 جس دین و مذہب کو آپ نے حاصل کیا ہے یہ آپ تک ایسے ہی نہیں پہنچ  
 گیا ہے اگرچہ آج تو یہی ہے کہ آدمی مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہے اس لیے  
 مسلمان ہے لیکن ان مسلمانوں کے آباؤ اجداد پر وہ زمانہ بھی گزرا ہے جب وہ

دوسرے مذہب پر تھے اور اولیائے کرام اور علمائے حق نے ان کو دین حق کی راہ دکھائی ہے پھر انھوں نے کلمہ اسلام پڑھا ہے اور اسلام سے وابستہ ہوئے ہیں۔ اگر علمائے حق نے اسلام کو اپنے تک محدود رکھا ہوتا تو آج ہمارے گھروں میں اسلام نہ ہوتا جو بھی انھوں نے حاصل کیا انھوں نے دوسروں تک پہنچایا تو آپ کا بھی فریضہ ہے کہ جو دین آپ نے حاصل کیا ہے اور جو علم و عمل حاصل کیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور عمل خیر کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہوتی ہے صرف اپنی حد تک علم و عمل اور عقیدے کے اوپر قائم رہ گئے تو یہ کوئی بڑا کام نہیں ہوا۔ ایک عامی کے لیے تو یہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن ایک عالم کی ذمہ داری اس سے آگے ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مقدس نے فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ<sup>(۱)</sup>

”اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بُری سے منع کریں اور یہی لوگ مُراد کو پہنچے۔“

علمائے ذمہ داری ہوتی ہے کہ حق کی آواز کو، علم کو، عمل کو دوسروں تک پہنچائیں جب خود وہ پختہ اعتقاد، پختہ علم، پختہ عمل کے حامل ہوں گے تبھی دوسروں کو راہ دکھا سکتے ہیں۔ ایک طالب علم کو عالم بنانا ہے تو اسے اپنی ذمہ داری کو انجام دینے کی ابھی سے تیاری کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(۱) آل عمران، آیت ۱۰۴

## خطبہٴ صدارت بحر العلوم فرنگی محلی سیمینار

منعقدہ: پیراکنگ، ضلع کُشی نگر، یوپی

بتاریخ: ۳ جمادی الاولیٰ، ۱۴۳۸ھ / یکم فروری ۲۰۱۷ء، چہار شنبہ

از: مولانا محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ————— حامداً ومصلياً و مسلماً

خانوادہ فرنگی محل غیر منقسم ہندوستان کا وہ علمی مرکز ہے جس کا فیضان پورے ملک پر ضیا بار رہا ہے اور دیگر ممالک کے افراد بھی اس سے اکتساب نور کرتے آئے ہیں۔ اپنے طرز تدریس، انداز تحقیق اور پر مغز تصانیف سے اس خانوادے نے پوری علمی دنیا کو متاثر کیا ہے۔

اسی خانوادے کے ایک فرد فرید، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، مجمع شریعت و طریقت، بحر العلوم علامہ عبدالعلی محمد (۱۱۴۲ھ - ۱۲۲۵ھ) ابن علامہ نظام الدین محمد (۱۰۸۹ھ - ۱۱۶۱ھ) علیہما الرحمہ ہیں، جن کی درس گاہ علم سے بڑے بڑے فضلاء روزگار پیدا ہوئے اور جن کے قلمی فیضان سے ایک عالم سیراب ہوا۔

اسی ذات گرامی کی نسبت سے آج ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق یکم فروری ۲۰۱۷ء چہار شنبہ کو ”پیراکنگ“ کی سرزمین پر یہ سیمینار منعقد ہو رہا ہے، جس کا اہتمام مشرقی یوپی کی ایک سعادت مند خانقاہ (خانقاہ ایوبیہ، پیراکنگ، ضلع کُشی نگر) نے کیا ہے، ان شاء اللہ الرحمن اس سیمینار کی علمی و تحقیقی نگارشات مستقبل قریب میں اشاعت پذیر ہو کر شائقین کی ضیافتِ فکر و نظر کا سامان بنیں گی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ”الاجازات المتینۃ لعلماء

بکۃ والمدینۃ“ (۱۳۲۴ھ) میں حضرت بحر العلوم تک اپنا سلسلہ اس طرح بیان کیا ہے:

۱- مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی ۲- مولانا رضا علی خاں بریلوی ۳- مولانا خلیل الرحمن محمد آبادی ۴- مولانا محمد اعلم سندیلوی ۵- ملک العلماء بحر العلوم ابو العیاش عبدالعلی محمد لکھنوی علیہم الرحمہ۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پیرومرشد، خاتم الاکابر، مولانا شاہ سید آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ اور علامہ فضل رسول بدایونی علیہما الرحمہ کا سلسلہ تلمذ صرف ایک واسطے سے حضرت بحر العلوم تک پہنچتا ہے۔ ان دونوں حضرات کو مولانا نورالحق فرنگی محلی سے تلمذ تھا، اور مولانا نورالحق اور ان کے والد ماجد مولانا انوارالحق علیہما الرحمہ حضرت بحر العلوم کے شاگرد تھے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کا سلسلہ بھی بحر العلوم سے اس طرح وابستہ ہے:

۱- مولانا فضل امام خیر آبادی، والد ماجد علامہ فضل حق خیر آبادی ۲- مولانا عبدالواجد خیر آبادی ۳- مولانا محمد اعلم سندیلوی ۴- بحر العلوم فرنگی محلی، علیہم الرحمہ اس طرح ہم شاگردانِ حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کا سلسلہ بریلی، مارہرہ اور خیر آباد تینوں وسیلوں سے بحر العلوم تک پہنچتا ہے۔ حافظ ملت کے استاذ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَيْهِ السَّلَامُ اعلیٰ حضرت سے براہ راست اور علامہ فضل حق خیر آبادی سے اپنے استاذ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری عَلَيْهِ السَّلَامُ کے واسطے سے منسلک ہیں۔ اور خاتم الاکابر قدس سرہ سے بواسطہ اعلیٰ حضرت وابستہ ہیں۔

ابھی سلسلوں کی مزید تفصیل کی گنجائش باقی ہے مگر میں بروقت اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ بحر العلوم کی سندوں کا ذکر ان شاء اللہ آخر میں کروں گا۔

بحر العلوم اور ان کا پورا خاندان اسی مسلک فکر و اعتقاد سے وابستہ تھا جسے

اہل سنت وجماعت کے باعظمت نشان سے پہچانا جاتا ہے۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ السلام نے جہاں سرزمین ہند کو حدیث رسول کی برکتوں سے سیراب کیا ہے وہیں اپنی تصانیف میں عقائد اہل سنت کو بھی شرح و بسط کے ساتھ برملا بیان کیا ہے۔ خانوادہ فرنگی محل کا علمی سلسلہ جہاں برکت الہند حضرت شیخ محقق سے ملتا ہے وہیں ان کے اعتقاد کا برملا اظہار بھی حضرت بحر العلوم کے قلم سے تابندہ نظر آتا ہے۔

میں یہاں صرف ایک اقتباس درج کرنا چاہتا ہوں، وہ بھی ایسی کتاب سے جو نہ عقائد و کلام میں ہے، نہ فضائل و مناقب میں، نہ فقہ و احکام میں، بلکہ فن منطق کے معروف رسالہ ”قطبیہ“ پر میرزا زاہد ہروی کے حواشی کے تحشیہ میں ہے۔ حضرت بحر العلوم خطبہ میں حمد باری، توحید، تنزیہ، انعام اور ارسالِ رسل کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واصطفی من بینہم من بعثہ نبیا و آدم بین الروح والجسد\*  
 وأرسلہ رسولاً إلی الثقلین فلم یکن من آدم ومن دونہ إلا تحت لوائہ  
 یوم یحضر ون للصمد\* وعلمہ علوما بعضہا ما احتوی علیہ القلم  
 الأعلى، وما استطاع علی إحاطتہا اللوح الأوفی، لم یلد أم الدھر مثله  
 من الأزل، ولا یلد إلی الأبد\* فلیس له من فی السموات والأرض  
 کفوا أحد\* سید الأولین والآخرین، حبیب إله العالمین، هو الذی  
 للمرسلین إمام، وللأنبیاء ختام، صاحب الحوض والمقام المحمود،  
 هو کاسمہ محمد ومحمود\*

اللهم صلّ علیہ أفضل الصلوات\* وسلّم علیہ اعظم  
 التسلیات\* ما دام اللوح محفوظاً فیہ التصورات والتصدیقات\*  
 وعلى آله الذین فازوا المقام العظیم\* بیمن اتباع سنتہ وشرعہ

العمیم\* وعلی أصحابہ الذین ہم نجوم الاہتداء\* لم یرتض الرب المنان إلا عمّن أخذ طریققتہم بالاہتداء\* و بذلوا مہجہم لإعلاء کلمۃ اللہ الغراء\* ونشر الشریعۃ الخنیفیۃ السہلۃ البیضاء\* لاسیما علی الخلفاء الراشدین، وأئمة الحق المبین، جُلّ سعیتہم فی قمع بنیان الجور والطغیان\* وإقامۃ جُدران العدل والإحسان\* فأض بجہدہم ریاض الدین زاہرۃ\* وأنوار الإسلام ظاہرۃ\* فنالوا منزلۃ عظمی ومکانۃ علیا من منازل العرفان\* لم ینلہا أحد من أولیاء هذه الأمة، والأمم الماضیۃ فی سالف الزمان\* وحازوا مقامۃ رفعی عند الرب الرحیم الرحمن\* وأفاضوا أسرار العلوم علی أسرار العرفاء ذوی الایقان\*

اللہم أنزل علیہم الرضوان\* وبوّءہم مع الأنبیاء فی الجنان\* وعلی أهل بیتہ الذین شمروا الذیل لاقتباس أنوار الاہتداء تشمیرا\* وأراد اللہ لیذهب عنہم الرجس ویطہرہم تطہیرا\* وعلی من خصّہ خالق السموات والأرضین بالمرتبۃ الکبریٰ فی مشاہدۃ الإلہ، ذلک الغوث الأعظم قطب الاقطاب الذی انطقہ الحق بأن قدمی علی رقاب کل ولی اللہ، محی الملتۃ والذین، علیہ الرضوان إلى یوم الدین، وعلی جمیع أولیاء اللہ الکرام، ذوی البر والتقوی العظام\* اللہم ارض عنہم وبوّءنی فی جوارہم\*<sup>(۱)</sup> اس اقتباس سے عقیدے اور عقیدت کی چند باتیں واضح طور پر دریافت ہوتی ہیں:

(۱) حاشیہ بحر العلوم بر حواشی زاہدیہ، ص: ۲، مطبع علوی لکھنؤ، طبع جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ مطابق جون ۱۸۷۶ء



۱- ہمارے رسول ﷺ رسولوں کے درمیان، خدا کے برگزیدہ اور منتخب ہیں۔  
 ۲- انھیں نبوت اس وقت حاصل ہوئی، جب ابوالبشر حضرت آدم ﷺ جسم و جان کی درمیانی منزل میں تھے۔

۳- سرکار تمام جن و انس کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے، روز قیامت سیدنا آدم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام سرکار کے جھنڈے تلے ہوں گے۔  
 ۴- لوح محفوظ میں ماکان و مایکون کا علم ثبت ہے اور حضور کو ان کے رب نے وہ علوم عطا فرمائے، جن کا ایک حصہ وہ علم ماکان و مایکون ہے جو قلم اعلیٰ سے لوح آوئی میں درج ہوا۔

اسی کو امام بوصیری نے ”قصیدہ بردہ“ میں ذکر کیا ہے اور شیخ محقق نے اسے ”اشعۃ اللمعات“ میں نقل کیا ہے:

فمن جودك الدنيا وضرتها

ومن علومك علم اللوح والقلم

سرکار کے لیے علم ماکان و مایکون اور اس سے زیادہ علوم کا حصول حضرت بجز العلوم اور ان کے اسلاف کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک ایک مسلمہ عقیدہ ہے، جس سے انحراف ہندستان میں وہابیت کے قدم آنے کے بعد رونما ہوا۔

۵- رسول اللہ ﷺ کا شیل و نظیر نہ ماضی میں پیدا ہوا، نہ مستقبل میں کبھی ہوگا، خلق خدا میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔

۶- وہ اولین و آخرین کے سردار، رب العالمین کے محبوب، رسولوں کے امام، انبیاء کے خاتم، حوض کوثر اور مقام محمود والے، محمد اور محمود ہیں۔  
 ۷- سرکار کی آل پاک، ان کی سنت و طریقت کی پے روی کے باعث مقام عظیم پر فائز ہے۔

۸- سرکار کے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں۔ رب جلیل کی رضا و خوش

نودی صرف انھیں لوگوں کے لیے ہے، جو راہِ صحابہ کی اقتدا کریں۔  
 ۹- صحابہ نے دینِ حق کی سربلندی اور شریعتِ حقہ کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی جائیں قربان کیں۔

۱۰- ان میں خلفائے راشدین کو خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے، وہ دینِ حق کے امام و پیشوا ہیں، ان کی تمام تر مساعی اس راہ میں تھیں کہ ظلم و طغیان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں اور عدل و احسان کی دیواریں سر بلند کریں، انھیں کی کوششوں سے دین کے گلشن تابناک اور اسلام کے انوار جلوہ فشاں ہوئے۔  
 ۱۱- انھیں عرفان کی وہ بلند منزل اور معرفت کا وہ اعلیٰ مقام حاصل تھا، جو نہ اس امت کے اولیا میں سے کسی کو حاصل ہوا، نہ سابقہ امتوں میں سے کسی ولی کو ملا۔ رب جلیل کے یہاں ان کا درجہ نہایت بلند ہے۔

۱۲- انھوں نے اپنی معرفت کے اسرار سے سربرآوردہ اہل یقین و عرفان کو سرفراز کیا اور ان کے علم ظاہر کی طرح ان کا علم باطن بھی عارفین امت میں فیض بخش ہوا۔

۱۳- صحابہ و اہل بیت رضوانِ الہی اور جنت میں انبیا علیہم السلام کی رفاقت کے قابل ہیں۔

۱۴- اہل بیت کرام سرکار کے نور ہدایت سے اقتباس، اور رب کی تطہیرِ کامل سے امتیاز کے حامل ہیں۔

۱۵- اہل بیت کے ایک فردِ عظیم سرکارِ غوثِ اعظم، قطب الاقطاب مشاہدہ الہی کے مرتبہ کبریٰ سے اختصاص یافتہ ہیں۔

۱۶- انھوں نے ”قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ“ (میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے) از خود نہ کہا، بلکہ امر الہی کے تحت کہا۔ وہ دین و ملت کو حیات بخشنے والے ہیں۔

۱۷- وہ عظیم المرتبت قطب الاقطاب اور تمام اولیاء اللہ رضوان الہی کے قابل ہیں۔

۱۸- تمام اولیا عظمت و کرامت، برّ و تقویٰ کے حامل ہیں۔

۱۹- جملہ اولیا کے لیے رب کی خوشنودی اور اپنے لیے ان کے جوار میں اقامت و قرار مطلوب ہے۔

اس خلاصے کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ حضرت بحر العلوم کا عقیدہ رسول کائنات ﷺ کے علوم و کمالات اور فضائل و خصائص سے متعلق کیا تھا، اہل بیت، خلفائے راشدین اور جملہ صحابہ کرام کے بارے میں ان کا عادلانہ و عارفانہ نظریہ کیا تھا، بارگاہِ غوثِ اعظم اور بارگاہِ اولیائے کرام میں ان کی عقیدت کا آبشار کس قدر صاف و شفاف تھا۔ اور آج ان کے سلسلہ تلمذ سے انتساب کا دعویٰ رکھنے والے کتنے لوگ ان کی سیدھی اور صاف و شفاف راہ سے یک سر منحرف ہو چکے ہیں۔

بحر العلوم صرف معقولات و منقولات کے شناور نہ تھے بلکہ جامِ طریقت و معرفت سے بھی سرشار تھے۔ اس سے متعلق آخر میں ایک واقعہ بھی پیش کروں گا جو ان شاء اللہ ان کے کمالِ معرفت اور بلندیِ طریقت کی تصدیق کے لیے کافی ہوگا۔

ان کی ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی اقران و اخلاف میں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مجھے امید ہے کہ سیمینار کے اہل قلم کی تحریروں میں اس کے بہت سے شواہد بھی ملیں گے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین" (۱۳۱۳ھ) میں اس کا اظہار کیا ہے۔ اور تین ایسے نکات کا ذکر فرمایا ہے جو کتبِ قدما میں نہ تھے اور قلبِ امام احمد رضا پر فائز ہوئے۔ پھر بتایا کہ بعد میں بحر العلوم کے رسالہ ارکانِ اربعہ/رسائل الارکان کا مطالعہ

کیا تو دیکھا کہ انھوں نے بہت مختصر الفاظ میں ان نکات کو بیان کر دیا ہے۔ ان نکات کی توضیح و تفصیل کروں تو کئی صفحات درکار ہوں گے، اس لیے قلم انداز کرتا ہوں، مذکورہ رسالہ فتاویٰ رضویہ کتاب الصلاة، بیان اوقات میں مندرج ہے، اس کی فصل چہام میں اہل نظر تفصیلاً ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

کتاب "رسائل الارکان" ارکان اربعہ (صلاۃ، صوم، زکاۃ، حج) کے بیان میں لکھی گئی ہے اس میں مسائل کے ساتھ دلائل، اختلاف مذاہب، فقہ وحدیث کی رُو سے مذہب حنفی کی تائید وتقویت بہت اعلیٰ پیمانے پر نہایت اختصار کے ساتھ مرقوم ہے۔ اسے دیکھنے کے بعد عماد الاسلام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف کو جو خط لکھا ہے اس میں انھیں "بحرالعلوم" کے خطاب سے یاد کیا ہے، پہلے شاہ صاحب کا خیال یہ تھا کہ فرنگی محل والے صرف معقولات میں کمال رکھتے ہیں۔ اس کتاب کو دیکھنے کے بعد معقول و منقول دونوں میں علما سے فرنگی محل کی مہارت کے معترف ہو گئے اور شاہ صاحب کا دیا ہوا خطاب "بحرالعلوم" اتنا معروف و مشہور ہوا کہ دیگر خطابات "ملک العلماء" وغیرہ پر غالب آگیا، بلکہ ان کے علم (عبدالعلی محمد) سے بھی زیادہ رائج و متداول ہو گیا۔

بحرالعلوم کے دور میں سرزمین ہند نے غیر مقلدیت کا چہرہ نہ دیکھا تھا، البتہ جمع بین الصلاہین میں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے، اس لیے رسائل الارکان میں اس بحث کو بحرالعلوم نے چھیڑا ہے اور صرف دو صفحات (مزید ۳۳ سطور) میں دلائل فریقین کا ذکر کرتے ہوئے سیر حاصل اور وافی و شافی کلام کیا ہے جو آج غیر مقلدین کے جواب کے لیے بھی کافی ہے۔ ملاحظہ ہو رسائل الارکان ص: ۱۴۶ تا ۱۴۸ مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبع علوی لکھنؤ۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں غیر مقلدین کے امام میاں جی نذیر

حسین دہلوی نے معیار الحق میں حضرات شافعیہ کی تقلید اور ان سے اخذ و استناد کرتے ہوئے ”ثبوت جمع“ کے لیے بڑے بڑے لمبے دعوے کیے اور بہت سی مذہبی حرکتیں بھی کیں، ان سب کا کماحقہ محاسبہ ”حاجز الجہین“ کا خاص حصہ ہے جو امام احمد رضا کی مہارت فقہ و مناظرہ کے ساتھ مہارت حدیث کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔ راقم نے اس کی ایک تلخیص بھی کی ہے جو ”مخالفین تقلید کا ایک جائزہ“ (۱۴۳۳ھ) نامی مجموعے میں طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

میں نے شروع میں بحر العلوم تک امام احمد رضا، خاتم الاکابر مارہروی، علامہ فضل رسول بدایونی اور علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہم اللہ تعالیٰ کی سندوں کا ذکر کیا ہے۔ اب بحر العلوم سے آگے کی سندوں کا کچھ تذکرہ مقصود ہے۔

اس سلسلے میں مفتی محمد عتیق فرنگی محلی کی ایک مستقل کتاب ہے ”الدر المنظوم، فی أسانید العلامة بحر العلوم“ اس کا اختتام ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ کو ہوا، مگر بہت سی دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی اشاعت سے اب تک محروم ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مولانا حبیب الحلیم فرنگی محلی کے پاس تھا، ان کے یہاں سے زیر اس کا پی شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر شعبہ افتا و ناظم تعلیمات الجامعة الاشرفیہ مبارک پور نے منگائی اور اس کا ایک عکس مجھے بھی عنایت فرمایا۔

مؤلف کتاب نے اسانید بحر العلوم کے ضبط و جمع کی تحریک اور تقاضا کرنے والوں کے تحت حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن قادری عباسی تلمیذ صدر اشرفیہ علیہا الرحمہ کا ذکر خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ کیا ہے، الفاظ یہ ہیں:

"فأكتب علي بعض الأفاضل الخلان سيما حبیبی ولسببى، مجمع

الفضائل، منبع الفواضل، ذوالمجد الباذخ، والکرم الشامخ، والطود  
الراسخ مولانا حبیب الرحمن، ادامہ بالفضل والامتنان، الدهام  
نگری البالیسری بأن أجمع له ثبته وأضبط درر أسانیده فی سلك  
الترصیف"

ان الفاظ والقاب سے اہل علم کی نظر میں مجاہد ملت کے منصب و مقام  
کی عظمت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، اسی طرح ان کی علم دوستی خصوصاً اسانید  
سے شغف اور بحر العلوم سے عقیدت بھی نمایاں ہے۔

ضرورت ہے کہ باضابطہ تحقیق و تزئین کے ساتھ ”الدر المنظوم“ کی  
طباعت و اشاعت عمل میں لائی جائے، مولانا تعالیٰ کسی فاضل محقق کو یہ توفیق  
جمیل ارزاں فرمائے۔ چونکہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اس لیے مناسب تھا کہ اس  
کا پورا خلاصہ پیش کر دیا جائے مگر قلت وقت کے باعث یہ کام بھی کسی فاضل  
باتوفیق کے لیے چھوڑتا ہوں اور یہاں محض اجمالی تعارف و تبصرہ پر اکتفا کرتا  
ہوں۔ یہ بھی صرف اس لیے کہ جہاں تک مجھے علم ہے اس سیمینار کے کسی  
صاحب قلم کو یہ موضوع سپرد نہیں ہوا ہے۔

”الدر المنظوم“ میں پہلے بحر العلوم کا سلسلہ تلمذ لکھا ہے جو اس  
طرح ہے:

(۱) بحر العلوم مولانا عبدالعلی محمد (۲) استاذ الہند مولانا نظام الدین محمد (۳)  
قطب الدین شہید، سہالوی و تلامیذ قطب العلماء، مولانا قطب الدین شمس  
آبادی، مولانا امان اللہ بنارس، مولانا غلام نقش بند لکھنوی (۴) مولانا عبدالحمید،  
والد قطب شہید (۵) مولانا عبدالکریم، جد قطب شہید (۶) مولانا حافظ الدین محمد  
انصاری (۷) شیخ الاسلام خواجہ ابواسمعیل، عبداللہ انصاری ہروی علیہم الرحمۃ۔  
اس کے علاوہ قطب شہید کی متعدد سندیں درج کی ہیں، جن میں کوئی

سند علامہ سعد الدین تفتازانی تک، کوئی سید شریف جرجانی تک، کوئی اکمل الدین بابر تکی تک پہنچتی ہے۔

کئی سندیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے توسط سے سید شریف جرجانی، شمس الدین جزری، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تک پہنچتی ہیں۔ ان بزرگوں کی اگلی سندیں علوم و فنون اور کتابوں کی سندوں کے تحت مذکور ہیں۔

علوم و فنون کے تحت درج ذیل علوم اور ان کی سندوں کا ذکر ہے:

۱- علوم عقلیہ ۲- نحو و صرف ۳- علم معانی ۴- علم لغت ۵- علم ادب ۶- فقہ حنفی ۷- علم کلام، ماتریدی ۸- علم کلام، اشعری ۹- اصول فقہ ۱۰- اصول حدیث ۱۱- اسماء الرجال ۱۲- جرح و تعدیل ۱۳- طبقات و تاریخ ۱۴- سیرت نبوی ۱۵- تصوف ۱۶- تفسیر ۱۷- حدیث

کتابوں کے تحت علوم آلیہ میں:

۱- کافیہ ۲- شافیہ ۳- دلائل الاعجاز ۴- تلخیص المفتاح ۵- صحاح جوہری ۶- مقامات حریری کی سندیں مصنفین کتب تک مذکور ہیں۔  
علم کلام میں ۱- مواقف عضدیہ ۲- عقیدہ طحاویہ  
اصول فقہ: ۱- اصول بزوی ۲- توضیح

اصول حدیث و متعلقات: ۱- الفیہ، عراقی ۲- تذہیب التہذیب، ذہبی ۳- اکمال، ماکولا ۴- کتاب الجرح و التعدیل، ابن ابی حاتم ۵- تذکرۃ الحفاظ، ذہبی  
طبقات و تاریخ: ۱- کتاب الانساب، سمعانی ۲- طبقات ابن سعد ۳- طبقات صوفیہ ۴- طبقات صحابہ ۵- طبقات فقہا ۶- کامل، ابن اثیر  
سیرت نبوی: ۱- شمائل ترمذی ۲- الشفانی حقوق المصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء، امام قاضی عیاض ۳- دلائل النبوة، بیہقی ۴- سیرت ابن ہشام ۵- زاد المعاد، ابن

قیم ۶-سیرت حلبیہ ۷-مولد نبوی، ابن جوزی ۸-الدر المنظم فی المولد المعظم، امام احمد مغربی۔

تصوف: ۱-احیاء العلوم ۲-عوارف المعارف ۳-فتوحات مکیہ ۴-منازل السائرین ۵-قوت القلوب ۶-رسالہ قشیریہ ۷-حکم، سکندری ۸-غنیۃ الطالبین تفسیر: ۱-جامع البیان، ابن جریر طبری ۲-تفسیر اسحاق بن راہویہ ۳-تفسیر ابن ابی حاتم ۴-تفسیر سفیان بن عیینہ ۵-تفسیر اسحاق بن راہویہ ۶-تفسیر ابن مردویہ ۷-تفسیر قتادہ ۸-تفسیر ضحاک ۹-تفسیر مجاہد ۱۰-تفسیر ابی العالیہ ۱۱-تفسیر کواشی ۱۲-تفسیر قرطبی ۱۳-حقائق القرآن، سلمی ۱۴-تفسیر ابن ابی شیبہ ۱۵-الکشف والبیان، ثعلبی ۱۶-تفسیر ماوردی ۱۷-تفسیر واحدی ۱۸-معالم التنزیل، بغوی ۱۹-کشاف، زمخشری ۲۰-تفسیر ابن عطیہ ۲۱-عین المعانی، سجاوندی ۲۲-تفسیر شیخ اکبر ۲۳-تفسیر بیضاوی ۲۴-مدارک التنزیل ۲۵-مفتاح الغیب، تفسیر کبیر، امام رازی ۲۶-بحر محیط ۲۷-تفسیر جلالین

حدیث: ۱-صحیح امام بخاری (۱۲ سندیں) ۲-صحیح امام مسلم (۶ سندیں) ۳-سنن ابی داؤد ۴-جامع ترمذی ۵-سنن نسائی ۶-سنن نسائی کبیر ۷-سنن ابن ماجہ ۸-موطأ امام مالک ۹-موطأ امام محمد ۱۰ تا ۱۳ مسند امام ابوحنیفہ، بروایت مقرئ، بروایت خسرو، بروایت حارثی، بروایت امام ابو یوسف ۱۴-جامع مسانید امام ابوحنیفہ ۱۵-مسند امام شافعی ۱۶-مسند امام احمد ۱۷-مسند دارمی ۱۸-مسند ابن راہویہ ۱۹-مسند طیالسی ۲۰-مسند عبد بن حمید ۲۱-مسند ابن ابی شیبہ ۲۲-مسند ابو یعلیٰ ۲۳-مسند یحییٰ بن عبد الحمید ۲۴-مسند بزار، کبیر ۲۵-مسند حمیدی ۲۶-سنن دارقطنی ۲۷-صحیح ابن حبان ۲۸-سنن بیہقی ۲۹-صحیح ابی عوانہ ۳۰-معجم طبرانی ۳۱-مسند ابی بکر ابن ابی شیبہ ۳۲-مسند الفردوس، دیلمی ۳۳-مستدرک حاکم ۳۴-شرح معانی الآثار ۳۵-سنن سعید ابن منصور ۳۶-مصابیح السنہ ۳۷-



مشکوٰۃ المصابیح ۳۸- مشارق الانوار ۳۹- مشکوٰۃ الانوار ۴۰- مصنف عبدالرزاق  
 ۴۱- مستخرج، ابی نعیم ۴۲- صحیح ابن خزیمہ ۴۳- صحیح اسماعیلی ۴۴- الترغیب  
 والترہیب، منذری ۴۶- ریاض الصالحین، امام نووی ۴۷- المنقذ، ابن جارود  
 شروح حدیث: ۱- التتبیح لالفاظ الجامع الصحیح، بدر الدین زکشی ۲- تعلیق  
 المصابیح، دامینی ۳- اللامع شرح جامع، قاضی عیاض ۴- عمدۃ القاری، عینی ۵-  
 اکمال المعلم، قاضی عیاض ۶- المعلم شرح مسلم، مازری ۷- المفہم شرح مسلم، قرطبی  
 ۸- منہاج، شرح مسلم للنووی ۹- فتح الباری شرح بخاری، عسقلانی ۱۰- تحفۃ  
 القاری شرح بخاری ۱۱- توشیح، امام سیوطی

ان علوم و فنون اور کتابوں کی سندیں ذکر کرنے کے بعد کچھ اور سندیں  
 بیان کی گئی ہیں جن میں سند فقہ شافعی، اور کئی احادیث مسلسل اور مصنفات  
 کی سندیں بھی ہیں۔ پھر دلائل الخیرات، حزب البحر اور حزب النووی کی سندیں  
 ہیں۔

ان کے بعد طریقت و سلوک میں سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ،  
 نقشبندیہ کی سندیں ہیں۔

جامع صحیح امام بخاری کی ۱۲ سندیں مذکور ہیں جن میں سے ایک سند یہاں  
 تبرکاً درج کی جاتی ہے:

۱- بحر العلوم عبدالعلی محمد ۲- عن ابیہ شیخ نظام الدین محمد ۳- شیخ غلام نقشبند  
 لکھنوی ۴- شیخ پیر محمد لکھنوی ۵- شیخ اخوند حیدر پتلو و شیخ نور الحق دہلوی ۶- عن  
 ابی الثانی شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۷- عن ابیہ شیخ سیف الدین ۸- شیخ سناء  
 الدین ۹- شیخ سناء الدین دہلوی ۱۰- سید شریف علی بن محمد جرجانی ۱۱- اکمل الدین  
 محمد بن محمود بابر ترقی صاحب عنایہ شرح ہدایہ ۱۲- اشیر الدین ابو حیان ۱۳- ابو علی  
 بن علی الحوص ۱۴- ابو القاسم بن لقی ۱۵- شریح بن محمد ۱۶- علی بن احمد بن سعید

بن عبد الرحمن حلوانی ۱۷- حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مستملى ۱۸- محمد بن يوسف  
فربري ۱۹- امام محمد بن اسمعيل بخارى رحمهم الله تعالى۔

”الدر المنظوم“ میں اسنادِ سلاسل طریقت درج کرنے کے بعد آخر کتاب  
میں رسول اللہ ﷺ سے بتوسط صدیق اکبر بحالت بیداری بحر العلوم کی  
بیعت کا ذکر ہے۔ اس کا واقعہ بعض تلامذہ بحر العلوم خصوصاً بحر العلوم کے داماد  
مولانا علاء الدین کی زبانی یوں لکھا ہے:

بحر العلوم نے جب لکھنؤ سے ہجرت کر کے شاہجہاں پور میں اقامت  
اختیار کی، اس زمانے میں ایک رات کو حسب عادت مکان کے بالائی حصے میں  
مصروف مطالعہ تھے اور طلبہ زیریں حصے میں مطالعہ کر رہے تھے، اسی اثنا  
میں ایک صاحبِ ہیبت و جمال عربی شیخ نمودار ہوئے اور طلبہ سے پوچھا: مولانا  
کہاں ہیں: انھوں نے مکان کے بالائی حصے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شیخ زینہ طے  
کر کے اوپر گئے، بحر العلوم کو سلام کیا، انھوں نے جواب دیا پھر کسی اہم مطالعہ  
میں مشغول ہو گئے۔ شیخ نے کہا: آپ مہمان کا اکرام نہیں کرتے؟ اب بحر  
العلوم نے کتاب بند کر دی اور شیخ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انھوں نے فرمایا: اٹھو  
میرے ساتھ چلو، ایک باعظمت ہستی نے تم کو بلایا ہے۔ بحر العلوم ان کے  
ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے، وہاں ایک درخت کے نیچے  
ایک باہیبت، نقاب پوش سوار کو پایا۔ شہسوار نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ  
شیطان تمہارے نبی ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا؟ بحر العلوم نے جواب  
دیا: ہاں یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ سوار نے فرمایا: کیا تمہیں اپنے نبی  
ﷺ کا حلیہ یاد ہے؟ بحر العلوم نے عرض کیا: ہاں یاد ہے اور پورا حلیہ بیان  
کر دیا۔ اب انھوں نے اپنا چہرہ انور کھولا اور فرمایا: مجھے پہچانتے ہو، میں تمہارا نبی  
ہوں اور یہ ابو بکر صدیق ہیں، پھر چادر بچھائی، سب لوگ بیٹھ گئے، سرکار نے

بیعت کا حکم دیا اور بحر العلوم نے سرکار کے دست پاک پر بیعت کی۔ ایک طالب علم خفیہ طور پر بحر العلوم کے ساتھ لگ گئے تھے، یہاں کا معاملہ انھوں نے موجودین کی نظر سے اپنے کو بچاتے ہوئے دور سے دیکھا۔ جب بحر العلوم واپس ہوئے اور گھر پہنچ گئے تو طالب علم نے نماز فجر کے بعد بحر العلوم سے رات کا معاملہ دریافت کیا، انھوں نے بتانے سے پہلو تہی کی، طالب علم نے کچھ چشم دید باتیں بیان کر دیں اور باصرار دریافت کیا تو بحر العلوم نے پوری حقیقت بیان کی، اور افسوس ظاہر کیا کہ طالب علم وہاں پہنچ کر اس عظیم نعمت سے محروم رہ گیا۔

گر کوئی شخص بحر العلوم سے اس طریق میں بیعت پر اصرار کرتا تو اس کے لیے اپنی سندیوں لکھ کر دیتے:

”عبد العلی محمد عن الصدیق الاکبر عن رسول اللہ ﷺ“

صاحب در منظوم لکھتے ہیں:

یہ ایسی عظیم نوازش اور بزرگ نعمت ہے جس سے عظیم عارفین ہی سرفراز ہوتے ہیں۔ اس بیعت کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں، اس لیے کہ بحالت بیداری سرکار کے دیدار و ملاقات کے ثبوت پر اجماع قائم ہے اور اس بارے میں متواتر خبریں موجود ہیں۔ ”مناہل“ میں لکھا ہے کہ اس اجماع کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ دیکھا جاتا ہے کہ راتوں میں شہدا کی روئیں گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلتی ہیں اور اپنے ملنے والے اہل دنیا سے ہم کلام ہوتی ہیں۔ انتہی۔

امام جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور بشرح أحوال الموقی والقبور، باب زیارة القبور وعلم الموقی بزوارہم ورویتہم لهم کے تحت بہت سے واقعات کتب قداما سے نقل کیے ہیں جن میں شہدا اور اموات کے سوار ہونے، سفر کرنے اور آجیا سے ملاقات کرنے، گفتگو کرنے، مدد پہنچانے

وغیرہ کا ذکر ہے۔

بحرالعلوم کا علوم نقلیہ و عقلیہ میں کمال تو معلوم و معروف ہے لیکن واقعہ مذکورہ سے اس بات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے والد اور جد امجد علیہما الرحمہ کی طرح طریقت و معرفت میں بھی بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة و رحمنابہ، والصلوة والسلام علی حبیبہ و علی آلہ و صحبہ و علماء دینہ و اولیاء امتہ اجمعین۔

## صد سالہ امام احمد رضا کا نفرنس

آج ہم خانقاہ الیوبیہ، پیڑاکنگ، ضلع گنشی نگر، یوپی کے زیر اہتمام صد سالہ جشن امام احمد رضا قدس سرہ (ولادت: ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۲ جون ۱۸۵۶ء، شنبہ - وصال: ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء، جمعہ) منعقدہ ۲۸/۲۹ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵/۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء شنبہ، یک شنبہ بمقام شہر ممبئی، مہاراشٹر میں شرکت کے لیے حاضر ہیں۔

مقصد ہے امام احمد رضا قدس سرہ کا ذکر جمیل، ان کے نقوش حیات کا تعارف اور ان کی فکری و قلمی خدمات کا تذکرہ۔ رب کریم اس مقصد خیر میں کام یابی اور شرف قبول سے نوازے۔

امام احمد رضا کے جلال و جمال کا ایک رخ وہ ہے جو ان کی تصانیف میں جلوہ نما ہے۔ اور دوسرا رخ وہ ہے جو ان کی خانگی و عائلی زندگی میں پنہاں ہے۔ دونوں ہی رخ بڑے تاب ناک، بہت بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہیں۔

ان کی تصانیف کا معتدبہ اور قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور ایک جہان اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ دوسرا رخ ہمیں ان کے اہل خاندان اور قریبی خدام سے معلوم ہوتا ہے اور بصیرت و عبرت کے دلکش نقوش ثبت کرتا ہے۔

میں نے ان کی حیات اور نگارشات کا اپنی بساط کے مطابق کسی حد تک مطالعہ کیا ہے اور اپنے بعض مقالات اور درج ذیل دو کتابوں میں بہت کچھ بیان بھی کیا ہے۔

(۱) امام احمد رضا اور تصوف - اشاعت اول ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء - المجمع الاسلامی

(۲) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت - جد الممتار کے آئینے میں - اشاعت اول: ۱۴۱۳ھ /

۱۹۹۳ء۔

حال ہی میں ان کے فتاویٰ کے محاسن اور خصوصیات پر ایک ہزار تین سو بانوے

(۱۳۹۲) صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے جو ان شاء المولیٰ تعالیٰ اہل علم کی ضیافتِ فکر و نظر کا خوانِ گراں بہا ہوگا۔ نام یہ ہے:

### ”فتاویٰ رضویہ: جہانِ علوم و معارف“

آج اور کل کے سیمینار میں بھی آپ مختلف عنوانات پر بہت سے قیمتی مقالات سے محظوظ و مسرور ہوں گے، ان شاء المولیٰ الموفق القدر۔

میں یہاں صرف چند واقعات اور عبارات ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اگر غور کریں گے تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

### ①

بھائیوں میں جب باپ کی زمین، جائداد کا بٹوارہ ہوتا ہے تو بکثرت باہمی ناراضی اور کدورت کی صورت رونما ہوتی ہے۔ ہر ایک کو وہم ہوتا ہے کہ مجھے حصہ کم ملا یا خراب ملا اور دوسرے کو زیادہ ملا یا اچھا ملا۔ یہ کدورت بڑھتی ہے تو محاصمت اور مقدمہ بازی کی نوبت آتی ہے، عداوت اور بڑھی تو تلواریں نکل آتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، کشت و خون کا بازار گرم ہوتا ہے اور رشتہ اخوت تار تار نظر آتا ہے۔ جب کہ خون کی ریگت اور رشتے کی قربت کا تقاضا یہ تھا کہ کمی پیشی کو نظر انداز کر کے سب اپنے اپنے حصوں پر خوش ہوتے، باہمی مودت و محبت برقرار رکھتے اور فتنہ پردازوں کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دیتے۔

یہ دنیا کا حال ہے، اہلی حضرت کا حال کیا تھا؟ یہ ہمیں ان کے برادر زادے مولانا **حسنین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں** علیہما الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اہلی حضرت کے والد ماجد علامہ **نقی علی خاں** **عَلِيٍّ الرَّحْمَنُ** ایک طرف روہیل کھنڈ کے شہرت یافتہ مفتی، بریلی کے سب سے زبردست عالم و متقی اور امام المتکلمین تھے، دوسری طرف سات گاؤں کے زمیندار، معانی دار اور معزز رؤسائے شہر میں سے ایک تھے۔ ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، چھوٹی صاحب زادی جوانی ہی میں انتقال کر گئیں،

بیٹوں کے نام یہ ہیں: سب سے بڑے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں پھر مولانا حسن رضا خاں پھر مولانا محمد رضا خاں، دو بہنیں جو زندہ تھیں وہ اعلیٰ حضرت سے بڑی تھیں۔

والد ماجد کی زندگی کا بھی ۵۲ واں سال تھا کہ انھیں اندازہ ہوا کہ اب زیادہ رہنا نہ ہوگا، جائداد تقسیم کر دینی چاہیے تاکہ بعد کو کوئی نزاعی صورت نہ پیدا ہو۔۔۔ باپ کو اختیار ہے کہ اپنی جائداد اپنے ورثہ میں کم و بیش جیسے چاہے تقسیم کر دے مگر تسویہ بہتر ہے اور اگر اولاد میں کسی کے اندر دینی فضل و شرف زیادہ دیکھے یا کوئی خاص مصلحت جانے تو تفضیل میں بھی کوئی کراہت نہیں۔

اب تقسیم کا حال مولانا حسنین رضا خاں علیہ السلام کی زبانی سنئے:

اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنے دورانِ علالت علاقے کی تقسیم کا دفعہ ارادہ کر لیا، اور دو موضوعوں کی حقیقت اپنی دونوں بیٹیوں کو دے کر باقی مسلم موضوعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے، اور پچاس پچاس روپے ماہ وار ان کے دونوں بھائیوں کو ان موضوعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔

وہ دونوں بھائی مولوی حسن رضا خاں اور مولوی محمد رضا خاں اعلیٰ حضرت قبلہ سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خاں تو بہت کم عمر تھے، ان دونوں میں اتنی بڑی جائداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں کی وکالت فرمائی۔

مذکورہ بالا مسودہ جب ان کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ کو دیا کہ وہ امتن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھالیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسودہ اعلیٰ حضرت کو دیا، آپ نے دیکھا، دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے، چہرہ تہمتانے لگا، فرمایا کہ اس مسودے کی دونوں باتیں مجھے نا منظور ہیں، نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصوں کی کمی منظور ہے اور نہ میں ان کو اپنا دست نگر بنانا پسند کرتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصے کر دیے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے ان کا یہ جواب ان کے پدر بزرگوار کو پہنچا دیا، تو اعلیٰ حضرت کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امّن میاں دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپے میں اضافہ کر لیا کریں گے، جو ان کے گزارے کے لیے کافی ہوگا۔

مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو والد ماجد نے دوسرا مسودہ لکھا۔ اس میں کل کی آدھی جائداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی اور بقیہ آدھی جائداد میں ان دونوں بیٹوں کو برابر کا شریک کر دیا۔

یہ مسودہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امّن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، میں تم کو بخت پداری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہو جائے۔ چنانچہ وہ مسودہ رجسٹری ہو گیا۔ اور چند ہی روز کے بعد حضرت مولانا نقی علی خاں والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔

مگر قصہ اسی پر ختم نہیں ہوتا، آگے کا حال بھی بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، وہ بھی انہی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

ان کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو اس بات پر راضی کیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کریں کہ زیادہ روپیہ پس انداز ہو، اور بچت کے روپے سے دوسری جائداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائداد میری جائداد کے برابر کریں۔

[اس فرمائش کی تکمیل کی جو صورت قدرتی طور پر رونما ہوئی وہ بھی عجیب و غریب ہے۔ مختصر یہ کہ] اس جائداد کے ملحقہ حصے حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کے چار بھائیوں کے پاس تھے، ان میں نزاع اور مقدمہ بازی کی صورت پیدا ہوئی، انھوں نے اپنے حصے بیچنا شروع کیے، ادھر سے خریداری شروع ہوئی، سات آٹھ سال یہی نقشہ رہا، پھر مقدمہ بازی بھی بند ہوئی اور خریداری بھی بند ہو گئی۔

ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انھوں نے میرے باپ اور چچا کو زمیندار



بنایا، ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپے ماہ وار پاتے اور عمر بھر دنیا کی کش مکش میں پڑے رہتے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا ہو کر ساری جائیداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا۔ مگر دنیا میں رہ کر دنیا کو اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انھیں کا دل گردہ تھا۔ [یہ اُس وقت ہو جب اعلیٰ حضرت کی عمر صرف بائیس (۲۲) سال تھی] اس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزوں، ارمانوں، امنگوں کی رو میں بہتا ہے، اس عمر میں اُسے بڑا لالچ ہوتا ہے اور تحصیل زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا بھی امتیاز نہیں کیا جاتا۔

(سیرت اعلیٰ حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمۃ۔ ص: ۹۷، ۹۸۔ اشاعت کان پور، سنہ ۱۳۱۴ھ / ۱۹۹۳ء)

یہ ہے امام احمد رضا قدس سرہ کی عائلی زندگی جو پیری میں نہیں عنفوان شباب میں سامنے آئی، اس تاب ناک باطن کی خبر باہر والوں کو کیا ہوگی، گھر والوں نے جانا، محفوظ رکھا اور بیان کیا۔

بہت ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر بڑا دیدہ زیب ہوتا ہے مگر باطن کا جائزہ لیجیے تو سیاہی پر سیاہی کی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ع خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

(۲)

اب ایک اور واقعہ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک طرف بھائی کی محبت، بے لوث خدمت انتہائی وفاداری اور قدر شناسی کا مظہر ہے تو دوسری طرف اس بات کی علامت ہے کہ رب قدر و کریم جب کسی بندے کو خاص اپنے کام کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس کے لیے پردہ غیب سے ایسے اسباب و اعوان فراہم کر دیتا ہے جو بندے کے وہم و گمان سے باہر ہوتے ہیں۔

اس واقعے کا تعلق بھی گھریلو زندگی سے ہے اور گھر والوں ہی کے بیان سے ہمارے علم میں آتا ہے۔

علی حضرت کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں کے فرزند اوسط مولانا حسنین رضا خاں فرماتے ہیں:

علی حضرت قبلہ کی دو بیٹیوں کی شادی ہونے والی تھی، دونوں کے نکاح حسب دستور خاندان پہلے ہی ہو چکے تھے، رخصتی کا جب تقاضا ہوا تو مولانا حسن رضا خاں علی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بھائی جان! حاجی احمد اللہ خاں صاحب (سمہی) کا رخصتی کے لیے تقاضا آیا ہے، وہ آپ سے بیاہ کی تاریخ مانگتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کیوں نہ کر دیں۔

علی حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بیٹی کی شادی کوئی آسان کام نہیں، نہ کہ ایک ساتھ دو کی۔ بیٹی کی شادی میں لوگ بڑے ساز و سامان کرتے ہیں۔ تم نے کچھ ضروری سامان بھی کر لیا ہے یا یوں ہی مجھ سے تاریخ مقرر کرانے آگئے؟

مولانا حسن رضا خاں نے عرض کیا: سامان کی تیاری سے متعلق گھر میں بھابی جان سے دریافت فرمائیے۔

علی حضرت نے جا کر اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ بیٹیوں کی شادی کے لیے کیا کیا سامان تیار ہو گیا اور کیا کمی رہ گئی ہے؟

بی بی صاحبہ نے عرض کیا: ہمارے پاس تو مسالے بھی پسے تیار رکھے ہیں۔ دونوں کے جہیز مکمل ہو گئے ہیں۔ برات میں کھانے دانے کا کل سامان مہیا ہو چکا ہے۔ صرف تاریخ کی دیر ہے۔

علی حضرت قبلہ نے جب بی بی صاحبہ سے یہ الفاظ سنے تو فوراً مسرت سے آب دیدہ ہو گئے۔ آکر فرمایا: حسن میاں! تم نے مجھے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہے۔ میری بیٹیوں کی شادیاں ہیں۔ میں ان کا باپ ہوتے ہوئے بالکل بے خبر اور آزاد بیٹھا ہوں۔ تم نے مجھے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہ دی کہ جہیز میں کیا کیا دیا جائے گا؟ اور وہ کہاں کہاں سے فراہم ہوگا؟ یا یہ کہ برات میں کیا کیا کھانے دیے جائیں گے؟

آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ حسن میاں! جو کچھ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اس کے اجر میں باذن اللہ حصہ دار تم بھی ہو۔ اس واسطے کہ تمہیں نے مجھے دینی خدمات کے لیے دنیا سے آزاد کر دیا ہے۔ اس پر مولانا حسن رضا خاں روپڑے۔ قدرے سکون کے بعد تاریخ بھی مقرر فرمادی۔ (سیرت اہلی حضرت۔ اشاعت مذکور، ص: ۵۶، ملاحظاً)

یہ ایک واقعہ ہے، لیکن بات یہیں تک محدود نہیں، ایک بھرا پڑا گھر شریفانہ اور رئیسانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ چلانے کے لیے کیا کچھ جتن کرنے پڑتے ہیں یہ ایسے گھر والے خوب جانتے ہیں۔ دوسرا کام زمینداری کا تھا۔ جائداد کی نگرانی، اسامیوں سے معاملات، وصول تحصیل کی دقتیں، تقاضے کے لیے بار بار کا چکر، کسی نے دیا، کسی نے ٹالا، کسی نے کچھ ادا کیا باقی کے لیے پھنسا کر رکھا، کبھی جائداد کا خطرہ، کبھی رقم ڈوبنے کا اندیشہ، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت۔ یہ پریشانیوں کوئی زمیندار ہی بیان کر سکتا ہے جو اُس دور سے گزرا ہو۔ اہلی حضرت اگر زمینداری اور خانہ داری میں مشغول ہوتے تو تصنیف و تالیف، اصلاح و ارشاد اور رد و افتا کا کام کتنا ہوتا، بہت واضح ہے۔

مولانا حسن رضا خاں عَلَیْہِ السَّلَامُ گھر کے چھوٹے چھوٹے معاملات سے لے کر زمینداری کے بڑے بڑے معاملات تک سب اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے کہ اہلی حضرت پر کوئی عملی بار کیا آتا، فکری اور ذہنی بار سے بھی بے نیاز تھے۔

حدیہ کہ ”مولانا موصوف ہفتہ عشرہ میں اپنے یہاں سے دو قلم بنا کے لے جاتے اور اہلی حضرت کے قلم دان میں رکھ آتے، اور ان کے گھسے ہوئے قلم خود لے آتے، انہیں اتنی فرصت کہاں کہ لکھنا چھوڑ کر قلم بنائیں، اگر لکھتے لکھتے قلم کی نوک ایک طرف کی گھس جاتی تو دوسری نوک سے لکھنے لگتے، مضمون کی آمد میں خلل نہ آنے دیتے۔

مولانا حسن رضا خاں جب تحصیل، وصول کے لیے گاؤں جاتے تو پہلے اپنی بڑی بھانج کے گھر آتے، وہ جہاں گھی، تیل، ایندھن اور غلوں کے وزن وغیرہ معلوم کرتے وہیں چار پائیاں، تخت، چوکی وغیرہ کے متعلق دریافت کرتے کہ گھر میں اگر ان چیزوں کی کمی ہو تو یہ

سلمان بھی گاؤں سے بن کر غلہ، ایندھن وغیرہ کی گاڑیوں میں آجائے — ایک بزاز مقرر کر رکھا تھا جو ہر فصل پر فصلی ضرورت کے کپڑوں کے تھان لاتا، وہ کپڑا اپنی بھانج صاحبہ سے پسند کراتے اور سارے گھر کا کپڑا خرید کر دیتے۔ صرف روزانہ کا ترکاری، گوشت ایسا تھا جو اعلیٰ حضرت قبلہ کا ڈیوڑھی بان لایا کرتا تھا۔ غرض کہ انھوں نے جس لگن کے ساتھ علاقہ و جانداد کا کام کیا اسی انہماک سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی دیگر خدمات بھی انجام دیں۔

جب ۱۳۳۱ھ/۱۹۰۸ء میں ان کی وفات ہو گئی تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں آئے اور سارے کام سنبھالے، انھوں نے اپنے انتظام سے اعلیٰ حضرت کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادیاں کیں اور مولانا حسن رضا خاں نے اپنے اہتمام سے اعلیٰ حضرت کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی شادیاں کیں، اس طرح کل سات شادیاں ہوئیں، نکاح اعلیٰ حضرت نے پڑھائے۔

ان دونوں بھائیوں نے انھیں دنیا کی چپقلش سے دور رکھا، حالانکہ ان کی دنیا کافی بڑی تھی۔ قدرت نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ذمہ دین ہی کی خدمت سپرد کی تھی، اس لیے ان کو دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایسا کہ انھیں اس طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔“

(سیرت اعلیٰ حضرت۔ از مولانا حسن رضا خاں، داماد و برادر زادہ اعلیٰ حضرت علیہما

الرحمہ۔ ص: ۵۵ تا ۵۷۔ ملخصاً۔ اشاعت کان پور سنہ ۱۳۱۲ھ/۱۹۹۳ء)

میں جانداد کی تقسیم اور انتظام خانگی و زمینداری سے متعلق واقعات مزید کوئی تبصرہ کیے بغیر چھوڑتا ہوں، جب آپ ان پر غور کریں گے تو بہت کچھ پائیں گے۔

(۳)

اب آئیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زندگی کا وہ رخ دیکھیں جو ایک جہان کے سامنے ہے۔ پچاس سے زیادہ علوم میں ان کی تصانیف جلیلہ ہیں، ان میں وہ علوم بھی ہیں جن سے بہرہ ور لوگ کم سے کم تر ہیں بلکہ بعض فنون میں ان کے علمی رُشحاتِ قلم کی عقدہ کشائی کرنے والے بھی اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں یا ہو چکے ہیں۔

مگر میں غامض اور دقیق بحثوں سے ہٹ کر اس اجلاس میں آپ کے سامنے ایک صاف اور واضح بات رکھنا چاہتا ہوں۔

جو لوگ اسالیب کلام کی معرفت رکھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ درسی اسلوب الگ ہوتا ہے، (اسٹیج کا) تقریری اسلوب الگ، قلمی انداز الگ ہوتا ہے زبانی انداز الگ، فنی اور علمی طرز تحریر الگ ہوتا ہے ادبی اور صحافتی طرز تحریر الگ، اسی طرح افتا کا اسلوب الگ ہوتا ہے اور اصلاح و موعظت کا اسلوب الگ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ میں افتا کے ساتھ اصلاح و موعظت کا رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بعض فتاویٰ میں اسلوب افتا پر اصلاح و موعظت کا اسلوب غالب نظر آتا ہے، اس لیے کہ وہ صرف دقیقہ رس مفتی ہی نہ تھے، زبردست مجدد اور مصلح بھی تھے — وہ صرف حکم شرعی بتا کر کنارہ کشی نہ چاہتے تھے بلکہ حالات میں انقلاب اور لوگوں کی زندگی میں سدھار اور نکھار بھی چاہتے تھے۔

آج سے تقریباً چالیس (۴۰) سال قبل جب برادر گرامی مولانا یونس اختر مصباحی کی کتاب ”امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات“ پر میں نے ”تقریب“ لکھی تھی تو اس عنوان (فتاویٰ میں اسلوب اصلاح و موعظت) کے تحت چند شواہد پیش کیے تھے اور امید ظاہر کی تھی کہ کوئی صاحب قلم اس موضوع کو مبسوط انداز میں سیراب کریں گے لیکن اتنے طویل عرصے میں اس پر کوئی قابل ذکر قلمی کاوش نظر نہ آئی۔ میرے چند طلبہ نے اس پر جزوی کوشش کی ہے مگر اس میں ابھی کافی اضافے کی ضرورت ہے۔

میں یہاں اس اسلوب کا صرف ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر ایسے بہت سے فتاویٰ تلاش کیے جاسکتے ہیں۔



فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، کتاب الصلاة میں ایک سوال یہ ہے کہ ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعت اولیٰ ترک ہو جاتی ہے۔ اور عذر اس کا خوف فوت

تہجد ہے۔ جائز ہے یا نہ؟

اب جواب کا انداز اور اصلاح حال کی بھرپور کوشش ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جوابِ حق، وحقّ جواب یہ ہے کہ عذرِ مذکور فی السؤال، سرے سے بے ہودہ و سراپا اہمال ہے۔ وہ زعم کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ و پاس، اسے تقویتِ جماعت پر باعث ہوتا ہے۔ اگر تہجد بروجہ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوتِ واجب سے اس کی محافظت کرتا نہ کہ الثافوت کا سبب ہوتا۔

قال اللہ عزوجل: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عليكم بقيام الليل فانه داب الصالحين قبلكم وقرنة إلى الله تعالى  
ومنهأة عن الاثم وتكفير للسيئات ومطرودة للداء عن الجسد.<sup>(۱)</sup>

تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ اگلوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہوں سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔

توفوتِ جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے — اگر میزانِ شرعِ مطہر لے کر اپنے احوال و افعال تو لے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا۔

یہاں — سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر — یہ کیا کہ سنت لیجیے اور واجب فوت کیجیے — ذرا بگوش ہوش سن! اگرچہ حق تلخ گزرے۔ وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے — جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی

(۱) (۱) رواہ الترمذی فی جامعہ. وابن أبي الدنيا فی التہجد. وابن خزيمة فی صحیحہ. والحاکم فی المستدرک وصحہ. والبیہقی فی سننہ عن أبي أمامة الباهلی. (۲) وأحمد. والترمذی وحسنہ. والحاکم والبیہقی عن بلال. (۳) والطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی. (۴) وابن السنی عن جابر بن عبد اللہ. (۵) وابن عساکر عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنهم أجمعين. ص: ۳۳۰، فتاوی رضویہ، ج: ۳.

طرف جائے، تجھے تفویض جماعت کی اجازت دے۔ جس کی نظر تاکیدات جماعت پر جائے، تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ ”مَنْ ابْتَلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ اخْتَارَ أَهْوَنَهُمَا“۔ بہر حال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے۔ مگر حاشا! خدا مفسد و حدیث، نہ تجھے تفویض واجب کافتویٰ دیں گے نہ عادی تہجد کو ترک تہجد کی ہدایت کرے، ارشاد حضور سید الاسیاد ﷺ:

”يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ“<sup>(۱)</sup>۔  
کاخلاف کریں گے۔

تہجد و جماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویض کا داعی نہیں — بلکہ یہ ہوائے نفس شریرو سوسے طرز تدبیر سے ناشی (پیدا) ہوا۔

① یا ہذا۔ اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے۔ جب تو صراحتاً آثم و تارک واجب — اور اس عذر باطل میں مبطل و کاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ، وَالْكَفْرُ وَالنِّفَاقُ مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللَّهِ يُنَادِي إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يُجِيبُهُ.

ظلم پورا ظلم۔ اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سنے اور حاضر نہ ہو۔

② اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ — کہ یہ فتنہ خواب کیوں کر جاگا؟<sup>(۲)</sup> اور یہ فساد عجب کہاں سے پیدا ہوا؟ — اس کی تدبیر کر۔

(الف) کیا تو قیلو لہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقت جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا؟ — یوں ہے تو اول وقت خواب کرا لیا کرام قدسنا

(۱) رواہ الشيخان عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنها. فتاوى رضويه.

(۲) اس جملے پر قرآن جائے۔ محمد احمد مصباحی

اللہ تعالیٰ بأسرار ہم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں۔ یعنی صبح کبریٰ سے نصف النہار تک۔ وہ فرماتے ہیں کہ چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے۔ اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے کہ پیش از زوال وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقت زوال کہ ابتداء ظہر ہے ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہو لیا اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(ب) کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ — اچھا! ٹھیک دوپہر کو سو — مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے — ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے۔

اگر طول خواب سے خوف کرتا ہے:

- ① تکیہ نہ رکھ، پچھونا نہ بچھا۔ کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے۔
- ② سوتے وقت دل کو خیال جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

③ کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخارات طعام فرو ہو لیں اور طول منام کے باعث نہ ہوں۔

④ سب سے بہتر علاج تقلیل غذا ہے، سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وَعَاءَ شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أَكْلَاتُ يُقْمَنُ صَلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَكُلْتُ لِبَطْنِهِ وَكُلْتُ لِبَطْنِهِ وَكُلْتُ لِنَفْسِهِ.

رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجہ وابن حبان عن المقدم بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا۔ آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی، تہائی سانس کے لیے۔ پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا، بانجھ سے بچے مانگنا ہے۔ جو بہت کھائے گا بہت



پیے گا، جو بہت پیے گا بہت سوئے گا۔ جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات و برکات کھوئے گا۔

⑤ یوں بھی نہ گزرے تو قیام لیل میں تخفیف کر — دور کعتیں خفیف و تام۔ بعد نماز عشا ذرا سونے کے بعد۔ شب میں کسی وقت پڑھنی۔ اگرچہ آدھی رات سے پہلے۔ اداے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا۔ دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں۔ تہجد ہو گیا۔

⑥ سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا — اور اس پر سچا توکل — مولیٰ تبارک و تعالیٰ جب تیرا حسن نیت و صدق عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ۔

⑦ اپنے اہل خانہ و غیر ہم سے کسی معتمد کو متعین کر کہ وقت جماعت سے پہلے جگائے کہا و کَلَّ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا لارضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلۃ التَّعْرِیس۔

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالیٰ فوت جماعت سے محفوظی ہوگی اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی — اور جگانے والا بھی بھول گیا۔ یا سو رہا۔ کہا وقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا۔ اور امید ہے کہ صدق نیت و حسن تدبیر پر ثواب جماعت پائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

(ج) کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں؟ جب تو ساری دقتوں سے چھوٹ گیا۔ سو کر پڑھی۔ یا پڑھ کر سوئے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ جماعت پڑھ ہی کر نہ سوئے کہ خوف فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں: (۱) پیش از زوال سواٹھنا۔ (۲) بعد جماعت سونا۔ ان میں

کوئی خدشہ ہی نہیں۔ (۳) اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں۔  
رب عزوجل سے ڈرے۔ اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے۔ پھر دیکھیں کیوں  
کر تہجد تقویت، جماعت کا موجب ہوتا ہے۔

بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ۔ بلکہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یک سر مد فوع  
ومحض نامسموع، جماعت و تہجد میں اصلاً تعارض نہیں، کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی  
دستاویز کیجیے۔ اور بوجہ تعذر جمع راہ ترجیح لیجیے۔ ہذا هو حق الجواب واللہ الہادی الی  
سبیل الصواب.

بایں ہمہ اگر بالکل خلاف واقع و بے کار طور پر یہی مان لینا ضروری کہ جماعت و تہجد  
میں تعارض ہے۔ لہذا ایک ہی کی ادائیگی ہوگی دوسرے کو ترک کرنا ہوگا۔ اب ترجیح جماعت کو  
ہو یا تہجد کو؟ تو جماعت اولیٰ پر تہجد کی ترجیح محض باطل و مہجور۔

(۱) اگر حسب تصریح عامہ کتب — تہجد مستحب — و حسب اختیار جمہور مشائخ  
جماعت واجب مانئے — جب تو ظاہر کہ واجب و مستحب کی کیا برابری؟ — نہ کہ اس کو  
اس پر تفضیل و برتری!

(۲) اور اگر تہجد میں — اعلیٰ الاحوال کی طرف ترقی — اور جماعت میں ادنیٰ  
الاحوال کی جانب تنزل — کر کے دونوں کو سنت ہی مانئے۔ تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ  
نسبت نہیں۔

جماعت بر تقدیر سنیت بھی تمام سنن حتیٰ کہ سنت فجر سے بھی — اہم و اگلد و اعظم  
ہے۔ ولہذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے۔ اور سمجھے کہ سنیتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا،  
تو بالا جماع سنیتیں ترک کر کے جماعت میں مل جائے۔

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل — پھر مذہب صحیح پر سنت قبلہ ظہر  
بقیہ سنن سے اگلد ہیں — اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد — افضل  
و اگلد رکعتین مغرب ہیں۔ پھر رکعتین ظہر — پھر رکعتین عشا — پھر قبلہ ظہر — پھر شکر نہیں

کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب، تہجد سے اہم و اگلد ہیں۔ ولہذا ہمارے علما سنن رواتب کی نسبت فرماتے ہیں: **انہا لیتاکدھا أشبہت الفریضۃ**۔ (یہ مؤکد ہونے کے باعث فرض کے مشابہ ہیں۔) اور یہی مذہب جمہور و مشرب منصور ہے۔  
تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر سے کمتر — پانچویں درجہ میں واقع ہے — سب سے آگد جماعت — پھر سنت فجر — پھر قبلیہ ظہر — پھر باقی رواتب — پھر تہجد وغیرہ سنن و نوافل۔

اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت — پھر سنت فجر — پھر سنت مغرب — پھر بعدیہ ظہر — پھر بعدیہ عشا — پھر قبلیہ ظہر — پھر تہجد وغیرہ۔

پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا؟ برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں — نہ کہ مستحب مان کر۔

اگر کہیے یہاں کلام جماعت اولی میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود — اور واجب یا اس اعلیٰ درجہ کی مؤکد ”مطلق جماعت“ ہے — نہ خاص جماعت اولی — بلکہ وہ صرف افضل و اولی — اور فضل تہجد اس سے اعظم و اعلیٰ — تو حفظ تہجد کے لیے ترک اولی جائز و روا۔ اگرچہ افضل اتیان و آدا۔

**اقول:** یہ تا صیل و تفریح، سراسر بے اصل و احداثِ شنیع۔ زہار زہار! ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی — جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولی قصداً چھوڑ دیجیے — اور داعی الہی کی اجابت نہ کیجیے۔ جماعت ثانیہ کی تشریح، اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح۔ مثل مدافعتِ خشین — یا حاجتِ طعام وغیرہا — کے باعث جماعت اولی سے رہ جائیں، وہ برکتِ جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں۔ بے اعلان و تداعی (یعنی بے اذان) محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کر لیں — نہ کہ اذان ہوتی رہے — داعی الہی پکارا کرے — جماعت اولی ہوا کرے — مزے سے گھر میں

بیٹھے باتیں بنائیں — یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے؟ ہم اور کر لیں گے — یہ قطعاً یقیناً بدعتِ سنیہ شنیعہ ہے۔

اس فتوے سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی حیثیت صرف ایک مفتی کی نہ تھی۔ بلکہ ایک مصلح و مجدد کی شان ان کے فتاویٰ سے بھی عیاں ہے۔ بحیثیت مفتی سوال مذکور کا اتنا جواب کافی تھا کہ

تہجد و جماعت میں تعارض نہیں — دونوں کی ادائیگی کی تدبیر کرنا چاہیے — اور اگر بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو جماعت ترک کر کے ادائے تہجد کی راہ نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تہجد چھوڑے مگر جماعت سے مفر نہیں۔ اور یہ حکم خاص جماعتِ اولیٰ کا ہے۔ ثانیہ تو محض ضرورت اور صحیح عذر کے لیے مشروع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن اس طرح کے جواب سے سائل کو صرف حکم مسئلہ معلوم ہو سکتا ہے۔ بدعت و منکر کا قلع قمع نہ ہو سکے گا — کہ تمام وساوسِ شیطانی اور شہواتِ نفسانی کا رد ہو، آدمی میں نیکی کی ادائیگی اور برائی کے چھوڑنے کا جذبہ بیکراں فروغ پائے۔ اور سبیلِ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

اس لیے جواب میں سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا اندازِ واعظانہ و زاجرانہ اختیار فرمایا۔ اور ساتھ ہی طرزِ عالمانہ و اسلوبِ محققانہ و مفتیانہ بھی اپنائے رکھا۔ جس کے بعد سائل اگر دل میں ذرا بھی زندگی رکھتا ہو تو یہ فتویٰ اس کے لیے بہترین مرشد و شیخ کا کام دے سکتا ہے۔ بیماری دل کا خوب تر علاج ہو سکتا ہے۔ اور چوں کہ ترکِ جماعت کی بیماری صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ بلاے عام ہے اس لیے یہ فتویٰ نافعِ خاص و عام ہے۔ وھو الھادی و الموفق۔

(۴)

اب آخر میں امام احمد رضا قدس سرہ سے متعلق ایک رخ اور دکھانا چاہتا ہوں جس سے ان کا تباہ ناک ظاہر و باطن دونوں عیاں ہوتا ہے۔

مجدد دین و ملت نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ نئے پرانے فتنوں کے استیصال اور ان سے امت مسلمہ کی حفاظت و صیانت میں صرف کیا ہے۔ یہ ان کا وہ عظیم مجاہدہ ہے جو پہاڑوں اور صحراؤں میں عزت نشینی اور ریاضت و مشقت سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔

امام ابو اسحق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب مبتدعین کی اشاعت بدعت دیکھی پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس گئے جو ترک دنیا و مافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد ﷺ فتنوں میں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ امام! یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے نہیں ہو سکتا۔ امام وہاں سے واپس آئے اور بد مذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔<sup>(۱)</sup>

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے: ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مائیں، نہ مائیں یہ ان کا کام۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: بھونکے جاؤ بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان۔ جس کو یہ نسبت حاصل ہے اُس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عزت نشین ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اُس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سردیا ہے، اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑ رہی ہے۔<sup>(۱)</sup>

اب آپ امام احمد رضا قدس سرہ کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انھوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے؟ پوری زندگی فتنوں کی بیج گنی اور امت مسلمہ کی حفاظت و صیانت میں بسری ہے۔ مذاہب باطلہ اور فرق ضالہ کے رد میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، ہر فتنے کے سامنے ہمیشہ سینہ

(۱) الملقوظ، ج: ۳، ص: ۳۸

سپر رہے۔ بدعات و منکرات سے کبھی سمجھو تا نہ کیا، کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو اپنے واعظانہ و ناصحانہ کلام سے اس کو معصیت کی دلدل سے نکالنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ یہی مجددِ دین و ملت اور مصلح امت کی شان ہے۔

ان کی یہ سعی پیہم بے شمار بندگانِ خدا کے حق میں کارِ گرانگیز ثابت ہوئی، لوگ ضلالت و معصیت سے محفوظ رہے، بہت سے وہ جو کسی ضلالت یا معصیت میں مبتلا تھے، راہِ راست پر آئے۔ یہ سلسلہ ان کے رُشحاتِ قلم کے ذریعے آج بھی جاری ہے۔ رب کریم کے یہاں اس خدمت کا جو اعظم ہے وہ ہمارے وہم و گمان سے باہر ہے۔

اس پر علمائے عرب و عجم خصوصاً اکابرِ حرمین شریفین کی طرف سے امام اہل سنت کی جو مدح و ثنا ہوئی وہ شاید ہی کسی ہندی عالم کو نصیب ہوئی ہو۔ دوسری طرف اہل باطل کی طرف سے سب و شتم اور افترا و بہتان کا جو بازار گرم ہوا، اور آج بھی ہے، اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔

یہاں پہنچ کر امام احمد رضا کی استقامت اور ہمت و عزیمت قابلِ دید ہے، نہ اپنی خدمتِ دینی پر غرور ہے، نہ مدحِ اکابر پر عُجب و فخر، نہ اپنے حق میں دشمنوں کی ہرزہ سرائیوں پر غیظ و غضب اور جوشِ انتقام — یہی وہ مقام ہے جہاں ان کے اخلاص کا سونا تپ کر گندن نظر آتا ہے اور ان کی اصلاحی و تجدیدی خدمات کا رخ بالا سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعظم و اکابر کی ان عظیم مدحوں پر اترتا ہے۔ بلکہ اپنے رب کے حُسنِ نعمت کو دیکھتا ہے کہ پکی تیرے لیے اکیسا تو نے اس ناچیز کو ان عظیمائے عرب کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔

نہ [یہ بندہ] ان دُشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے، جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں، پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب ﷺ کی عزت کی حمایت

کرے۔ گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اُس کا چہرہ لکھا جائے۔<sup>(۱)</sup>

انہی کلمات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، رب کریم ہمیں ان کے نقوش زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق جمیل مرحمت فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبك أكرم الأولین والآخرین، صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَعَلَى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ.

(۱) خلاصہ فوائد فتاویٰ سنہ ۱۳۲۴ھ طبع چہارم بریلی۔ ص: ۴۹-۵۰ ملخصاً

## درس بخاری

وادی نور، آزاد میدان ممبئی ۲۰۱۱ء

آپ کو معلوم ہے کہ دین اسلام کا سرچشمہ قرآن اور حدیث ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا کلام بندوں تک اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے پہنچایا اور نبی اکرم ﷺ کو یہ ذمے داری دی کہ وہ اس کی تفصیل اور تشریح بندوں کے سامنے کر دیں جیسا کہ ارشاد ہے: **وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِيُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ** (۱)

ہم نے ذکر کو لوگوں کے لیے اتارا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکو اور تا کہ وہ اس پر غور کریں اور سمجھیں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے قرآن کو بندوں تک پہنچایا اور اس کی تفصیل اور اس کی تعلیم بھی لوگوں کو دی۔ جہاں جہاں صحابہ کرام کو ضرورت تھی وہاں حضور اکرم ﷺ نے اس کی تشریح بھی فرمائی۔ جس طرح قرآن سے ہمیشہ اہل اسلام کا اعتنا رہا اور قرآن کی حفاظت کی ہر دور میں کوشش ہوتی رہی ویسے ہی احادیث نبویہ کی بھی تدوین، اس کی حفاظت اور اس کی تطبیق کی کوشش صحابہ کرام کے دور میں، تابعین کے دور اور بعد کے ادوار میں ہوتی رہی۔ جہاں لوگ احادیث کریمہ سینوں میں محفوظ کرتے تھے یاد رکھنے اور بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے وہیں لکھنے کا بھی سلسلہ دور رسالت ہی سے تھا اور احادیث لکھی بھی جاتی رہیں۔ یہ سلسلہ جب دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد تک پہنچا تو احادیث باضابطہ ترتیب کے ساتھ اور ابواب مقرر کر کے لکھی گئیں۔ انہیں کتابوں میں سے یہ کتاب ”صحیح البخاری“ بھی ہے جس میں ابواب پر تقسیم کر کے احادیث کو جمع کیا گیا ہے: عقائد کا باب، پھر احکام کا باب، احکام میں

(۱) سورہ نحل، آیت نمبر ۴۴



نماز، روزہ، حج، زکات اور پھر اور ابواب جہاد وغیرہ۔ یہ سب ترتیب وار بیان کیے گئے ہیں۔

پہلے احادیث کی ترتیب کا طریقہ کچھ اور تھا۔ ایک شیخ سے جتنی حدیثیں سنیں سب لکھ دی گئیں یا ایک صحابی سے جتنی حدیثیں مروی ہوئیں سب جمع کر دی گئیں۔ یہ بھی حدیثوں کے لکھنے کا طریقہ رہا اور بعد میں لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے کہ لوگ عقائد کے باب میں کیا عقیدہ رکھیں، احکام کے بارے میں کیا عمل کریں تو اس لحاظ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی موطا شریف کی اور اس کے بعد اور حضرات نے بھی کتابیں لکھیں۔ بعد میں امام بخاری پھر امام مسلم اور امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اپنی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امام بخاری کو اس لحاظ سے سب پر اہمیت و فوقیت حاصل ہے کہ ان کی ذکر کردہ سند میں سب سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ قرآن جو ہم تک پہنچا ہے وہ تو اتر کے ساتھ پہنچا ہے اور قرآن کی ایک ایک آیت، ایک ایک حرف اتنے حضرات سے مروی ہے کہ جس کے اور قطعی طور سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا لیکن احادیث کا معاملہ یہ نہیں رہا بلکہ احادیث کے سلسلے میں یہ رخصت رہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے وہ بعینہ بیان کیے جائیں یا اس کا معنی و مفہوم بیان کیا جائے۔ اسی طریقے سے حدیث صرف وہی نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے بیان فرمائی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمل کیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا اور اپنے لفظوں میں اس کی تعبیر کی، اس کو بیان کیا تو یہ بھی حدیث ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام ہوا اور اس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا اس پر انکار نہیں فرمایا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی تقریر اور تائید ہوتی ہے یہ بھی حدیث ہے۔ اس وجہ سے احادیث کا معاملہ قرآن سے مختلف ہے۔

احادیث دو راول میں بہت ہی احتیاط کے ساتھ بیان ہوتی تھیں یہاں تک کہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر و بیشتر رہا کرتے تھے۔ سفر و حضر میں رہنے والے تھے، حالات کو جاننے سمجھنے سیکھنے والے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ بعد میں جب وہ کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے تو لرز جاتے تھے اور جلدی: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے تھے اور جب یہ کہتے تھے تو کانپتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے: هذا او كما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ تاکہ بیان کرنے میں کوئی لغزش نہ ہو اور کسی طرح کی خطا نہ ہو۔ یہ ان حضرات کی احتیاط تھی اور اسی احتیاط کے ساتھ وہ احادیث کی روایت کرتے تھے لیکن جیسے جیسے دور بڑھتا گیا اس احتیاط میں کمی آئی گئی۔ یہاں تک کہ جب فتنوں کا زمانہ آیا تو اسلام کی بیخ کنی کرنے والے ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے قصداً حدیثیں گڑھیں اور گڑھ کران کو بیان کرنا شروع کیا لیکن ہر دور میں محدثین کرام کی ایک جماعت ایسی بھی رہی جو چھان پھٹک کر کے ایسی تمام موضوع حدیثوں کو الگ کرتی رہی اور لوگوں کو بتاتی رہی کہ یہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ وہ زمانہ بھی آیا جب باقاعدہ احادیث بیان کرنے والے راویوں کے حالات بھی دیکھے جاتے تھے اور پوری سند لی جاتی تھی۔

کسی قوم کے پاس اقوال نبی کا ایسا ذخیرہ موجود نہیں ہے جس کی سند آج سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی جاتی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے، انہوں نے جہاں توریت کی تبلیغ کی، وہیں خود اس کی تشریح بھی فرمائی اور بہت سے اقوال ان کے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، جہاں انہوں نے انجیل کی تبلیغ فرمائی وہاں خود ان کے بھی اقوال تھے اور وہ بھی لوگوں کی موعظت و نصیحت، عبرت و ہدایت کے لیے تھے لیکن جن قوموں نے توریت اور انجیل کو محفوظ نہیں رکھا وہ اپنے انبیا کے اقوال کو کہاں تک محفوظ رکھتے؟

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ سند متصل کے ساتھ کوئی بھی نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام پیش کر سکتا ہے نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام لیکن یہ اہل اسلام کی خصوصیت ہے کہ ان

کے نبی ﷺ کا کلام سند متصل کے ساتھ موجود ہے اور راویوں کے نام بنام پوری روایت حضور اکرم ﷺ تک پیش کی جاتی رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ جو روایت کرنے والے حضرات ہیں ان کے حالات بھی جمع کر دیئے گئے اور بیان کر دیئے گئے کہ راوی کی ولادت کب ہوئی، کہاں کہاں انھوں نے سکونت اختیار کی، کن شیوخ سے انھوں نے علم حاصل کیا۔ کہاں ان کا مدفن زمانے میں ان کی وفات ہوئی؟ ان کا ضبط و احتیاط، ان کا عمل علم اور کردار کا حال بیان کیا گیا۔ حدیث میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ راوی کا حافظہ کیسا تھا اور اس کی دماغی قوت کیسی تھی؟ ایسا تو نہیں کہ اس سے کوئی خطا واقع ہوئی ہو، یا یہ ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں پہنچنے کے بعد پھر اس کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو اور بڑھاپے کے زمانے میں جن لوگوں نے اس سے حدیث سنی ہو اس کے اندر کوئی خامی رہ گئی ہو۔ یہ پوری تفصیل تمام رواۃ کی کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔ دیگر قوموں کے پاس رواۃ ہی نہیں ہیں تو رواۃ کی تفصیلات کیا ہوں گی لیکن یہ اہل اسلام کی خصوصیت ہے کہ پوری تفصیل کے ساتھ احادیث بھی موجود ہیں اور رواۃ بھی موجود ہیں۔

امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل ابن ابراہیم ابن مغیرہ ابن برگزہ ہے۔ ”برگزہ“ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی کاشت کار ہے۔ ان کے صاحبزادے مغیرہ اسلام لائے۔ برگزہ مجوسی تھے لیکن ان کے صاحبزادے مغیرہ اسلام لائے اور حضرت امام جعفری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اسی وجہ سے حضرت امام بخاری کو بھی جعفری کہا جاتا ہے۔ یہ اس قبیلے سے نہیں تھے لیکن یہ بعض حضرات کا مذہب ہے کہ جو جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کی ولا اس کو حاصل ہوگی اور وہ اس کا مولا قرار پائے گا۔ اس طریقے سے موالی کی نسبت ان کے آقاؤں کی طرف ہوتی تھی۔ اسلام لانے والوں کی نسبت بھی ان کی طرف ہوتی تھی جن کے ہاتھ پر وہ اسلام لائے۔ حضرت امام بخاری کے والد اسماعیل تھے یہ صاحب حدیث بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک حضرت حماد بن زید اور حضرت امام مالک ابن انس رضی اللہ عنہم سے سماعت و روایت حاصل کی تھی، ان سے اہل عراق

نے روایت کی اور بہت سے حضرات ان سے فیضیاب ہوئے۔ ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ احمد بن حفص جو امام بخاری کے والد ماجد سے حدیث اخذ کرنے والوں اور استفادہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ ان کے مرض وفات میں عیادت کے لیے پہنچے تو حضرت اسماعیل یعنی امام بخاری کے والد نے فرمایا کہ میرے مال میں کوئی بھی حصہ ایک درہم بھی حرام تو حرام ہے شبہے کا بھی نہیں ہے۔ احمد بن حفص کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد تصاغرت الی نفسی (مجھ کو اپنی حیثیت بہت ہی حقیر نظر آنے لگی) کہ مال میں ایک درہم بھی حرام تو حرام شبہے کا بھی نہیں ہے۔ یہ مال چھوڑ کر کے انھوں نے وفات پائی اور امام بخاری ان کے وارث ہوئے تو مال کثیر ان کے حصے میں آیا۔ ان کے ایک بڑے بھائی احمد بن اسماعیل تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تھیں۔ امام بخاری اپنا ابتدائی حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکتب میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جایا کرتا تھا اور وہیں میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں احادیث کی تحصیل کروں اور احادیث کی سماعت کروں۔ اس کے بعد میں مکتب سے نکل آیا اور محدثین کے یہاں جانے لگا۔ بخار میں انھوں نے محمد بن سلام بیکندی (بیکندی بخارا کا ایک شہر ہے) محمد بن یوسف بیکندی اور عبداللہ ابن محمد مسندی وغیرہم سے علم حدیث اخذ کیا۔ علم حدیث حاصل کرنے کا حال یہ تھا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ محدث داخلی کے پاس میں حاضر تھا اور انھوں نے حدیث بیان کی حد ثنا سفیان عن ابی زبیر عن ابراہیم تو میں نے کہا کہ ابو زبیر ابراہیم کے راوی نہیں ہیں۔ انھوں نے ڈانٹا، اس لیے کہ جب وہ مکتب سے نکلے اور حدیث پڑھنی شروع کی تو ان کی عمر دس سال تھی یا اس سے بھی کم۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا: ارجع الی الاصل ان کان عندک۔ (آپ اصل دیکھ لیجئے اگر آپ کے پاس ہو) ہوتا یہ تھا کہ ایک شیخ سے جب لوگ حدیث سنتے تھے تو سب حدیثیں لکھتے رہتے تھے۔ وہی اصل ہوتی تھی پھر بعد میں اس کی نقلیں ہوتی تھیں اور پھر اس کا بیان ہوتا تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر اصل آپ کے پاس ہو تو دیکھیے۔ وہ اندر گئے اور

اندر سے دیکھ کر کے آئے تو ان کو مجھ میں آیا کہ اس بچے نے جو کہا وہ صحیح ہے۔ نکلنے کے بعد خود ہی فرمایا کہ: کیف ہو یا غلام! (اے لڑکے وہ کیسا ہے، کیا ہے؟) تو حضرت امام بخاری نے کہا: حدثنا سفیان عن الزبیر ابن عدی عن ابراہیم (یہ زبیر ابن عدی ہیں ابو زبیر نہیں ہیں اور وہ ابراہیم کے راوی ہیں) انھوں نے کہا کہ تم نے صحیح کہا اور اس کے مطابق اپنی جو نقل تھی اس میں اصلاح کی۔ پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی رہی ہوگی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ خود اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ سولہ سال کی عمر تک میں نے حضرت عبداللہ ابن مبارک اور حضرت ابن الجراح جو حضرت امام اعظم کے شاگرد بھی تھے، فقیہ بھی تھے، محدث بھی تھے، ان کی کتابیں پڑھ لیں اور ان کے اقوال یاد کر لیے۔ اس کے بعد میں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے بھائی احمد کے ساتھ سفر حج کیا۔ سولہ سال کی عمر میں امام بخاری سفر حج کو نکلے اور اس سے پہلے پہلے ان محدثین سے استفادہ کر چکے تھے اور اس استفادہ کا حال یہ تھا کہ سلیم ابن مجاہد حضرت محمد ابن سلام بیکندی کے پاس پہنچے۔ وہاں امام بخاری درس حدیث لیا کرتے تھے۔ سلیم ابن مجاہد سے انھوں نے فرمایا: لو جئت من قبل لرأیت صبیحا حفظ سبعین الف حدیث (اگر تھوڑا پہلے آتے تو ایک ایسے بچے کو دیکھتے جو ستر ہزار حدیثیں یاد رکھتا ہے) یہ امام بخاری کے سولہ سال کی عمر سے پہلے کا واقعہ ہے اس لیے کہ محمد ابن سلام بیکندی سے امام بخاری کی ملاقات سفر حج میں جانے کے بعد پھر بھی نہیں ہوئی اس لیے سفر حج میں جانے اور خراسان سے نکلنے سے پہلے کی یہ بات ہے۔ سلیم ابن مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد تلاش کی کہ وہ کون بچہ ہے تو محمد بن اسماعیل سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا: ان تقول ان تحفظ سبعین الف حدیث.؟ انھوں نے فرمایا: نعم و احفظ. (ستر ہزار ہی نہیں اس سے زیادہ یاد رکھتا ہوں) اور حدیث کے یاد رکھنے کی کیفیت انھوں نے بیان کی کہ جتنے صحابہ و تابعین سے میں حدیثیں روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کی ولادت، وفات،

مسکن مولد ان سب کو میں جانتا ہوں۔ عام طور سے محدثین روایتیں تو کرتے تھے صحابہ و تابعین کے بارے میں تو پوچھنا ہی نہیں کلہم عدول۔ لیکن تابعین کے بعد کی تفصیلات مولد و مسکن، زمانہ زندگی اور حالات یہ سب محفوظ نہیں ہوتے تھے لیکن امام بخاری نے کہا کہ جتنے صحابہ اور تابعین ہیں ان میں سے اکثر کے حالات زندگی بھی میں جانتا ہوں اور ان کی ولادت و وفات سے بھی واقف ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جتنی بھی حدیثیں میں یاد رکھتا ہوں اس کے ساتھ ساتھ قرآن میں، حدیث میں ان اصل کو بھی میں جانتا ہوں۔ یہ کسی مجتہد ہی کا کام ہو گا کہ حدیث کا جو مضمون ہے وہ قرآن کے کس مضمون کے تحت آتا ہے یا جو حدیث مشہور متواتر ہو اس کے کس مضمون کے ساتھ آتا ہے۔ جب کسی عام حدیث یا خبر واحد کا مضمون کسی آیت قرآنی کے مطابق ہے یا حدیث مشہور و متواتر کے مطابق تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مفہوم ضرور صحیح ہے۔ یہ تین باتیں امام بخاری نے اس وقت بیان فرمائیں جب ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ تو یہ ان کے حفظ حدیث کا حال تھا۔ اس کے بعد وہاں سے نکلے تو حجاز مقدس میں چھ سال تک رہے اور وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں مصر میں دو بار گیا، جزیرہ میں دو بار گیا، بصرہ میں چار بار گیا اور حجاز میں چھ سال تک رہا اور: لا احصى كم دخلت الى الكوفة و بغداد مع المحدثين (شمار نہیں کہ میں کتنی بار کوفہ اور بغداد میں محدثین کے ساتھ گیا ہوں) یہ امام بخاری کا اپنا قول ہے۔ میں یہاں پر ایک ہی جملہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر عراق فتنوں کی سر زمین تھی تو یہ بصرہ اور کوفہ اور بغداد خاص طور سے کوفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مولد تھا اور مسکن بھی اور بغداد بھی امام معظم رضی اللہ عنہ کا مسکن تھا اور مدفن بھی۔ یہاں امام بخاری جیسا حافظ الحدیث خود یہ کہتا ہے: لا احصى كم دخلت الى الكوفة و بغداد مع المحدثين “(کتنی بار میں بغداد اور کوفہ گیا ہوں، شمار نہیں کر سکتا) کیا امام بخاری وہاں فتنہ سیکھنے جاتے تھے؟ اس وقت بھی کوفہ اور بغداد علم کا اتنا بڑا مرکز تھا۔ اتنا بڑا ذخیرہ علم کا وہاں موجود تھا کہ کوئی بھی

محدث اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تھا یہاں تک کہ امام بخاری کو دوسرے شہروں میں تو کم جانے کا اتفاق ہوا لیکن کوفہ اور بغداد اتنی بار گئے کہ اس کا شمار نہیں ہے۔

ان کی تحصیل علم کا حال یہ تھا یہ حاشد ابن اسماعیل کرتے ہیں کہ ہم اور ابن محمد ابن اسماعیل بخاری محدثین کے پاس بصرہ جایا کرتے تھے اور حدیث سیکھا کرتے تھے۔ ہم لوگ توحشیش لکھتے تھے کیوں کہ اس زمانے کا طریقہ یہی تھا کہ شیخ نے حدیث بیان کی اور وہ لکھ لی گئی تاکہ محفوظ رہے اور کوئی اس کے اندر خطا واقع نہ ہو۔ روزانہ ہم لوگ حدیث سنتے تھے اور لکھتے تھے مگر امام بخاری سنتے تھے لکھتے نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کیوں وقت برباد کر رہے ہو لکھتے کچھ نہیں ہو۔ اس طریقے سے سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سولہ دن گزر گئے پھر ہم لوگوں نے کہا کہ آپ کو لکھنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے بہت زیادہ ملامت کر ڈالی اچھا نکالو جتنی حدیثیں تم لوگوں نے لکھی ہیں۔ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم نے نکالا تو پندرہ ہزار حدیثیں ہم لوگ لکھ چکے تھے۔ امام بخاری نے کہا کہ میں پڑھتا ہوں اور تم اپنی لکھی ہوئی تحریروں سے ملاؤ امام بخاری نے وہ حدیثیں جو پندرہ ہزار سے زیادہ تھیں سب سنادیں اور کہیں بھی خطا نہیں کی۔ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی تحریروں کو ان کی یادداشت سے درست کیا۔ یہ ان کی تحصیل حدیث کا حال تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنی نوجوانی ہی میں اس مقام کو پہنچ چکے تھے کہ بڑے بڑے لوگ ان سے حدیث حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ابو بکر اعین کہتے ہیں: ”کتبنا عن محمد ابن اسماعیل وهو امرد علی باب محمد یوسف“ (امام بخاری کی ابھی داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی اس وقت ہم نے محمد بن یوسف فلیابی کے دروازے پر ان سے حدیث لکھی) اس کا مطلب کیا ہوا؟ محمد یوسف فلیابی امام بخاری کے شیخ تھے۔ شیخ کے ہوتے ہوئے تلمیذ کی طرف کوئی توجہ نہیں دے گا خصوصاً حدیث کے معاملے میں کہ شیخ موجود ہیں ان کی روایت عالی ہوگی اور ان کے ہوتے ہوئے امام بخاری سے پوچھنے اور سیکھنے کی حاجت نہیں ہوگی لیکن یہ جانتے تھے



کہ امام بخاری کے پاس محمد ابن یوسف فلیابی سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں اسی لیے اس زمانے میں لوگ ان سے حدیث پوچھتے تھے۔

دوسرے محدث بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری راہ چلا کرتے تھے تو لوگ حدیثیں سیکھنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑتے تھے، اتنے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ ہمیں راستے میں ان کو بٹھالیتے تھے اور حدیثیں ان سے پوچھنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ حدیثیں بیان کرتے تھے اور ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا یہی محمد ابن یوسف فلیابی نے اپنی محفل میں ایک بار اپنے درس حدیث میں کہا: حدثنا سفیان عن ابی عروہ عن ابی الخطاب عن ابی حمزہ۔ پھر اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ اس سند حدیث کے رجال کون کون ہوئے؟ سفیان اور ثوری کو تو بھی جانتے تھے لیکن ابو عروہ کون ہے؟ ابو الخطاب کون ہے؟ اور ابو حمزہ کون ہے؟ پورے درس میں کوئی نہیں بتا سکا۔ امام بخاری نے عرض کیا کہ ابو عروہ معمر ابن راشد ہیں، ابو الخطاب قتادہ ابن دعامہ سدوسی ہیں اور ابو حمزہ حضرت انس ابن مالک ہیں۔ امام سفیان ثوری کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مشہور محدثین جو مشہور رواۃ ہوتے تھے تو ان کا نام لینے کے بجائے کنیت ذکر کرتے تھے۔ اسی میں یہ ہے معمر ابن راشد مشہور و معروف ہیں، قتادہ ابن دعامہ تابعی یہ بھی معروف و مشہور ہیں اور حضرت انس ابن مالک کا تو پوچھنا ہی کیا۔ چوں کہ امام بخاری نے حدیث اس طریقے سے حاصل کی تھی کہ تمام رواۃ کے حالات سے بھی آشنا تھے کیوں کہ انھوں نے مدینہ منورہ ہی میں اٹھارہ سال کی عمر میں ”تاریخ کبیر“ لکھی تھی جس میں انھوں نے رجال حدیث کے احوال جمع کیے ہیں۔ چاندنی راتوں میں اس کو لکھا تھا، اس طور سے انھوں نے یہ حدیثیں حاصل کی اور اس کے بعد چھ لاکھ حدیثوں سے بخاری شریف کا انتخاب کیا اور ایک لاکھ صحیح حدیثوں سے پھر اس کا انتخاب کیا۔

امام ابن حجر عسقلانی کے مطابق دو ہزار سے کچھ زیادہ اس کے اندر حدیثیں ہیں جو مکررات کو حذف کر کے ہیں اور مکررات کو لے کر نو ہزار سے کچھ زیادہ حدیثیں ہیں اس



لیے یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ بخاری میں جو حدیث نہیں ہے وہ حدیث ہے ہی نہیں۔ اگر دس ہزار بھی مان لیجیے تو امام بخاری کے پاس نوے ہزار حدیثیں تھیں وہ کیا ہوئیں؟ اس لیے یہ سمجھنا کہ بخاری میں جو حدیث ہے وہی حدیث ہے اور اس کے علاوہ جو ہے وہ حدیث ہے ہی نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ امام بخاری نے جب ان کو ایک لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا اور صرف نو ہزار مکررات کے ساتھ اس کو جمع کیا ہے تو یقیناً اس کے علاوہ بہت حدیثیں رہ گئی ہیں ان کی تخریج انھوں نے نہیں کی۔ بعد کے محدثین نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کی تخریج بھی کی ہے اس لیے وہ بھی روایت قابل ذکر اور قابل عمل ہیں اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔ یقیناً ان سے احکام بھی اخذ کیے جائیں گے اور عقائد میں بھی ان کا ثبوت ہوگا۔ یہ امام بخاری کی کتاب ہے جو نہایت ہی بابرکت ہوئی اس وجہ سے کہ اس کی سند نہایت ہی قوی ہے اور ان کے فضائل اور مناقب بے شمار ہیں۔ وقت کی قلت کے پیش نظر اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ۲۰۱۲ء ص ۵



**علامہ محمد احمد صباہی دامت برکاتہ کی تصانیف**

- تدوین قرآن
- امام احمد رضا اور تصوف
- تتقیر مجرات کا علی حسابہ
- شادی اور آداب زندگی
- المواہب الجلیل لتجلیہ مدارک الترمذی (عربی)
- حدوث الفتن وچہاد اہل السنن (۱۳۳۱ھ)
- حاشیہ جدا لمتن راہ جزو الثانی
- امام احمد رضا کی فقہی بصیرت
- معین العرفین
- فرائض و آداب متعلم و معلم
- خلفائے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق
- رسم قرآنی اور اصول کتابت
- رہنمائے علم و عمل
- شرک کیا ہے
- اکسیر اعظم
- فتاویٰ رضویہ: جہان علوم و معارف
- مقالات صدر العلماء

Publisher & Distributer **Rs.250**

**Misbahi Publication, Muhammadabad, Mau**

Mobile No. : 8188818465, 9506191193